قرآن مجید کا استفہامی اسلوب

تدبر قرآن، ضیاء القرآن، معارف القرآن اور تفہیم القرآن کا تجزیاتی مطالعہ

ماریہ اشرف

ASIAN RESEARCH INDEX
2023

قرآن کے استفہامی اسلوب پر ایک منفرد کتاب

قرآن مجید کا استفہامی اسلوب

تدبر قرآن، ضیاء القرآن، معارف القرآن اور تفہیم القرآن کا تجزیاتی مطالعہ

ماریہ اشرف

ایشین ریسرچ انڈکس

جملہ حقوق بحق مصنفہ وناشر محفوظ ہیں

ASIAN RESEARCH INDEX

نام کتاب	قرآن مجید کا استفہامی اسلوب: تدبر قرآن، ضیاء القرآن، معارف القرآن اور تفہیم القرآن کا تجزیاتی مطالعہ
مصنف	ماریہ اشرف
ناشر	ایشین ریسرچ انڈکس
طبع	دوم
اشاعت	2023ء-1444ھ
آئی ایس بی این	9786277680053
آے آر آئی آئی ڈی	1695203136242
آن لائن حصول	https://asianindexing.com/
لائسنس	

Licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

التماس: انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتاب کی پروف ریڈنگ، تسہیل، طباعت اور اشاعت میں نہایت احتیاط برتی گئی ہے۔ تاہم غلطی کا احتمال بہر حال باقی رہتا ہے۔ بشری تقاضے اپنی جگہ ہیں۔ لہذا کتاب میں اگر سہواً کوئی غلطی رہ گئی ہو یا صفحات درست نہ ہوں تو مصنف، ناشر، پروف ریڈرز اور طابع ہر قسم کے سہو پر معافی کے طلب گار ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ کتاب میں اگر کسی بھی قسم کی غلطی یا خامی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں درستگی عمل میں لائی جاسکے۔

انتساب

اللہ تعالیٰ کے بعد نبی مکرم حضرت محمد ﷺ کے نام جن کے صدقے ظلمت کے اندھیرے دور ہوئے، نور کی روشنی چہار سو پھیلی اور دین اسلام کی صورت میں ہدایت ایمانی نصیب ہوئی۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو انسانیت کے لیئے مشعل راہ اور بہترین نمونہ ہے۔ اس کے بعد والد ملک اشرف علی ڈوگر اور والدہ کلثوم اشرف ڈوگر کے نام جن کی شخصیت میرے لیئے سرمایہ حیات ہے۔

فہرست عنوانات

مقدمہ ج

باب اول: قرآن حکیم میں آیاتِ استفہام کی اہمیت، نوعیت اور مقاصد 1

فصل اول: قرآن حکیم میں آیات استفہام کی ضرورت و اہمیت 3

قرآن میں استفہامیہ اسلوب کے مقاصد ... 3

استفہام۔ مخاطب کی توجہ و آمادگی کا حصول . 3

حقیقت کا اقرار 4

مثبت و منفی استفہام اور دعوت غور و فکر 6

استفہام بمقصد تاکید 9

استفہام بمقصد ترغیب و عبرت اندوزی 9

استفہام بمعنی اقرار 10

استفہام بمعنیٰ تعجب 11

استفہام بمعنی امر 13

خطباتِ استفہامیہ کے اسرار و حکم و امثال 15

حروفِ استفامیہ پر مشتمل آیاتِ قرآنی کے اسرار و حکم 15

ا۔ ہمزہ استفہامیہ 15

۲۔ ھل استفہامیہ 16

آیاتِ قرآنی کے اسرار و حکم 17

اسمِ استفہامیہ: أین؟ 19

اسمِ استفہامیہ: متی؟ (کب) 19

اسمِ استفہامیہ: کیف؟ (کیسے) 19

اسمِ استفہامیہ: کم؟ (کتنا) 20

اسمِ استفہامیہ: أیان کب؟ 20

اسمِ استفہامیہ: أنّٰی کہاں؟ 21

نتیجہ بحث 21

فصل دوم: قرآن مجید میں آیاتِ استفہام کی نوعیت اور مقاصد 23

استفہام کے معانی و مفاہیم 24

ادوات استفہام 24

ا-حروف استفہام 25

۲-اسمائے استفہام 25

ا-مَنْ 25

۳-متی 26

۴-ایان 27
۵-این 27
٦ -أنی 27
۷-کیف 27
۸-کم 28
۹-اي 28
قرآنی استفہامی اسلوب کے مقاصد 28
قرآن مجید میں آیاتِ استفہام کی نوعیتیں . 31
۱-ایمانیات اور عقائد کی پختگی کے بیان میں استفہامی اسلوب 31
۲-عبادات کے بیان میں استفہامی اسلوب34
۳۔اخلاقی و معاملاتی تفہیم میں استفہامی اسلوب 37
۴۔منکرین آخرت ورسالت سے تخاطب اور استفہامی اسلوب 39
خلاصہ بحث 41
باب دوم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر تفہیم القران کا کردار 43
فصل اول: مولانا ابوالاعلی مودودیؒ کے حالات زندگی 45
تعارف 45
ابتدائی تعلیم وتربیت 45
تصنیفی وصحافتی زندگی کا آغاز 46
سیاسی خدمات 47
جماعت اسلامی کا قیام 47
مولانا مودودیؒ اورجماعت اسلامی کیلئے رکاوٹیں 47
جماعت اسلامی کی امارت سے علیحدگی 48
شاہ فیصل ایوارڈ 48
وفات 48
مولانا مودودیؒ کی خدمات دین اور علم 48
مولانا مودودیؒ کیلئے قید وبند کی صعوبتیں ..50
فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات .52
آیاتِ استفہام اور فہمِ ایمانیات 52
ایمان بالملائکہ 53
خلاصہ بحث 72
فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات ..73
آیاتِ استفہام اور فہمِ عبادات 73

خلاصہ بحث 89

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہمِ معاملات90

آیاتِ استفہام اور فہم معاملات 90

خلاصہ بحث 118

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عقیدہ آخرت119

آیاتِ استفہام اور فہم عقیدہ آخرت.... 119

خلاصہ بحث 140

باب سوم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر معارف القرآن کا کردار 141

فصل اول: مفتی محمد شفیعؒ کا تعارف وحالات زندگی 143

مفتی محمد شفیعؒ 143

اساتذہ 144

تفسیر معارف القرآن کا تعارف و منہج ... 147

خلاصہ بحث 151

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات152

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات 168

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ آخرت . 190

باب چہارم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر تدبرِ قرآن کا کردار 203

فصل اول: امین احسن اصلاحی کے حالات زندگی اور انکی علمی خدمات 205

حالات زندگی 205

شادی اور بچے 206

وفات 206

علمی خدمات 207

تعارف و منہج تفسیر تدبر قران 211

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات 223

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات 246

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہمِ معاملات258

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عقیدہ آخرت (تفسیر تدبرِ قرآن کی روشنی میں تخصیصی مطالعہ) 280

باب پنجم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر ضیاء القرآن کا کردار 303

فصل اول: پیر محمد کرم شاہ الازہری کے حالاتِ زندگی 305

حالات زندگی 305

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہم ایمانیات 312

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہم عبادات 331

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہم معاملات 342

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہم آخرت . 360

خاتمہ کلام **376**

فہرستِ آیات **379**

فہرستِ احادیث **411**

مصادر **413**

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم اما بعد: اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہمیں اسلام سے نوازا جو دین فطرت ہے ایک ہمہ گیر اور مکمل دین ہے علم و اخلاق کا دین ہے ہر زمان و مکان کے لیے موزوں و مناسب دین ہے آسانی و رحمت کا دین ہے قرآن ہی اسلام ہے قرآن مجید اللہ رب ذوالجلال کا پاک کلام ہے جسے اس نے اپنے محبوب پیغمبر سید کائنات ﷺ پر نازل فرمایا یوں تو اللہ تعالیٰ نے امام الانبیاء رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کو بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے مگر ان میں سے ایک سب سے عظیم، ابدی، دائمی، لافانی اور سرمدی معجزہ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت اور معانی و مفاہیم کو سمجھنے کے لیے اور سمجھانے کے لیے تدبر و تفکر افضل ترین عبادت ہے بلکہ دین و عبادت کی تمام تر عمارت قرآن مجید کی ہی اساس پر استوار ہے قرآن مجید میں احکام بھی ہیں شرائع بھی، امثال بھی ہیں اور مواعظ و تاریخ بھی، نہ امور دین سے متعلق کوئی ایسی چیز ہے جس کی قرآن مجید میں توضیح و تبیین نہ کر دی گئی ہو اور نہ نظامِ کائنات سے متعلق کوئی ایسی بات ہے جس کی قرآن حکیم میں وضاحت و صراحت نہ کر دی گئی ہو مسلمانوں نے بھی قرآن مجید کے ساتھ اپنے سینوں کو منور کیا اور اس کی تعلیمات کے مطابق عمل کیا اس کے بحر ذخائر میں غواصیوں کے بعد علوم و فنون کے ایسے لعل و جواہر دنیا کے سامنے پیش کیے جس کی سابقہ ادیان و اقوام میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

کسی نے تو لغات قرآن، تحریر کلمات، مخارج حروف قرآن پر بحث کی تو کسی نے عموم و خصوص، حقیقتاً و مجاز، ظاہر و مجمل، محکم و مشتابہ، امر و نہی اور ناسخ و منسوخ کے اعتبار سے قرآن پاک پر نگاہ دوڑائی تو کسی نے قرآن مجید سے تاریخ اور قصص و واقعات اخذ کر کے مرتب کر ڈالے۔ کسی نے حکم، امثال، مواعظ، وعد و وعید، مدت و معیاد، حشر و حساب اور جنت و جہنم کے تذکار پر خامہ فرسائی کی۔

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمتِ او لایزال است و قدیم

قرآن کا مخاطب انسان ہے اور یہ اپنے مخاطب کو منفرد انداز سے خطاب کرتا ہے قرآن کا انسان کو سمجھانے کا طریقہ انمول ہے کبھی یہ امثال بیان کرتا ہے کبھی یہ قصص بیان کرتا ہے کبھی انذار بیان کرتا ہے تو کبھی خوشخبری سناتا ہے اس کا انداز کبھی بیانیہ ہے اور کبھی استفہامیہ! سوال بنیاد ہے گفتگو کا، اسرار و

رموز کو کھولنے کا، سوال کبھی ترغیب کے لیے استعمال کیا جاتا ہے کبھی تجسس کے لیے، تخیل کے طور پر کبھی دلچسپی پیدا کرنے کے لیے کبھی سوچ کے معیار کو جانچنے کے لیے، کبھی حوصلہ افزائی کے لیے، کبھی احکامات کو یقینی بنانے کے لیے بھی سوال کا استعمال کیا جاتا ہے معلومات کو دہرانے اور پائیدار بنانے کے لیے بھی، مخاطب کی ذہنی استعداد کو چیک کرنے کے لیے بھی، مشکلات کو آسان کرنے کے لیے رجحان اور رویہ سازی کے لیے بھی، غلطی کے ادراک، باطل کے ردّ اور استحسان کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے بھی سوال کا استعمال کیا جاتا ہے اور یہ سارے مقاصد قرآن مجید میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ قرآن حکیم میں آیات استفہام ،نوعیت اور مقاصد کا منتخب تفاسیر کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ اس عنوان پر مجھے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کا اعزاز ملا۔ اس لئے اس موضوع میں میری دلچسپی بہت بڑھ گئی اور میں قرآن کی خدمت کر چاہتی تھی تو مجھے احساس ہوا کیوں نہ اس موضوع پر کتاب تحریر کی جائے تاکہ عوام الناس کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا قرآن مجید میں اپنے بندوں سے سوال کرنے کی حکمتوں اور مقاصد سے آگاہی فراہم ہو سکے چنانچہ زیر نظر کتاب میں قرآن مجید میں آیات استفہام کے اسلوب ان کی نوعیت، مقاصد اور حکمتوں کو زیر بحث لایا گیا ہے اور ان کو منتخب تفاسیر کے تحت بیان کرنے کی ک سعی کی گئی ہے ۔میرے استاد محترم ڈاکٹر حافظ افتخار احمد کی سرپرستی اور رہنمائی سے یہ کتاب مکمل کرنے کی سعادت حاصل کی۔ڈین فیکلٹی آف اسلامک لرننگ پروفیسر ڈاکٹر شیخ شفیق الرحمٰن صاحب اور میرے استاد محترم ڈاکٹر ضیاء الرحمن، ڈاکٹر سعید شیخ، ڈاکٹر فدا حسین کی راہنمائی بھی ہر قدم پر میسر رہی۔کتاب کی ایڈیٹنگ سے لے کر طباعت تک کے مراحل میں ڈاکٹر زوہیب احمد (میرے کولیگ) کی رہنمائی میری معاون رہی۔ میرے والدین، بہن، بھائی، شوہر اور بچوں کا تعاون بھی مجھے اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں حاصل رہا۔ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نفع بخش اور فائدہ مند بنادے اور ہمیں درست روی اور اپنی توفیق سے نوازے۔ آمین

کام میرا زندگی بھر خدمت قرآن ہو
فہم قرآں دے الٰہی نور عرفاں دے مجھے

والسلام

ڈاکٹر ماریہ اشرف ڈوگر

باب اول: قرآن حکیم میں آیاتِ استفہام کی اہمیت، نوعیت اور مقاصد

باب اول: قرآن حکیم میں آیاتِ استفہام کی اہمیت، نوعیت اور مقاصد

فصل اول: قرآن حکیم میں آیات استفہام کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے ایک مثالی کتاب ہے۔ علم معانی ہو یا علمِ بیان یا علم بلاغت کے ماہرین نے اس کی لسانی وادبی خصوصیات کو نگارشات کا موضوع بنایا ہے۔ فصاحت و بلاغت کی انہی خوبیوں کی بنا پر قرآن مجید کو کلام مبین بھی کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں ایجاز و اطناب اور ربط و مساوات کے اسالیب نظر آتے ہیں، وہیں تقدیم و تاخیر اور حذف کے اسلوب بھی نمایاں ہیں۔ قرآن مجید کے مختلف و منفرد اسالیب میں سے ایک اہم اسلوبِ استفہام ہے۔

استفہام عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی سوال کرنے، جاننے، فہم حاصل کرنے اور استفسار کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ادب میں استفہام کسی حقیقت سے مخاطب کو آگاہ کرنے، مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دینا، اور اپنی بات کا ثبات کرنا وغیرہ کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی استفہام کا اسلوب بکثرت استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن میں استفہامیہ اسلوب کے مقاصد

قرآن حکیم میں استفہام کا اسلوب کثرت سے استعمال کیا گیا ہے۔ مخاطب میں آمادگی پیدا کرنے، غور وفکر کی دعوت دینے، مخاطب کو جواب سننے کے لیے آمادہ کرنے، اور مخاطب سے کسی حقیقت کا اقرار کرانے کے لیے یہ اسلوب استعمال کیا گیا ہے۔ استفہام، اثبات کے ذریعے بھی کیا گیا ہے اور منفی اندازِ استفہام بھی نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں تاکید، ترغیب، توبیخ، تحقیر، عبرت اندوزی، شان وشوکت کے اظہار اور التفات ونوازش کے لیے بھی اسے استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اقرار وامر کے معنی میں بھی آیا ہے اوراظہار تعجب کے لیے بھی۔ حسرت کے انداز میں بھی اور بانداز استعجاب و استہزاء بھی۔ مسلسل استفہام بھی قرآن میں استعمال کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا مقاصد وحکمتوں اور اس کے منفرد استعمال پر ذیل میں بحث کی گئی ہے۔

استفہام۔ مخاطب کی توجہ وآمادگی کا حصول

قرآن نے مخاطب میں آمادگی پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات اپنی گفتگو کا آغاز سوال سے کیا ہے اور پھر جواب کی صورت میں مدعا بیان کیا ہے۔ اس طرح سامعین کو متوجہ کرنے کے لیے بہترین موقع پیدا کیا ہے۔ سورۃ المعارج میں آخرت اور احوال آخرت کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اتنے اہم مضامین

کے لیے آمادگی اور توجہ کی اشد ضرورت تھی جس کی بنا پر قرآن نے سوال سے آغاز کیا ہے اور انداز یہ اختیار کیا ہے کہ لوگ سوال سے زیادہ جواب کی طرف متوجہ ہوں۔" سَأَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ "[1] (ایک مانگنے والے نے وہ عذاب مانگا ہے) اس کا جواب طویل دیا گیا جس کے سننے کے لیے مخاطبین میں دلچسپی پیدا ہونا فطری امر ہے۔ قرآن حکیم نے سوال کر کے مخاطب کو جواب سننے کے لیے آمادہ کیا۔ یوں گویا قرآن نے اپنی دعوت اور تعلیم کے لیے ایک نفسیاتی تکنیک استعمال کی۔[2]

حقیقت کا اقرار

استفہام کا ایک بلیغ موقع استعمال وہ بھی ہے جب مخاطب سے کسی ایسی بات کا اقرار کرانا ہو جس کی نوعیت ہو تو ایک بدیہی حقیقت کی لیکن مخاطب اس کو تسلیم کرنے کے باوجود عملاً اس سے منحرف ہو۔ جیسے آیت ذیل:

" هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا "[3]

" انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابل چیز نہیں تھا" کی تفسیر میں مولانا امین اصلاحی کا نقطہ نظر ہے یہ محض ایک سادہ خبریہ جملہ نہیں ہے بلکہ اس کے اندر بہت سے معانی مضمر ہیں۔ مثلاً:

۱۔ ایک عظیم حق کی یاددہانی ہے جو اس پر عائد ہوتا ہے اور جس سے اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کا رویہ اس کے منافی ہے۔

۲۔ اس میں ملامت، غصہ، رنج اور اظہار حسرت کے بھی گوناگوں پہلو ہیں۔

۳۔ اس میں نہایت مبنی بر حقیقت گلہ و شکوہ بھی ہے اور نہایت موثر اپیل بھی۔

۴۔ استفہامیہ اسلوب نے اس حسن فکر کو بیدار کرنا چاہا ہے کہ انسان کی نظروں سے خدا او جھل ہے تو اس کا اپنا وجود تو او جھل نہیں ہے، وہ خود اپنے اندر خدا کی قدرت و حکمت اور اس کے عدل و رحمت کی

---

[1] القرآن، ۷۰:۱۔
[2] رب نواز، پروفیسر، قرآن اور صاحبِ قرآن کا اسلوبِ تعلیم، ادارہ تعلیم و تحقیق، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۲۹۔
[3] القرآن، ۷۶:۱۔

نشانیاں دیکھ سکتا ہے۔[4]

" قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ " ۔[5]

" ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ اللہ ہی کی ملکیت ہے "۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی تحقیق کے مطابق قرآن مجید میں جہاں جہاں سوال کر کے مخاطب کے جواب کا انتظار کیے بغیر خود اس کا جواب دیا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع میں اصل جواب سے مخاطب کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اس کا کوئی عقیدہ یا عمل اس کے خلاف ہے تو وہ خود اس کے اپنے مسلمہ اصول کے خلاف ہے۔ جواب میں سبقت سے اس امر کا بھی اظہار ہو جاتا ہے کہ بہر حال اصل حقیقت کا اظہار کر دیا جائے قطع نظر اس سے کہ مخاطب اس کے جواب میں کیا ہٹ دھرمی اختیار کرتا ہے۔[6]

اسی مصنف [7] کے نزدیک قرآن حکیم کی بعض آیات میں مذکور سوالیہ جملوں میں مقصود استفہام اور سوال و جواب نہیں بلکہ افہام، اتمام حجت اور زجر و تنبیہ ہوتا ہے۔ متکلم پورے زور بیان کے ساتھ سوالیہ انداز میں حقائق کو پیش کرتا جاتا ہے اور مخاطب کی طرف سے کسی جواب کا انتظار کیے بغیر آگے بڑھ جاتا ہے گویا اس کی تردید کے لیے کوئی گنجائش سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے درج ذیل آیت:

" أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ " ۔[8]

---

[4] اصلاحی، امین احسن، تدبرِ قرآن، فاران پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ۹/ ۱۰۵۔

[5] القرآن، ۶:۱۲۔

[6] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۳/ ۲۷۔

[7] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۵/ ۶۲۳۔

[8] القرآن، ۲۷:۶۰۔

"بھلا بتاؤ؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگائے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں سیدھی راہ سے"۔

" هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ" "[9]

"کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہنچائے؟"۔

مذکور آیت کے الفاظ کے ضمن میں عبید اللہ فہد فراہی کی تحقیق یہ ہے کہ یہاں خبر "یرزقکم" ہے جو فعل مضارع ہے اور یہ تجدید کا فائدہ دے رہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خالق اللہ ہی ہے وہی زمین و آسمان سے نت نئے حالات میں بھی رزق دیتا ہے اور مسلسل رزق رسانی کا کام وہی انجام دے رہا ہے، تو خلقت کی صفت کسی دوسری ہستی کی طرف کیسے منسوب ہو سکتی ہے۔ اگر یہاں "رازق لکم" کے الفاظ ہوتے تو مفہوم بدل جاتا اس لیے کہ اسم توصفت کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔[10]

مثبت و منفی استفہام اور دعوت غور و فکر

استفہام اثبات کے ذریعے بھی ہوتا ہے اور نفی کے ذریعے بھی سیاق وسباق سے اس کی تعیین ہوتی ہے مثلاً مثبت استفہام کے لیے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیت دیکھیں:

" أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ" ۔[11]

"کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع کریں گے ہی نہیں"۔

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات منفی انداز استفہام کی مثال پیش کرتی ہیں:

" أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ" ۔[12]

"کیا وہی نہ جانے جس نے پیدا کیا پھر وہ باریک بین اور باخبر ہو"۔

---

[9] القرآن، ۳۵:۳۔
[10] فلاحی، عبید اللہ، قرآن کریم میں نظم و مناسبت، دار التذکیر، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۱۔
[11] القرآن، ۷۵:۳۔
[12] القرآن، ۶۷:۱۴۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیق کے بقول قرآن پاک میں استفہام انکاری کا استعمال مخاطب کو اپنے اعتقادات کو شک کی نظر سے دیکھنے اور غور و فکر کا موقع فراہم کرتا ہے۔[13] جیسے:

" أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۔أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۔أَمَّنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ، أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَإِلَٰهٌ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ "۔ [14]

" بھلا بتاؤ؟ کہ آسمانوں کو اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ کس نے آسمان سے بارش برسائی؟ پھر اس سے ہرے بھرے بارونق باغات اگائے؟ ان باغوں کے درختوں کو تم ہرگز نہ اگا سکتے، کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ یہ لوگ ہٹ جاتے ہیں (سیدھی راہ سے) ۔کیا وہ جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں جاری کر دیں اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو سمندروں کے درمیان روک بنا دی کیا اللہ کے ساتھ اور کوئی معبود بھی ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر کچھ جانتے ہی نہیں۔ بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے اور تمہیں زمین کا خلیفہ بنانا ہے کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود ہے؟ تم بہت کم نصیحت و عبرت حاصل کرتے ہو۔ کیا وہ جو تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راہ دکھاتا ہے اور جو اپنی رحمت سے پہلے ہی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں چلاتا

[13] صدیقی، ڈاکٹر ظہیر احمد، قرآن حکیم معجزہ عظیم، تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص۱۵۸۔

[14] القرآن، ۲۷: ۶۰۔۶۴۔

ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے جنھیں یہ شریک کرتے ہیں ان سب سے اللہ بلند وبالاتر ہے۔ کیا وہ جو مخلوق کی اول دفعہ پیدائش کرتا ہے پھر اسے لوٹائے گا اور جو تمہیں آسمان اور زمین سے روزیاں دے رہا ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود ہے کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو اپنی دلیل لاؤ"۔

" فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا "[15]

"سو کیا یہ اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلے لوگوں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ سو آپ اللہ کے دستور کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائیں گے اور آپ اللہ کے دستور کو کبھی منتقل ہوتا ہوا نہ پائیں گے"۔ یہاں ''ھل'' نفی کے معنوں میں ہے۔

" أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ " "[16]

"کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ اپنے مرے بھائی کا گوشت کھائے ؟"۔

یہ استفہام انکاری ہے جو نفی کو پختہ کر رہا ہے۔[17]

حسب ذیل آیت میں سوالیہ اسلوب، غور وفکر کی دعوت لیے ہے:

" أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ " [18]

"اللہ کے خلیل نے اسی وقت فرمایا افسوس! کیا تم اللہ کے علاوہ ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہیں کچھ بھی نفع پہنچا سکیں نہ نقصان۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ کیا تمہیں اتنی سی عقل نہیں"۔

---

[15] القرآن، ۳۵:۴۳۔
[16] القرآن، ۴۹:۱۲۔
[17] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیر مظہری، خزینہ علم وادب، لاہور، ۴/ ۳۰۔
[18] القرآن، ۲۱:۶۶۔۶۷۔

یہاں استفہامیہ اسلوب خود اس امر کی دلیل ہے کہ آگے جو بات کہی جا رہی ہے وہ اہمیت رکھنے والی ہے اس کو ہر شخص سنے اور گوش دل سے سنے۔

استفہام بمقصد تاکید

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فراہی کی نظر میں بعض اوقات استفہام سے سوال کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ تاکید کے لیے بھی یہ اسلوب استعمال ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں استفہام کا یہ اسلوب تاکید و تعظیم کے معنی میں بہت استعمال ہوا ہے۔[19] سورۃ القیامہ میں مندرجہ ذیل آیات میں استفہام کا زور دیکھیے:

" أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى ، ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ، فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى ، أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى " ۔[20]

" کیا وہ ایک گاڑھے پانی کا قطرہ نہ تھا جو ٹپکایا گیا تھا؟ پھر لہو کا لوتھڑا ہو گیا پھر اللہ نے اسے پیدا کیا اور درست بنا دیا۔ پھر اس سے جوڑے یعنی نر مادہ بنائے۔ کیا (اللہ تعالیٰ) اس (امر) پر قادر نہیں کہ مردے کو زندہ کر دے"۔

: " هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا "[21]

" انسان پر کبھی ایسا وقت آیا ہے کہ نہیں جب وہ کوئی قابل چیز نہیں تھا) اس سورۃ کی ابتداء استفہام، تاکید، تقریر اور انسانی قلب کو ایک نرم لمس کے ساتھ ہوئی ہے"۔(۲۷)

استفہام بمقصد ترغیب و عبرت اندوزی

"وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ "[22]

---

[19] فلاحی، ڈاکٹر عبید اللہ فہد، قرآن مبین کے ادبی اسالیب، دار التذکیر، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۳۱۔

[20] القرآن، ۷۵:۳۷۔۴۰

[21] القرآن، ۷۶:۱۔

[22] القرآن، ۵۴:۱۵۔

ہم نے اس واقعہ کو عبرت کے لیے رہنے دیا کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے)۔ یہ استفہام ترغیبی ہے ۔ یعنی استفہام سے عبرت اندوزی پر آمادہ کرنا اور نصیحت پذیری کی ترغیب دینا مقصود ہے۔[23]

استفہام بمعنی اقرار

بعض اوقات استفہام اقرار کے معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ مقصد غور و تدبر کے بعد مخاطب کو اقرار واعتراف پر آمادہ کرنا ہے۔ قرآنی ادب میں اسلوب کے بڑے عمدہ طریقے سے استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے:

"أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"[24]

"کیا وہ بعض احکام پر ایمان رکھتے ہو اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہو (۱) تم میں سے جو بھی ایسا کرے، اس کی سزا اس کے سوا کیا ہو کہ دنیا میں رسوائی) اس آیت میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل سے ان کا یہ جرم باور کرانا چاہتا ہے کہ تمہاری ازل سے یہ کوشش رہی ہے کہ تم کتاب کے اس حصے پر ایمان لاتے ہو جو تمہاری خواہشات کے مطابق ہو اور جو تمہاری ہوائے نفس کی تکمیل میں رکاوٹ بنے اس کا انکار کر دیتے ہو کیا تمہارے یہ رویہ نہیں رہا ہے"۔

"أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ، وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ"[25]

"کیا اس نے ان لوگوں کی ساری چالیں بیکار نہیں کر دی تھیں؟ اور ان پر غول کے غول پرندے چھوڑ دیے تھے"۔

یہاں سوال کرنا مقصود نہیں بلکہ مخاطب کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ایسا ہو چکا ہے۔

" قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ "۔[26]

---

[23] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ۱۲۴/۴۔

[24] القرآن، ۸۵:۲۔

[25] القرآن، ۱۰۵: ۲۔۳۔

"تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی فکر کی مطابق یہاں سوال کرنا مقصود نہ تھا کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان بتوں کی حقیقت معلوم تھی مقصد اس امر کا اعتراف کرانا تھا کہ یہ تمہاری عقل باختگی اور شامت زدگی ہے کہ اپنے ہی ہاتھوں کی گھڑی ہوی لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کی پوجا کرتے ہو۔

نمرودی قوم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس طرح سوال کرتی ہے : "أَأَنتَ فَعَلْتَ هَذَا بِآلِهَتِنَا يَاإِبْرَاهِيمُ"۔[27]

"وہ بولے ابراہیم، کیا ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت تم نے ہی کی ہے؟"

یہاں قوم یہ اعتراف کروانا نہیں چاہتی تھی یہ بتوں کے توڑنے کا فعل سرزد ہو چکا ہے بلکہ یہ اقرار کروانا چاہتی تھی کہ ابراہیم نے انہیں توڑا ہے۔

"أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا"۔[28]

"کیا ہم نے زمین کو ایک بچھونا نہیں بنایا"۔

قاضی کی رائے میں یہ استفہام تقریری نہیں بلکہ استفہام کی غرض یہ ہے کہ مخاطب کو اقرار وعبادت پر آمادہ کیا جائے۔[29]

استفہام بمعنیٰ تعجب

استفہامیہ اسلوب تعجب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے آیت کریمہ:

"يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ"۔[30]

---

[26] القرآن، ۳۷: ۹۵-۹۶۔

[27] القرآن، ۲۱: ۶۲۔

[28] القرآن، ۷۸: ۶

[29] پانی پتی، ثناء اللہ، تفسیر مظہری، ۱۱/ ۱۷۹۔

[30] القرآن، ۸۲: ۶۔

"اے انسان تجھے کس چیز نے اپنے اس پروردگار کے معاملے میں دھوکا لگا دیا ہے جو بڑا کرم والا ہے) میں استفہامیہ اسلوب اظہار تعجب کے لیے ہے کہ اگر خدا تمہیں برابر ڈھیل دے رہا ہے تو تم نے اس ذات کریمی سے بہت سخت دھوکا کھایا"۔

" أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ "[31]

" کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو اکٹھا نہیں کر سکیں گے ؟"

"أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى "[32]

" کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟"۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ حیرت و استعجاب کے ساتھ کہ رہا ہے کہ انسان آفاق و انفس کی تمام نشانیوں اور اپنی خلقت و ممات کو دیکھتے ہوئے بعث بعد الموت کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے کیا اسے یہ پوری کائنات نظر نہیں آتی۔ کیا اسے غیر مسؤل چھوڑ دیا جائے گا۔

" مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ "[33]

" تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟ تم کیسی باتیں طے کر لیتے ہو"۔

یہ متکبرین سے بانداز تعجب سوال ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کس طرح کے فیصلے کرنے لگے ہو کہ آخرت اور جزا سزا کو نہیں مانتے۔

" لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ، لِيَوْمِ الْفَصْلِ "۔[34]

" اس معاملے کو کس دن کے لیے ملتوی کیا گیا ہے ؟ (تو جواب یہ ہے کہ) فیصلے کے دن کے لیے"۔

یہ استفہام نامعلوم چیز کو معلوم کرنے کے لیے نہیں بلکہ مجاز تعجب اور روز قیامت کی ہولناکی کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

---

[31] القرآن، ۷۵:۳۔

[32] القرآن، ۷۵:۳۶۔

[33] القرآن، ۳۷:۱۵۴۔

[34] القرآن، ۷۷:۱۳۔

"وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ"۔[35]

"اور تمہیں کیا معلوم کہ فیصلے کا دن کیا چیز ہے"۔

یہ تعجب بالائے تعجب یوم الفصل کی عظمت کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

استفہام بمعنی امر

بسا اوقات استفہام امر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ذیل کی آیت:

"إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ"۔[36]

"شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، اب بتاؤ کہ کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے"۔

اس آیت میں "فھل انتم منتھون" دراصل "انتھوا عنھا" کے معنی میں مستعمل ہے۔

"فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ"۔[37]

"اس کے بعد اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو (اے لوگو) یقین کرلو کہ یہ وحی صرف اللہ کے حکم سے اتری ہے اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تو کیا اب تم فرمانبردار بنو گے"۔

جناب فلاحی کی رائے میں آیت مذکور میں "فھل انتم مسلمون" استفہام کے معنی میں نہیں بلکہ امر کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے یعنی "اسلموا لھذا الکتاب و آمنو"۔[38]

---

[35] القرآن، ۷۷:۱۴۔

[36] القرآن، ۵:۹۱۔

[37] القرآن، ۱۱:۱۴۔

[38] فلاحی، ڈاکٹر عبید اللہ فہد، قرآن مبین کے ادبی اسالیب، ص ۱۳۷۔

" قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا "[39]

" اے پیغمبر ان سے کہو کہ ذرا یہ بتلاؤ کہ چاہے اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمادے"۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے مطابق "ارءیتم" میں ابتدائی ہمزہ استفہام تقریری کے لیے ہے۔ رؤیت سے مراد ہے جاننا۔ رائیتم کا صیغہ اگرچہ ماضی ہے لیکن اس کا معنی ہے مجھے بتاؤ یعنی امر کے معنی میں ہے۔[40]

اس اسلوب میں امر کے ساتھ زجر، موعظت، تاکید و تنبیہ اور اتمام حجت کا مضمون بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے سورۃ مائدہ کی حسب ذیل آیت:

" يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ، إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ "[41]

" اے ایمان والو، شراب جوا، بتوں کے تھان اور جوئے کے تیر سب ناپاک شیطانی کام ہیں لہذا ان سے بچو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو، شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے، اب تباؤ کہ کیا تم ان چیزوں سے باز آجاؤ گے ؟"۔

اس اسلوب کلام میں غور کرنے کے بعد مولانا اصلاحی نے رائے دی ہے کہ اسلوب کلام اعلان کر رہا ہے کہ شراب اور جوئے کے مفاسد کی تفصیل اتنے مختلف مواقع پر اور اتنے مختلف پہلوؤں سے تمہارے سامنے آچکے ہیں کہ اب اس معاملے میں کسی اشتباہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ تو بتاؤ اب بھی اس سے بعض

---

[39] القرآن، ۶۷: ۲۸۔

[40] پانی پتی، تفسیر مظہری، ۱۲/ ۲۱۔

[41] القرآن، ۵: ۹۰۔ ۹۱۔

آتے ہو یا نہیں؟ ظاہر ہے امر کے اس سادہ اسلوب میں یہ سارا مضمون نہیں سما سکتا تھا۔[42]
مولانا امین اصلاحی کی رائے میں جب امر کے اندر ترغیب و تشویق اور تحریض کا مضمون پیدا کرنا ہو تو وہ انشائیہ اسلوب کے قالب میں آنے کے بجائے خبر یہ اسلوب کے قالب میں آتا ہے اور اس پر حرف استفہام کا ورود اس میں مزید زور پیدا کر دیتا ہے۔ اس اسلوب میں امر کی جگہ استفہام کو استعمال کرنے میں یہی حکمت اور بلاغت کار فرما ہے۔[43]

خطباتِ استفہامیہ کے اسرار و حکم و امثال

قرآن مجید میں کثیر آیاتِ مبارکہ ہیں جن میں استفہامیہ اندازِ خطاب اپنایا گیا ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں بہت سے اسرار و رموز چھپے ہیں جو کہ گرائمر اور علوم و فنون کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ لہٰذا فصل ہٰذا میں قرآن مجید سے حروفِ استفہامیہ اور اسمائے استفہامیہ پر مشتمل آیات کو نقل کیا جائے گا اور تفسیری اسرار و حکم کو بیان کیا جائے گا۔

حروفِ استفامیہ پر مشتمل آیاتِ قرآنی کے اسرار و حکم

قرآنِ مجید کثیر آیات میں جملہ استفہامیہ میں اللہ نے خطاب فرمایا جن میں سے کچھ آیات کی امثال پیش کی جاتی ہیں:

ا۔ ہمزہ استفہامیہ

حضرتِ یوسف علیہ السلام کے بھائی جب یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور بھائیوں نے جب عزیز مصر کی زبان سے اس یوسف علیہ السلام کا تذکرہ سنا، جسے انہوں نے بچپن میں کنعان کے ایک تاریک کنویں میں پھینک دیا تھا، تو وہ حیران بھی ہوئے اور غور سے دیکھنے پر مجبور بھی کہ کہیں ہم سے ہم کلام بادشاہ، یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟ ورنہ یوسف علیہ السلام کے قصے کا اسے کس طرح علم ہو سکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے سوال کیا کہ کیا تو یوسف علیہ السلام ہی تو نہیں؟ ارشادِ ربانی ہے:

"ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ، قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّه مَنْ يَّتَّقِ ؕ-

[42] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۲/ ۵۹۱۔
[43] فلاحؒ ڈاکٹر عبید اللہ فہد، قرآن مبین کے ادبی اسالیب، ص ۱۳۷۔

وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ "۔ [44]

"کیا تو ہی یوسف ہے کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا بے شک جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ بھی نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

دوسرے مقام پر اللہ نے ارشاد فرمایا:

۲۔"ءَأَنْتُمْ أَنْشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُونَ "۔[45]

"کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں"۔

کہا جاتا ہے کہ عرب میں دو درخت مرخ اور عفار ہیں اگر ان دونوں سے ٹہنیاں لے کر ان کو آپس میں رگڑا جائے تو اس سے آگ کے شرارے نکلتے ہیں۔ انہی سے متعلق اللہ نے استفہامیہ انداز میں فرمایا: کیا تم نے اس کا درخت پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔

۲۔ ھل استفہامیہ

جب اللہ تعالیٰ مجرموں کو جہنم میں ڈالیں گے تو پھر اس سے پوچھیں گے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔"هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيدٍ "۔[46]

"کیا تو بھر چکی اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔"

اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ "میرے اندر اب مزید آدمیوں کی گنجائش نہیں ہے۔" دوسرے یہ کہ "اور جتنے مجرم بھی ہیں انہیں لے آیئے" پہلا مطلب لیا جائے تو اس ارشاد سے تصور یہ سامنے آتا ہے کہ مجرموں کو جہنم میں اس طرح ٹھونس ٹھونس کر بھر دیا گیا ہے اس میں ایک سوئی کی بھی گنجائش نہیں رہی، حتیٰ کہ جب اس سے پوچھا گیا کی کیا تو بھر گئی تو وہ گھبرا کر چیخ اٹھی کہ کیا ابھی اور آدمی بھی آنے باقی ہیں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہنم سے اللہ تعالیٰ کے اس خطاب اور اس کے جواب کی نوعیت کیا ہے؟ کیا

---

[44] القرآن، ۱۲:۹۰۔

[45] القرآن، ۵۶:۷۲۔

[46] القرآن، ۵۰:۳۰۔

یہ محض مجازی کلام ہے؟ یا فی الواقع جہنم کوئی ذی روح اور ناطق چیز ہے جسے مخاطب کیا جا سکتا ہو اور وہ بات کا جواب دے سکتی ہو؟ اس معاملہ میں قطعیت کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا ممکن کہ یہ مجازی کلام ہو اور محض صورت حال کا نقشہ کھینچنے کے لیے جہنم کی کیفیت کو سوال و جواب کی شکل میں بیان کیا گیا ہو، لیکن یہ بات بھی بالکل ممکن ہے کہ یہ کلام مبنی بر حقیقت ہو۔ اس لیے کہ دنیا کی جو چیزیں ہمارے لیے جامد و صامت ہیں ان کے متعلق ہمارا یہ گمان کرنا درست نہیں ہو سکتا کہ وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی ویسی ہی جامد و صامت ہوں گی۔ خالق اپنی ہر مخلوق سے کلام کر سکتا ہے اور اس کی ہر مخلوق اس کے کلام کو جواب دے سکتی ہے خواہ ہمارے لیے اس کی زبان کتنی ہی ناقابل فہم ہو۔ دوسرے مقام پر اللہ نے فرمایا:

"هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ ۔ [47]

"کیا تمہیں اس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟"۔

چھا جانے والی آفت سے مراد ہے قیامت، یعنی وہ آفت جو سارے جہاں پر چھا جائے گی۔ اس مقام پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں بحیثیت مجموعی پورے عالم آخرت کا ذکر ہو رہا ہے جو نظام عالم کے درہم برہم ہونے سے شروع ہو کر تمام انسانوں کے دوبارہ اٹھنے اور اللہ تعالی کی عدالت سے جزا و سزا پانے تک تمام مراحل پر حاوی ہے۔

آیاتِ قرآنی کے اسرار و حکم

قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر مختلف اسمائے استفہامیہ کا استعمال کیا گیا ہے جو مختلف مقاصد کے پیش نظر بیان ہوئے ہیں، ذیل میں اہم اسمائے استفہامیہ کے استعمالات اور مقاصد و ضرورت کو بیان کیا جاتا ہے:

اسمِ استفہامیہ: مَن (کون) عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے ارشادِ ربانی ہے:

"مَنۡ يَّاۡتِيۡكُمۡ بِمَآءٍ مَّعِيۡنٍ" ۔ [48]

"کون ہے جو اس پانی کی بہتی ہوئی سوتیں تمہیں نکال کر لا دے گا؟"۔

---

[47] القرآن، ۸۸:۱۔

[48] القرآن، ۶۷:۲۹۔

یعنی کیا خدا کے سوا کسی میں یہ طاقت ہے کہ ان سوتوں کو پھر سے جاری کر دے؟ اگر نہیں ہے، اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق خدا ہے، یا تمہارے وہ معبود جو انہیں کاری کرنے کی کوئی قدرت نہیں رکھتے؟ اس کے بعد تم خود اپنے ضمیر سے پوچھو کہ گمراہ خدائے واحد کو ماننے والے ہیں یا وہ جو شرک کر رہے ہیں؟

اسمِ استفہامیہ: اَيّ (کونسا) عاقل اور غیر عاقل دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ارشادِ ربانی ہے:

"اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا "۔[49]

اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون زیادہ اچھے عمل کرتا ہے۔ اس لیے کہ اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ ان دو شرطوں میں سے ایک شرط بھی فوت ہو جائے گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا، پھر وہ چاہے کتنا بھی زیادہ ہو، اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

اسمِ استفہامیہ: ما/ماذا (کیا) غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتا ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

"وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا لَيۡلَةُ الۡقَدۡرِ۔ [50]

"اور تونے کیا سمجھا کہ کیا ہے شب قدر"۔

اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

سو اس رات کی عظمت شان کے اظہار و بیان کے لیے بطور استفہام ارشاد فرمایا گیا کہ تم کیا جانو کیا ہے قدر کی وہ رات؟ استفہام تعظیم و تفخیم کے لیے ہے، یعنی وہ رات بڑی عظیم الشان رات ہے اتنی بڑی اس کی عظمت شان اور اس کے مرتبہ و مقام کا از خود اندازہ کرنا بھی کسی کے لیے ممکن نہیں، اسی لیے صحیح احادیث کی رو سے اس رات میں عبادت کرنا گزشتہ تمام گناہوں کی تکفیر و بخشش کا ذریعہ ہے۔

---

[49] القرآن، ۶۷:۲۔

[50] القرآن، ۹۷:۲۔

اسمِ استفہامیہ: أین؟

(کہاں؟)

ارشادِ ربانی ہے:

"أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ "۔[51]

" کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کا تم بڑا دعوی کرتے تھے؟"۔

یعنی وہ بت یا اشخاص ہیں، جن کو تم دنیا میں میری الوہیت میں شریک گردانتے تھے، انھیں مدد کے لئے پکارتے تھے اور ان کے نام کی نذر نیاز دیتے تھے، آج کہاں ہیں؟ کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور تمہیں میرے عذاب سے چھڑا سکتے ہیں؟ یہ تقریع و توبیخ کے طور پر اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا، ورنہ وہاں اللہ کے سامنے کس کی مجال ہو گی؟

اسمِ استفہامیہ: متی؟(کب)

ارشادِ ربانی ہے:

"مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ "۔[52]

"یہ فیصلہ کب ہو گا، اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ"۔

پہلے فرمایا تھا کہ ان کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جائے گا۔ اس پر منکرین کہتے ہیں کہ قیامت قیامت کہے جاتے ہو، اگر سچے ہو تو بتاؤ وہ دن کب آچکے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خالی دھمکیاں ہیں قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں۔

اسمِ استفہامیہ: کیف؟(کیسے)

ارشادِ ربانی ہے:

"كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا"۔[53]

---

[51] القرآن،۲۸:۶۲۔

[52] القرآن،۳۲:۲۸۔

[53] القرآن،۱۹:۲۹

"لو بھلا ہم گود کے بچے سے باتیں کیسے کریں؟۔"

سیدہ مریم نے فرشتہ کی ہدایت کے مطابق ان کی کڑوی کسیلی باتوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا بلکہ اس نومولود بچے کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ خود جواب دے گا۔ اس بات پر لوگ اور زیادہ برہم ہوئے اور کہنے لگے ایک تو خود مجرم ہو دوسرے ہمارا مذاق اڑاتی ہو۔ یہ بچہ جو ابھی پیدا ہوا ہے بھلا ان باتوں کا کیا جواب دے سکتا ہے؟

اسمِ استفہامیہ: کم؟(کتنا)

ارشادِ ربانی ہے:

"كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ"۔ [54]

"کتنی ہی امتوں کو ہم (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں سو انہوں نے (ہلاکت کے وقت) بڑی ہائے پکار کی اور وہ وقت خلاصی کا نہ تھا"۔

یعنی ان کو معلوم رہنا چاہیے کہ اسی غرور و تکبر کی بدولت انبیاء اللہ سے مقابلہ ٹھان کر بہت سی جماعتیں پہلے تباہ و برباد ہو چکی ہیں وہ لوگ بھی مدتوں پیغمبروں سے لڑتے رہے۔ پھر جب برا وقت آ پڑا اور عذاب الٰہی نے چاروں طرف سے گھیر لیا تو گھبرا کر شور مچانے اور خدا کو پکارنے لگے۔ مگر اس وقت فریاد کرنے سے کیا بنتا۔ خلاصی کا موقع گزر چکا تھا، اور وقت نہیں رہا تھا کہ ان کے شور و بکاء کی طرف توجہ کی جائے۔

اسمِ استفہامیہ: أیان کب؟

ارشادِ ربانی ہے:

"يَسْئَلُوْنَكَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ"۔ [55]

"پوچھتے ہیں کہ یوم جزا کب ہو گا؟"۔

یعنی انکار اور ہنسی کے طور پر پوچھتے ہیں کہ ہاں صاحب! وہ انصاف کا دن کب آئے گا؟ آخر اتنی دیر کیوں

[54] القرآن، ۳۲:۳۸۔

[55] القرآن، ۵۱:۱۲۔

ہو رہی ہے؟

اسم استفہامیہ: أنّٰی کہاں؟

ارشادِ ربانی ہے:

"اَنّٰی لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ" ۔ [56]

"ان کے لئے نصیحت کہاں ہے؟ کھول کھول کر بیان کرنے والے پیغمبر ان کے پاس آ چکے"۔

رسولِ مُبین کے دو مطلب ہیں۔

ایک یہ کہ اس کا رسول ہونا اس کی سیرت، اس کے اخلاق و کردار اور اس کے کارناموں سے عیاں ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے حقیقت کو کھول، کھول کر بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔ اُس وقت یہ ماننے کا کوئی فائدہ نہیں: سو ارشاد فرمایا گیا کہ "اس وقت ان کے لیے نصیحت کا کوئی موقع کہاں باقی رہا جبکہ اس سے پہلے آ چکے انکے پاس کھول کر بیان کرنے والے ایک عظیم الشان رسول"۔ ایسے عظیم الشان رسول جن کی صداقت و حقانیت روز روشن کی طرح واضح تھی۔ اور واضح ہے۔ مگر پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو اس کے بعد اب کیسے اور کیا ایمان لائیں گے؟ سو اس وقت ان کی تذلیل و تخجیل کیلئے اللہ کی طرف سے انکو یہ جواب دیا جائے گا۔ بہر کیف ارشاد فرمایا گیا کہ اِعلانِ حق کے پہنچ جانے اور اس کے دیکھ لینے کے بعد ایمان لانے اور نصیحت قبول کرنے کا موقع کہاں باقی رہے گا۔ بالخصوص جبکہ انکے پاس اِتمامِ حجت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا عظیم الشان رسول بھی پہنچ گیا جس نے انکے سامنے حق کو پوری طرح واضح کر کے اور نکھار کر بیان کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کی بات کو مان کر نہ دیا سو ایمان لانے کا وہ موقع جب گزر گیا تو اب بے وقت کے اس ایمان سے ان کو کوئی فائدہ آخر کیسے اور کیونکر پہنچ سکتا ہے۔

نتیجہ بحث

فصل ہذا کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بے مثل

[56] القرآن، ۴۴:۱۳۔

کتاب ہے۔ علم معانی، علمِ بیان اور علم بلاغت کے ماہرین نے اس کی لسانی و ادبی خصوصیات کو اپنی نگارشات کا موضوع بنایا ہے۔ قرآن مجید کے اسالیبِ بیان اپنی اثر پذیری میں بے مثل ہیں۔ التفات، تجانس، تشابہ، تضاد، مغایرت، سجع، نظم اور استفہام اہم اسالیب شمار ہوتے ہیں۔ اسلوبِ استفہام، متعدد حِکَم و فوائد کا حامل ہونے کے باوصف، ارسالِ دعوت کا منفرد اسلوب ہے۔ درحقیقت سوالیہ انداز، مخاطب کی توجہات کو پوری طرح مبذول کرنے اور حصولِ آمادگی کا اہم ذریعہ ہیں۔ قرآن مجید میں استفہام کسی حقیقت کے اثبات اور نفی دونوں کیلئے استعمال کیا گیا ہے، اور غور و فکر پر آمادہ کیا گیا ہے۔ تاکید واقرار، ترغیب و عبرت پذیری،، تحقیر و توبیخ اور تعجب و نوازش کے مقاصد کے تحت اس کا استعمال ہوا ہے۔ قرآن مجید میں آیات استفہام کا منفرد ادبی اسلوب موجود ہے۔

فصل دوم: قرآن مجید میں آیاتِ استفہام کی نوعیت اور مقاصد

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب اور انسانیت کیلئے کتابِ ہدایت و نسخہ کیمیا ہے۔ قرآن مجید انسانیت کیلئے کتابِ ہدایت ہونے کی وجہ سے مختلف اسالیب اور مناہج رکھتا ہے۔ انسانوں کے فہم کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف انداز اپنائے ہیں۔ یہ اسالیب مختلف و منفرد ہیں، نہ تو شعر ہے، نہ مروجہ نثر اور نہ ہی مسجع کلام، بلکہ یہ کلام کہیں چھوٹی چھوٹی آیات پر مشتمل ہے تو کہیں بڑی بڑی آیات سے عبارت ہے مگر ہر جگہ الفاظ کی رونق اور چمک دمک کے ساتھ ساتھ معانی کا ایک بحرِ بے کراں ٹھاٹھیں مارتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اسی بناء پر فصحاء عرب کو اس کلام کی صنف متعین کرنے میں بے حد دشواری ہوئی۔ قرآن مجید میں بیان کردہ موضوعات مختلف ہیں جن میں احکام، شرائع، امثال، قصص، عبر، وعد و عید مواعظ و تاریخ، تبشیر و تنذیر جیسے تمام پہلو بیان ہوئے ہیں، لہذا ہر ایک واقعہ اور حکم اپنی نوعیت اور حساسیت کے اعتبار سے مختلف انداز امیں بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ مخاطبین کی نفسیات اور حیثیات کے مطابق احکامات کو بیان کرتا ہے، ارشادِ ربانی ہے:

"وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ"[57]

"ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنھوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے"۔

قرآن کا مخاطب انسان ہے اور یہ اپنے مخاطب کو منفرد انداز سے خطاب کرتا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا انسان کو سمجھانے کا انداز نہایت منفرد و اعلیٰ ہے، کبھی امثال بیان کرتا ہے، کبھی قصص بیان کرتا ہے کبھی انذار بیان کرتا ہے تو کبھی تبشیر، کبھی اسرار و رموز سے پردوں کو اٹھاتا ہے، کبھی سحر آموز بیان کرتا ہے، اس کا انداز کبھی بیانیہ ہے اور کبھی استفہامیہ۔ چونکہ کلام میں سوال بنیادی حیثیت رکھتا ہے لہذا قرآن مجید میں استفہامی انداز کبھی اسرار و رموز کو کھولنے، کبھی رغبت دلانے، کبھی تجسس، کبھی تخیل کے طور پر کبھی دلچسپی پیدا کرنے، کبھی معلومات کو یقینی بنانے تو کبھی مخفی صلاحیتوں کو عیاں کرنے کے

---

[57] القرآن، ۱۶:۸۹۔

لیے مستعمل ہے، یہ سب مقاصد و انداز بیان قرآن مجید میں بدرجہ اتم موجود ہیں، قرآن کے اسالیب میں سے منفرد اور کثیر الاستعمال اسلوب، استفہامی اسلوب ہے نہ صرف مخاطبین کو غور و فکر و تدبر پر مجبور کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ زیر نظر مقالہ میں قرآن مجید میں بیان کردہ آیات استفہام کا جائزہ مختلف تفاسیر کی روشنی میں لیا جائے گا کہ قرآن مجید میں استفہامی انداز تخاطب کا حقیقی مقصد اور فلسفہ در حقیقت انسانیت کو کن کن امور کی طرف متوجہ کرنے کیلئے اپنایا گیا ہے۔

استفہام کے معانی و مفاہیم

لفظ استفہام باب فہم یفہم کے وزن استفعال کا مصدر ہے، جس کے لغوی معنیٰ "دریافت کرنا، سمجھنے کی خواہش کرنا، پوچھنا ہیں۔[58]

ابن منظور افریقی لفظ استفہام سے متعلق لکھتے ہیں:

استفہام سے مراد "کسی چیز کو سمجھنا اور سمجھانا ہے۔"[59]

اصطلاح میں استفہام سے مراد ہے کہ:

"نا معلوم چیز کو ادوات استفہام سے جاننے کی کوشش کرنا"۔[60]

ادوات استفہام

ادواتِ استفہام سے مراد ایسے اسما و حروف ہیں جن سے سوال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی ادواتِ استفہام کا استعمال بکثرت موجود ہے۔ ڈاکٹر عبدہ الراجحی تحریر فرماتے ہیں:

"تمام ادوات استفہام اسمائے استفہام ہیں سوائے دو کلموں کے "ھل اور ھمزہ" یہ دونوں حروف استفہام

---

[58] فیروزالدین مولوی، فیروز اللغات، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۹۱۔

[59] افریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، مکتبہ دار صادر، بیروت، ۲۰۱۰ء، مادۃ ف ہ م۔

[60] ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا الرازی، الصاحبی فی فقہ اللغۃ العربیۃ ومسائلھا وسنن العرب فی کلامھا، تحقیق: ڈاکٹر مصطفیٰ الشواعی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۶۴ء، ص ۱۸۱۔

ہیں اور مبنی ہیں اور اسمائے استفہام سب مبنی ہیں سوائے "اي" کے"۔[61]

نحویوں نے ادوات استفہام کی دو اقسام بیان کی ہیں:

۱-حروف استفہام ۲-اسمائے استفہام

۱-حروف استفہام

وہ حروف جو سوال کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں یہ دو ہیں: ھل اور ھمزہ

قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر وہ مستعمل ہیں مثلاً

" أَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يَخۡسِفَ بِكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ "[62]

"کیا تم آسمان والے (رب) سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تم پر پتھر برسانے والی ہوا بھیج دے"۔

" هَلۡ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٞ لِّذِي حِجۡرٍ "[63]

"کیا اِس میں کسی صاحب عقل کے لیے کوئی قسم ہے؟"۔

۲-اسمائے استفہام

عربی زبان میں ایسے اسماء جو کسی چیز کے بارے میں سوال کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں انہیں "اسمائے استفہام" کہتے ہیں، جن کی تعداد نو ہے، قرآن مجید میں درج ذیل مقامات پر ان اسما کا استعمال ہوا ہے مثلاً:

۱-مَنۡ

"وَمَنۡ أَظۡلَمُ مِمَّنِ ٱفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا "[64]

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے"۔

---

[61] عبدہ الراجحی، التطبیق النحوی، دار المعرفۃ، مصر، ۲۰۰۷ء، ص۵۹۔

[62] القرآن، ۶۷:۱۶۔

[63] القرآن، ۸۹:۵۔

[64] القرآن، ۶:۹۳۔

۲-ما/ماذا:

" مَا ٱلۡقَارِعَةُ ۔ وَمَآ أَدۡرَاكَ مَا ٱلۡقَارِعَةُ "[65]

"کیا ہے وہ عظیم حادثہ ؟۔ تم کیا جانو کہ وہ عظیم حادثہ کیا ہے ؟"۔

"وَلَا تَنفَعُ ٱلشَّفَاعَةُ عِندَهُۥٓ إِلَّا لِمَنۡ أَذِنَ لَهُۥۚ حَتَّىٰٓ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمۡ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمۡۖ قَالُواْ ٱلۡحَقَّۖ وَهُوَ ٱلۡعَلِيُّ ٱلۡكَبِيرُ" [66]

"اور اللہ کے حضور کوئی شفاعت بھی کسی کے لیے نافع نہیں ہو سکتی بجز اُس شخص کے جس کے لیے اللہ نے سفارش کی اجازت دی ہو حتیٰ کہ جب لوگوں کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گی تو وہ (سفارش کرنے والوں سے) پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا جواب دیا۔ وہ کہیں گے کہ ٹھیک جواب ملا ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے"۔

۳-متیٰ

"أَمۡ حَسِبۡتُمۡ أَن تَدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَأۡتِكُم مَّثَلُ ٱلَّذِينَ خَلَوۡاْ مِن قَبۡلِكُمۖ مَّسَّتۡهُمُ ٱلۡبَأۡسَآءُ وَٱلضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُواْ حَتَّىٰ يَقُولَ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَعَهُۥ مَتَىٰ نَصۡرُ ٱللَّهِۗ أَلَآ إِنَّ نَصۡرَ ٱللَّهِ قَرِيبٞ ۔ "[67]

"پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا، حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے، جو تم سے پہلے ایمان لانے

---

[65] القرآن، ۱۰۱:۲-۳۔

[66] القرآن، ۳۴:۲۳۔

[67] القرآن، ۲:۲۱۴۔

والوں پر گزر چکا ہے؟ اُن پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، ہلا مارے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اُس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ ہاں اللہ کی مدد قریب ہے"۔

۴-ایان

"يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ"[68]

"پوچھتے ہیں آخر وہ روز جزاء کب آئے گا؟"۔

۵-این

"يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ"[69]

"اُس وقت یہی انسان کہے گا کہاں بھاگ کر جاؤں؟"۔

۶ -أنی

"قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا"[70]

"عرض کیا: ''پروردگار، بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں؟"۔

۷-کیف

"كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِٱللَّهِ وَكُنتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ[71]

---

[68] القرآن،۱۲:۵۱۔

[69] القرآن،۱۰:۷۵۔

[70] القرآن،۸:۱۹۔

[71] القرآن،۲۸:۲۔

"تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تم کو زندگی عطا کی، پھر وہی تمھاری جان سلب کرے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے"۔

۸۔کم

"وَ كَذٰلِكَ بَعَثۡنَاهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوا بَيۡنَهُمۡ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَم لَبِثۡتُمۡ" [72]

"اور اسی عجیب کرشمے سے ہم نے انہیں اٹھا بٹھایا تاکہ ذرا آپس میں پوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک نے پوچھا" کہو کتنی دیر اس حال میں رہے؟"۔

۹۔ای

"فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ"۔ [73]

"اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا؟"۔

قرآنی استفہامی اسلوب کے مقاصد

قرآن مجید میں خدا اور مخلوق کے تعلق کو واضح کرنے کے لئے انسانی زبان میں سے زیادہ تر الفاظ بطور انداز بیان، مصطلحات اور استعارے استعمال کئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس کا اسلوب بیان بھی انسانی فکر و نظر اور ذوق سلیم کے مطابق ہے۔ یعنی قرآن مجید کا یہ منفرد اندازِ بیان ہر نفس کو فرداً فرداً یکساں طور پر متاثر کرتا ہے اور پڑھتے وقت یہی باور کراتا ہے کہ قرآن اس کے قلب پر نازل ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کے مختلف اسالیب کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ" ۔[74]

---

[72] القرآن،۱۸:۱۹۔

[73] القرآن،۸۲:۸۔

[74] القرآن،۱۲:۳۔

" (اے محمدؐ) ہم اس قرآن کو تمہاری طرف وحی کر کے بہترین پیرائے میں واقعات اور حقائق تم سے بیان کرتے ہیں"۔

قرآن حکیم کو دینی فیوض و برکات کے ساتھ ساتھ زبان و بیان اور منفرد اسلوب کے لحاظ سے بھی دنیائے علم و ادب میں غیر معمولی عظمت و بڑائی کا شرف حاصل ہے اور کفار، منکرین حق اور مشرکین کے فصحاو حکماء نور حق سے نابینا اور لذت و وحدت سے ناآشنا ہونے کے باوجود قرآن مجید فرقان حمید کی ادبی لسانی خوبیوں کا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کے بعد بڑے بڑے ادباء و شعراء کی زبانوں پر مہر لگ گئی۔ اس کی ایک عمدہ مثال جاہلی دور کے شاعر معلقات لبید بن ربیعہ ہے جس کے شعروں پر اس کے معاصرین نے کئی بار سجدۂ تہنیت کیا اور اُسے خراج تحسین سے نوازا، اور وہی شاعر قرآن پاک سے مسحور ہو کر شاعری ہی ترک دیتے ہیں اور اسلام قبول کرتے ہیں۔

قرآن کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے۔ اِس میں نثر کی سادگی اور ربط و تسلسل ہے، لیکن اِسے نثر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ نظم کا غنا، موسیقی اور حسن تناسب اپنے اندر لیے ہوئے ہے، لیکن اِسے نظم بھی نہیں کہہ سکتے۔ یہ اِس طرح کی کوئی کتاب بھی نہیں ہے، جس طرح کی کتابوں سے ہم واقف ہیں اور جن میں ابواب و فصول قائم کر کے کسی ایک موضوع یا موضوعات پر بحث کی جاتی ہے۔ اہل عرب اِسے کبھی شاعری کہتے اور کبھی کاہنوں کے سجع سے مشابہ ٹھہراتے تھے، لیکن اُن کا یہ تردد ہی واضح کر دیتا ہے کہ وہ خود بھی اپنی اِس بات سے مطمئن نہیں تھے۔ اِس منفرد کلام میں دریاؤں کی روانی ہے، سمندروں کا زور ہے، حسن استدلال کی ندرتیں ہیں، ربط معنی کی ادائیں ہیں، مثالیں ہیں، قصے ہیں، تہدید و زجر اور عتاب کے گوناگوں اسالیب ہیں، افسوس ہے، حسرت ہے، شدت یقین ہے، اور اعراض کے مختلف انداز ہیں۔ قرآن کے بلند پایہ اور اعلیٰ مقام کو سمجھنے کے لیے اس کے اسالیب کا مطالعہ ضروری ہے۔

ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ قرآن مجید کے اسلوب استفہام کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

" قرآن حکیم کا انداز بیان اور اسلوب ایک منفرد نوعیت کا اسلوب ہے یہ وہ اسلوب ہے جسکی مثال نہ عربی شاعری میں ملتی ہے نہ خطابت میں، نہ کہانت ہیں اور نہ کسی ایسے طرز کلام میں جس سے عرب اسلام سے پہلے مانوس رہے ہوں قرآن مجید میں شعر کی غنائیت اور موسیقیت بھی ہے، خطابت کا زور بیان بھی

ہے، جملوں کا اختصار بھی ہے اور اسمیں جامعیت بھی پائی جاتی ہے اور معانی و مطالب کی گہرائی بھی, اس میں حقائق و معارف کی گہرائی بھی ہے اور حکمت و دانائی بھی۔ اس کتاب میں دلائل اور براہین کا تنوع اور استدلال کی جدت اور قوت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے اور ان سب چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ کلام وضاحت اور بلاغت کے اعلیٰ ترین معیار پر بھی فائز ہے"۔[75]

قرآن مجید کا انداز یہ ہے کہ جب وہ کسی قدیم واقعہ یا قصے کو بیان کرتا ہے یا کسی قوم یا شخص پر اللہ تعالیٰ کے انعام یا عذاب کا ذکر کرتا ہے تو اس کا انداز اور اسلوب نصیحت کا ہوتا ہے اور اس واقعے سے عبرت دلانا مقصود ہوتا ہے اس واقعے میں جو مقصد چھپا ہوتا ہے اس کا واضح کرنا ہی قرآن کا مقصد ہوتا ہے۔

قرآن مجید کا ایک اسلوب استفہامی میں یہ بھی شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال کرتے ہیں ، جبکہ پیشِ نظر یہ مقصود ہوتا ہے کہ کبھی اپنے بندوں کو احکامات کی یاد دہانی کرائی جارہی ہوتی ہے تو کہیں زجر و توبیخ، کہیں اپنی نعمتوں اور اپنے احسانات کو یاد کروانا مقصود ہوتا ہے تو کہیں گزشتہ واقعات سے نصیحت دلانا مقصود ہوتا ہے، مثلاً سورہ الانعام کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال اس انداز میں کرتے ہیں:

"قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّاكِرِينَ"۔ [76]

"(اے محمد!) ان سے پوچھو، صحرا اور سمندر کی تاریکیوں میں کون تمہیں خطرات سے بچاتا ہے؟ کون ہے جس سے تم (مصیبت کے وقت) گڑ گڑا، گڑ گڑا کر اور چپکے چپکے دعائیں مانگتے ہو؟ کس سے کہتے ہو کہ اگر اس بلا سے تو نے ہم کو بچالیا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے؟"۔

مذکورہ بالا آیت میں استفہامی اسلوب اپنانے کے بعد ہی اگلی آیت میں اس کا جواب دیتے ہیں:

---

[75] غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات قرآنی، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۳۱۵۔

[76] القرآن، ٦:٦٣۔

"قُلِ ٱللَّهُ يُنَجِّيكُم مِّنۡهَا وَمِن كُلِّ كَرۡبٖ ثُمَّ أَنتُمۡ تُشۡرِكُونَ"۔ [77]

" کہو، اللہ تمہیں اُس سے اور ہر تکلیف سے نجات دیتا ہے پھر تم دوسروں کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہو"۔

قرآن مجید کے استفہامی اسلوب کی حکمت و مصالح سے متعلق مناع القطان اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

"سوال میں کسی چیز کی معرفت مطلوب ہوتی ہے تو اس میں دو مفعول ہوتے ہیں دوسرا مفعول کبھی بلاواسط اور کبھی عن کے واسطے سے ذکر کیا جاتا ہے"۔ [۲۴]

قرآن مجید کی چھیانوے(۹۶) سورتوں میں آٹھ سو چونسٹھ(۸۶۴) استفہامی آیات ہیں ،جن میں دوسو بیالیس(۲۴۲) ایمانیات ، اکیانوے (۹۱)عبادات ،دوسو پچھتر(۲۷۵) معاملات ، اور دوسو چھپن(۲۵۶) آیات آخرت سے متعلق ہیں۔ مذکورہ بالا تمام آیاتِ استفہام قرآن مجید میں مختلف اغراض و مقاصد اور حکمتوں کے سبب بیان ہوئی ہیں جنہیں واقعات و قصص کی تفہیم میں آسانی اور مخاطبین کی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں آیاتِ استفہام کی نوعیتیں

قرآن مجید کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حمید میں متعدد مقامات پر انسانیت سے مختلف سوالات کیے ہیں جنہیں چار انواع میں تقسیم کیا گیا ہے، جن کی وضاحت کتبِ تفسیر کی روشنی میں اقوالِ سلف کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے:

۱-ایمانیات اور عقائد کی پختگی کے بیان میں استفہامی اسلوب

نوع انسانی کی دنیوی اور اخروی نجات کا دارومدار توحید کے اثبات اور کفروشرک کی مکمل نفی پر ہے اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی و صفات میں کامل و اکمل ہے "اللہ پر ایمان، اسکے رسولوں پر ایمان، اسکے فرشتوں پر ایمان، آخرت پر ایمان، تقدیر پر ایمان اور اسکی کتابوں پر ایمان" یہ سب ایمانیات کے ارکان ہیں ان میں سے کسی ایک کا منکر بھی اسلام کے دائرہ سے خارج ہے۔

---

[77] القرآن، ۶:۶۴۔

۱- سورۃ المائدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَإِذۡ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبۡنَ مَرۡيَمَ ءَأَنتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيۡنِ مِن دُونِ ٱللَّهِۖ قَالَ سُبۡحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أَقُولَ مَا لَيۡسَ لِي بِحَقٍّۚ إِن كُنتُ قُلۡتُهُۥ فَقَدۡ عَلِمۡتَهُۥۚ تَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِي وَلَآ أَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِكَۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلۡغُيُوبِ"۔ [78]

"اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تونے کہا لوگوں کو کہ ٹھہرالو مجھ کو اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے کہا تو پاک ہے مجھ کو لائق نہیں کہ کہوں ایسی بات جس کا مجھے حق نہیں اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے ضرور معلوم ہو گا تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے بیشک تو چھپی باتوں کا جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے دن "کفار، نصاریٰ" کو سنانے کے لیے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام" سے فرمائیں گے اے عیسیٰ ابن مریم! جن لوگوں کا عقیدہ تثلیث تھا انکو کہا تھا کہ مجھکو یعنی "عیسیٰ علیہ السلام" کو اور میری ماں "حضرت مریم علیہا السلام" کو بھی علاوہ خدا معبود قرار دیدو تو عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ (توبہ توبہ) مجھکو کسی طرح بھی یہ زیبا نہ تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔ میں ایک خدا کا قائل ہوں مجھکو ایسا کوئی پیغام نہیں دیا گیا تھا آپ کو تو علم ہے کیونکہ آپ سے میری کوئی بات مخفی نہیں ہے آپ تمام غیبوں کے جاننے والے ہیں۔[79]

اس آیت میں باطل کا رد کرنے کے لیے سوال کیا جائے گا اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار کروایا جائے گا۔

۲- سورۃ الانعام میں فرمانِ الٰہی ہے:

"إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلۡحَبِّ وَٱلنَّوَىٰۖ يُخۡرِجُ ٱلۡحَيَّ مِنَ ٱلۡمَيِّتِ وَمُخۡرِجُ ٱلۡمَيِّتِ مِنَ ٱلۡحَيِّۚ ذَٰلِكُمُ

---

[78] القرآن، ۱۱۶:۵

[79] عثمانی، مفتی محمد شفیع، مفتی، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۳/۲۷۰

ٱللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ"۔ [80]

"بیشک اللہ تعالیٰ ہی پھاڑتا ہے دانے اور گٹھلی کو، نکالتا ہے مردہ سے زندہ کو اور نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے یہ اللہ ہے پھر تم کہاں بھکے جاتے ہو"۔

ابن کثیرؒ آیت بالا کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ خشک دانہ اور خشک گٹھلی کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ہرا بھرا درخت نکال دیتا ہے کیونکہ وہی خالق کائنات ہے پھر اس درخت پر رنگ برنگ کے عجیب و غریب پتے اور پھول لگیں کہ انسانی عقل و دماغ بھی اس کا ایک پتہ بنانے سے عاجز ہے اور اسی طرح بے جان چیزوں مثلاً (انڈہ یا نطفہ) سے جاندار چیزیں (انسان یا حیوانات) کی تخلیق ہوتی ہے اسی طرح نیک انسان سے کافر اولاد اور کافر اولاد سے نیک اولاد پیدا فرماتا ہے یہ سب کام صرف ایک اللہ کے بنائے ہوئے ہیں پھر یہ جانتے بوجھتے کس طرف بھکے جا رہے ہو کہ بتوں کو اور مردہ لوگوں کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا کہتے ہو حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف دوڑے جاتے ہو"[81]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے چند نمونے اور انسان پر اپنے کئے گئے انعامات و احسانات کا ذکر فرما کر انسان سے سوال کر رہے ہیں کہ سب کچھ جان بوجھ کر بھی تو اپنے رب کے ساتھ شریک کیسے ٹھہراتا ہے انسان کو اسکی گمراہی پر سرزنش فرمارہے ہیں۔

۳-سورۃ فاطر میں ارشاد الہیٰ ہے:

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِۦ ثَمَرَٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَٰنُهَا ۚ وَمِنَ ٱلْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ"۔ [82]

---

[80] القرآن،۶:۹۵

[81] ابن کثیر، عمادالدین، اسماعیل بن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار عالم الکتب، ریاض سعودی عرب، ۱۹۹۷ء، ۵/ ۳۹۲

[82] القرآن، ۳۵:۲۷۔

" کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر ہم نے نکالے اس میں سے میوے طرح طرح کے ان کے رنگ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کے انکے رنگ ہیں اور بہت کالے بھی"۔

"اے انسان! کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر ہم نے پانی کے ذریعے مختلف رنگتوں کے پھل لگائے۔ خواہ انکی انواع و اقسام ہی الگ الگ ہوں یا ایک ہی نوع اور ایک ہی قسم کے پھل مختلف رنگتوں کے ہوں اور اسی طرح پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں بعض سفید بعض سرخ پھر ان سفید و سرخ کی بھی رنگتیں مختلف ہیں بعض ہلکے سفید اور ہلکے سرخ، بعض بہت سفید اور بہت سرخ اور بعض نہ سفید نہ سرخ بلکہ بہت گہرے کالے "[83]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی عظمت کا اعتراف کروانے کے لیے سوال فرمارہے ہیں کہ اے انسان تو دیکھتا نہیں کہ ہم کس طرح آسمان سے پانی نازل کرتے ہیں اور اس سے مختلف اقسام کے پھل نکالتے ہیں جو تم کھاتے ہو اور یہ پہاڑ میری عظیم قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہیں جو کہ زمین پر مضبوطی سے گاڑھے ہوئے ہیں انکو کوئی انسان ہلا بھی نہیں سکتا انکے رنگ بھی مختلف ہیں اور یہ مظہر خداوندی کا عظیم شاہکار ہیں۔

۲- عبادات کے بیان میں استفہامی اسلوب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دینے اور انسانی نفس کو عبادت کیلئے آمادہ کرنے کیلئے بھی استفہامی اسلوب کو ہی استعمال کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے انکی تخلیق سے پہلے ایک وعدہ لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں اس انداز میں فرمایا:

"أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَىٰ شَهِدْنَآ"۔ [84]

" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس وقت سب نے یہ کہا کیوں نہیں اے ہمارے رب!" ۔

اس وقت سب نے ربوبیت کا اقرار کیا تھا گویا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اعتراف و اقرار انسانوں کی فطرت

[83] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۳/۵۰۷-۵۱۰۔

[84] القرآن، ۷:۱۷۲۔

میں داخل اور انکے وجدان میں شامل ہے۔

سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ توحیدِ خالص کے بیان میں بھی استفہامی اسلوب کو بیان کرتے ہیں:

"قُلْ أَغَيْرَ ٱللَّهِ أَبْغِي رَبّاً وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلاَ تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلاَّ عَلَيْهَا وَلاَ تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ"۔ [85]

" کہہ دیجئے کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں اور وہی ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اسی کے ذمہ پر ہے ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پس وہ تمہیں خبر دے دے گا جس بات میں تم جھگڑتے ہو"۔

"یہ آیت مشرکین مکہ ولید بن مغیرہ کی اس بات کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے دین میں واپس آجاؤ تو ہم تمہارے سارے گناہوں کا بار اٹھالیں گے تو کہا گیا کہ آپ ان سے کہیں کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اور معبود تلاش کرلوں حالانکہ اللہ ہی ساری کائنات کا رب ہے اور جو انسان بھی جیسا عمل کریگا اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگا اور وہی اس کی سزا کا مستحق ہوگا۔ سب نے بلآخر رب کے پاس ہی واپس جانا ہے اپنی زبان آوری اور کج بحثی سے باز آجاؤ اور اپنے انجام کی فکر کرو"۔[86]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کافروں کے قول کی تکذیب فرما رہے ہیں اور سوال کا مقصد مسلمانوں کو انکے زندگی کے مقصد کی یاددہانی کروانا ہے۔

۲۔سورۃ الاعراف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُوداً قَالَ يَاقَوْمِ ٱعْبُدُواْ ٱللَّهَ مَا لَكُمْ مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلاَ تَتَّقُونَ"۔ [87]

---

[85] القرآن،۶:۱۶۴۔

[86] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن،۳/ ۵۱۰-۵۰۷۔

[87] القرآن،۷:۶۵۔

" اور قوم عاد کی طرف بھیجا انکے بھائی ہود علیہ السلام کو، بولا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں ہو"۔

"حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے ڈرنے کی ترغیب دلاتے ہوئے حکم دیا کہ اے میری قوم! تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا کوئی تمہارا معبود ہونے کے قابل نہیں اور بت پرستی یعنی شرک جیسے جرم عظیم کو چھوڑ دو۔ تم یاد کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کے بعد تمہیں روئے زمین پر آباد کیا اور تم قوم نوح پر جو عذاب نازل ہوا اس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے قوم نوح بھی اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرتی تھی۔ کیا تم ان کے انجام سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہر نبی نے اپنی قوم کو ایک اللہ کی عبادت کرنے کا حکم دیا"۔[88]

اس آیت میں سوال کرنے کے پیشِ نظر ترغیب وترہیب دلانا مقصود ہے۔

۳- سورۃ لقمان میں ارشاد ربانی ہے:

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُواْ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ ءَابَآءَنَآۚ أَوَلَوۡ كَانَ ٱلشَّيۡطَٰنُ يَدۡعُوهُمۡ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلسَّعِيرِ"۔[89]

" اور جب کہا جاتا ہے ان سے پیروی کرو اس حکم کی جو اللہ نے اتارا ہے تو وہ کہتے ہیں ہم پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا، کیا شیطان انکو دوزخ کی طرف بلاتا ہو پھر بھی (انہی کی پیروی کریں گے)؟"۔

ابن جریر طبریؒ اس آیت کی وضاحت میں یوں رقمطراز ہیں:

"اور جو لوگ جہالت کی وجہ سے اللہ کی وحدانیت کے بارے میں بحث کرتے ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی عظمت کو دیکھو اور جو دین نبی لیکر آئے ہیں اسکی پیروی کرو اور حق کو ثابت کرنے والے اعمال میں غور کر کے ان کا اتباع کرو تو کہتے ہیں ہم تو اپنے بڑوں کی پیروی کریں گے چاہے جہنم میں ہی ڈالے جائیں اور جو انسان حق کی پیروی کرتے ہوئے اپنے عقائد اور اعمال میں اپنا رخ اللہ کی اطاعت میں جھکا دے تو

[88] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵۹۸/۳۔

[89] القرآن، ۲۱:۳۱۔

اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا اور وہ ہلاکت و خسران سے محفوظ ہو گیا اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف پہنچے گا پس وہ ہر ایک کو مناسب جزا یا سزا دے گا اگر شیطان کی پیروی کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے"۔[90]

۳۔اخلاقی و معاملاتی تفہیم میں استفہامی اسلوب

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے تمام امور کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ مومن لوگ عدل، اخوت، مساوات، دیانتداری، ایفائے عہد، سچ، وفاشعاری، امانتداری، ایثار الغرض زندگی کے ہر شعبے میں کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن دوسری طرف شیطان ان بندوں کو ورغلاتا ہے، لہذا مومنین کو شیطانی ہتھکنڈوں سے آگاہ کرتے ہوئے استفہامی انداز میں باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

ا-سورۃ المآئدہ میں ارشادِ باری ربانی ہے:

"إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِي ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ"۔[91]

" شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے کے ذریعے سے دشمنی اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کی یاد اور نماز سے روکے، پس کیا تم باز آؤ گے؟"۔

شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمھارے درمیان بغض و عداوت کی بنیادیں ڈال دے کیونکہ شراب کے نشے میں عقل نہیں رہتی گالی گلوچ، دنگا فساد ہو جاتا ہے اور انسان غیظ و غضب کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح جوئے میں انسان اپنی ہار مان کر اس وقت تو نقصان اٹھالیتا ہے مگر اپنے حریف پر غیظ و غضب اسکے لازمی اثرات میں سے ہیں۔ یہ چیزیں نماز سے غافل کر دیتیں ہیں اللہ

---

[90] الطبری، محمد بن جریر بن یزید ، ابو جعفر ، جامع البیان فی تاویل القرآن، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان،۲۰۰۰ء،:۱۶/۱۱۶

[91] القرآن،۵:۹۱۔

سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اور روح مردہ ہے خلاف اس شخص کے جس کا دل اللہ کی یاد سے روشن اور نماز سے منور ہے، دنیا کے مال و منال اور جاہ منصب اسکے قدموں پر گرتے ہیں اور انکو راحت و آرام پہنچاتے ہیں۔[92]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ انسان میں اچھائی سے متعلق تشویق پیدا فرمارہے ہیں اور برائی سے نفرت دلا رہے ہیں، یہاں استفہام امر کے مفہوم میں ہے[93]۔

۲-سورۃ الانعام میں ارشاد خداوندِ تعالیٰ ہے:

"أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ أَبْتَغِي حَكَماً وَهُوَ ٱلَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ ٱلْكِتَابَ مُفَصَّلاً وَٱلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ ٱلْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ"۔ [94]

"کیا اب اللہ کے سوا کسی اور کو منصف بناؤں حالانکہ اسی نے تم پر واضح کتاب اتاری ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوئی ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا"۔

"اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ قرآن کریم کی خصوصیات ذکر فرمارہے ہیں جو قرآن کے حق اور کلام الٰہی ہونے کا ثبوت ہیں یہ کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے یہ کتاب کامل ہے اس میں اہم اور اصولی مضامین (معاملات) بہت مفصل اور واضح بیان کئے گئے ہیں اور یہ کلام حق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جارہا ہے کہ آپ اسلام کی تعلیمات آجانے کے بعد ان سے سوال کریں کہ یہ قرآن جس میں ہر قسم کے احکامات دیئے گئے ہیں کیا میں ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کو منصف بناؤں؟ ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ہے"۔[95]

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ استفہامی انداز میں غیر اللہ کے فیصلے کے بارے میں حکم فرمارہے ہیں کہ واضح

---

[92] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۰۱ء، ۲/ ۵۹۰

[93] ایضا

[94] القرآن، ٦:۱۱۴۔

[95] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۳/ ۲۸۔

احکام موجود ہونے کی صورت میں قرآن کو چھوڑ کر کسی اور سے فیصلے نہ کرواؤ۔
۳-سورۃ لقمان میں فرمان الٰہی ہے:

"أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُولِجُ ٱلَّيْلَ فِي ٱلنَّهَارِ وَيُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِي ٱلَّيْلِ وَسَخَّرَ ٱلشَّمْسَ وَٱلْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِيٓ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَأَنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ"۔ [96]

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو، ہر ایک چلتا ہے وقت مقررہ تک، اور یہ کہ اللہ خبر رکھتا ہے اسکی جو تم کرتے ہو"۔

مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
"اے انسان کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ رات (کے اجزاء) کو دن میں اور دن (کے اجزاء) کو رات میں داخل کر دیتا ہے اور سورج اور چاند کو قیامت تک کام میں لگا رکھا ہے اور یہ قیامت تک چلتے رہیں گے اللہ تعالیٰ تمھارے سب عملوں کی خبر رکھتا ہے پس اس کمال علمی و عقلی کا مقتضی یہ ہے کہ شرک چھوڑ دیا جائے اور اللہ ہی عالیشان اور سب سے بڑا ہے"۔[97]

آیت بالا میں اللہ تعالیٰ انسانوں سے سوال کرتے ہوئے تنبیہ کر رہے ہیں کہ جو اعمال بھی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اسکو جانتا ہے اور اپنی عظیم نشانیوں کی اہمیت بیان کرتے ہوئے انسان کو توبیخ کر رہے ہیں کہ تم پھر بھی بھلائی کے راستے کو اختیار نہیں کرتے۔

۴۔ منکرین آخرت ورسالت سے تخاطب اور استفہامی اسلوب

ایمان بالآخرۃ یا عقیدہ آخرت ارکانِ ایمان میں سے ایک رکن ہے، قرآن مجید میں منکرین آخرت و رسالت کو اس اہم حقیقت کیلئے دلائل دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے استفہامی اسلوب کو اختیار کیا ہے، ذیل میں عقیدہ آخرت کے بارے میں آیات استفہام پیش کی جا رہی ہیں:

---

[96] القرآن، ۳۱:۲۹۔
[97] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/۴۷۔

۱-سورۃ المآئدہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَوۡمَ يَجۡمَعُ ٱللَّهُ ٱلرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبۡتُمۡ قَالُواْ لَا عِلۡمَ لَنَآ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلۡغُيُوبِ"۔[98]

"جس دن اللہ جمع کرے گا سب پیغمبروں کو پھر کہے گا تم کو کیا جواب ملا تھا؟ وہ کہیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی چھپی باتوں کو جاننے والا ہے"۔

ابن جریر طبریؒ اس آیت کی تفسیر سے متعلق رقمطراز ہیں:

"وہ دن کیسا ہولناک ہو گا جس روز اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کو مع ان کی امتوں کے جمع کریں گے اس دن اول سے آخر تک پیدا ہونے والے سب انسان اس میدان میں حاضر ہونگے اور سب سے انکے عمر بھر کے اعمال کا حساب لیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے نبیوں جب تم نے اپنی قوم کو دین حق کی طرف بلایا تھا تو انہوں نے کیا جواب دیا تھا؟ اس سوال کے مخاطب اگرچہ انبیاء کرام ہونگے مگر سنانا امتوں کو ہو گا انبیاء کرام عرض کریں گے کہ اے اللہ! بظاہر تو ہم کو جو معلوم ہیں وہ بیان کر دیں گے مگر انکے دل میں جو کچھ ہے اسکی ہمیں خبر نہیں اس کو آپ ہی جانتے ہیں کیونکہ بیشک آپ پوشیدہ باتوں کے پورے جاننے والے ہیں ہم لاعلم ہیں اور انبیاء کرام صرف اپنی تبلیغ کے بارے میں گواہی دیں گے"۔[99]

آیت بالا کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ بغرض توبیخ کے نافرمانوں کو سنانے کے لیے انبیاء کرام سے سوال فرمائیں گے۔

۲-سورۃ سبا میں ارشاد الٰہی ہے:

"أَفۡتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِبًا أَم بِهِۦ جِنَّةُۢ بَلِ ٱلَّذِينَ لَا يُؤۡمِنُونَ بِٱلۡأٓخِرَةِ فِي ٱلۡعَذَابِ وَٱلضَّلَٰلِ ٱلۡبَعِيدِ"۔[100]

---

[98] القرآن، ۱۰۹:۵۔

[99] الطبری، جامع البیان، ۲۲۸/۳۲

[100] القرآن، ۸:۳۴۔

"کیا بنا لایا ہے اللہ پر جھوٹ یا اسکو جنون ہے، کچھ بھی نہیں پر جو یقین نہیں رکھتے آخرت کا آفت میں ہیں اور دور جا پڑے ہیں غلطی میں"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ باطل کا رد فرما رہے ہیں چنانچہ سوالیہ انداز میں کفار کے شبہات کو ذکر کرتے ہوئے تمام باطل عقائد و توہمات کا رد فرمایا ہے۔

۳-سورۃ فاطر میں ارشاد ربانی ہے:

"وَهُمۡ يَصۡطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَآ أَخۡرِجۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا غَيۡرَ ٱلَّذِي كُنَّا نَعۡمَلُۚ أَوَلَمۡ نُعَمِّرۡكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ ٱلنَّذِيرُۖ فَذُوقُواْ فَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِن نَّصِيرٍ"۔ [101]

"اور وہ چلائیں گے اس میں سے رب ہم کو نکال دیجیے کہ ہم کچھ بھلا کام کر لیں وہ نہیں جو کرتے رہے، کیا ہم نے عمر نہ دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو اور پہنچا تمہارے پاس ڈرانے والا، اب چکھو کہ کوئی نہیں گنہگاروں کا مددگار"۔

اس آیت میں کافروں پر تعجب اور تاسف فرماتے ہوئے ان سے سوال کیا جائے گا۔

خلاصہ بحث

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں مختلف انداز و اسالیب کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسانی نفوس پر کلام گراں نہ گذرے۔ مختلف اسالیبِ قرآنی میں سے ایک اسلوب اسلوبِ استفہام ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے مختلف سوال فرماتے ہیں جو کہ مختلف نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان سوالات کی آیات کو آیاتِ استفہام کہا جاتا ہے، جن میں کئی ایک مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ کہیں انسان کو ڈرانے کے لئے سوال ہے تو کہیں باطل کا رد کرنے کے لئے، کہیں بغرض توبیخ کے ہے تو کہیں تشویق کی غرض سے، الغرض استفہامی اسلوب کو متعدد مقامات پر متعدد مقاصد کیلئے لایا گیا ہے۔ فصل ہذا میں استفہام کے لغوی و اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے ادوات استفہام کی وضاحت کی گئ ہے اور قرآن کا استفہامیہ

[101] القرآن،۳۵:۳۷۔

اسلوب بیان کیا گیا ہے آیات استفہام کی تعداد اور جن سورتوں میں یہ وارد ہوئیں ہیں انکی تعداد بیان کی گئی ہے اور تفاسیر کی روشنی میں آیات استفہام کا تحقیقی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں کل نو(۹) ادواتِ استفہام کو ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید کی چھیانوے (۹۶) سورتوں میں کل آٹھ سو چونسٹھ (۸٦۴) آیات میں استفہامی اندازِ بیان کو استعمال کیا گیا ہے۔

باب دوم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر تفہیم القران کا کردار

فصل اول: مولانا ابو الاعلی مودودیؒ کے حالات زندگی

تعارف

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ ۲۵ ستمبر ۱۹۰۳ء کو حیدر آباد کے شہر اورنگ آباد (محلی چیلی پورہ) میں پیدا ہوئے۔ آباؤاجداد کا وطن دہلی تھا۔ لیکن والد حیدر آباد دکن چلے آئے۔[1] آپ کا شجرہ نسب سلسلہ چشتیہ سے ملتا ہے۔ آپؒ ننھیال کی طرف سے ترکی الاصل ہیں۔ ددھیال کی طرف سے خواجہ قطب الدین مودودی چشتی کے نام سے منسوب ہو کر مودودی کہلائے۔ اس سلسلے سے ان کا نام امام حسینؓ تک جا پہنچتا ہے۔ آپؒ کی والدہ ماجدہ خواجہ ابو محمد چشتی کی ہمشیرہ اور خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ کی دختر نیک اختر تھیں۔[2]

مولانا مودودیؒ کے آباؤ اجداد نے نویں صدی میں ہجرت کی اور ہندوستان آئے۔ پہلے پہل کرنال کے قریب قصبہ براس میں مقیم ہوئے، یہ زمانہ سکندر لودھی کا تھا۔ وہاں سے مغل بادشاہ شاہ عالم کے زمانے میں دہلی چلے گئے۔ ان کے خاندان نے خاندان مغلوں کی خدمت کی اور خاص طور پر آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی رسائی حاصل کی۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے نتیجہ کے طور پر سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ ہی مودودی کے خاندان کی حیثیت کو بھی شدید نقصان پہنچا۔[3]

مولانا مودودیؒ کے والد سید احمد حسن تھے جو پیشہ کے اعتبار سے وکیل تھے۔ چونکہ مذہبی گھرانے سے تعلق تھا اس لئے انھوں نے وکالت کا پیشہ ترک کر دیا کہ یہ ان کے خیال میں جائز پیشہ نہ تھا۔ مولانا مودودی تیرہ برس کے تھے تو والد پر فالج کا حملہ ہوا اور وہ ۴ سال بعد ۱۹۲۰ء میں وفات پا گئے۔[4]

ابتدائی تعلیم و تربیت

مولانا مودودیؒ جس گھرانے سے تعلق رکھتے تھے وہ گھرانہ نہایت مذہبی تھا۔ والد خود مذہبی تعلیم دیتے

---

[1] اردو انسائیکلوپیڈیا، فیروز سنز، لاہور، ۱۸۹۴ء، ص ۹۶۰

[2] سلیم منصور، خالد جمیل احمد رانا، تذکرہ سید مودودی، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۷۔

[3] شامی، مجیب الرحمن، ایک صدی کا انسان ابو الاعلیٰ مودودی، کالم نوائے وقت، ۳۰ ستمبر ۲۰۱۸ء۔

[4] مودودی، سید ابو الاعلیٰ، آئین تفہیم القرآن، تعمیرِ انسانیت، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۱۸۲

تھے۔انھوں نے اپنی اولاد کو شرفاء میں مروج علوم (ماسوائے انگریزی) عربی،فارسی اردوزبان وادب سے آراستہ کیا۔ مولانا مودودیؒ نے نوعمری میں عربی زبان میں خاص مہارت حاصل کرلی تھی ۔چنانچہ قاسم امین کی کتاب "الامراۃ الجدیدہ" کا عربی سے اردوترجمہ انھوں نے چودہ سال کی عمرمیں کردیاتھا۔[5] نوسال کی عمرتک آپ کی تعلیم گھرپر ہوئی۔اس کے بعد مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد کی جماعت رشیدیہ میں داخل ہوئے۔۱۹۱۴ میں مولوی کا امتحان پاس کیااس کے بعد حیدرآباد کے دارالعلوم میں داخلہ لیا۔اسی اثنا میں چھ ماہ بعد والد بیمار ہوئے آپ کی تعلیم منقطع ہوگئی۔ مختصر علالت کے بعد والد خالق حقیقی سے جاملے ۔چنانچہ حفظ الرحمٰن احسن کے مطابق ۱۳تا ۱۴سال کی عمرمیں مولانا نے سکول چھوڑدیاتھا۔ بعدازاں انھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے علوم وفنون کی تحصیل کا سلسلہ جاری رکھا۔چودہ برس کی عمرمیں مولانا نے انگریزی سیکھنا شروع کی اورایک سال کے دوران ہی اتنی استعداد پیداکرلی کہ ہرقسم کی علمی اورفنی کتابوں کا انگریزی میں مطالعہ کرنے کے قابل ہوگئے۔[6]

تصنیفی وصحافتی زندگی کا آغاز

۱۹۱۸ء میں وہ بجنور میں اپنے بڑے بھائی ابوالخیر کے پاس چلے گئے۔جہاں انہوں نے صحافت کو بطورپیشہ اپنالیا۔۱۹۱۹ء میں جبل پور چلے گئے جہاں انہوں نے کانگرس کے پرچہ ہفت روزہ تاج میں کام شروع کردیااور ۱۹۲۰ءتک مدیر کے فرائض انجام دیے۔[7]

مولانا کچھ عرصہ تحریک ہجرت میں بھی کام کرتے رہے۔یہ ۱۹۲۱ء کا زمانہ تھا کہ مولانا مودودی کا تعارف جمعیت العلمائے ہند کے قائدین مولانا مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید سے ہوگیا۔ وہ مولانا کی صلاحیتوں سے بے حد متاثر ہوئے۔اور انھیں جمعیت کے اخبار "مسلم" کی ادارت کی ذمہ داریاں سونپ دیں جو انہوں نے ۱۹۲۴ءتک نبھائیں۔[8]بعدازاں جب مسلم الجمعیۃ بن گیاتواس میں مولانا ادارت کے

---

[5] نصرولی رضاسید،اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار،ادارہ تحقیقات اسلامی،لاہور،۲۰۰۱ء،ص ۱۳۲۔

[6] ایچ بی خان ،برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار ،قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۵ء، ص ۲۴۴۔

[7] ایضاً۔

[8] عبدالعزیز بلوچ،مفسرین عظام اوران کی تفسیری خصوصیات،اسلامک پبلی کیشنز،لاہور،ص ۱۹۸۔

فرائض انجام دیتے رہے۔ مولانا نے ۱۹۲۵ میں الجمیعۃ کے اداریوں میں "اسلامی قوت کا اصلی سرچشمہ" کے عنوان سے مسلسل مضامین شائع کیے جنھیں شبیر نیاری نے مرتب کیا۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کیا جس کا نام "اسلام کا سرچشمہ قوت" ہے۔ اس کتاب کے شائع ہونے سے پہلے "الجہاد فی الاسلام" کو ہی مولانا کی پہلی تصنیف خیال کیا جاتا ہے۔[9]

سیاسی خدمات

۱۹۳۹ء میں مولانا مودودیؒ نے پہلی مرتبہ براہ راست سیاست میں حصہ لینا شروع کیا، اور لاہور منتقل ہوگئے جہاں وہ اسلامیہ کالج میں اسلامی علوم پر لیکچر بھی دینے لگے۔ لاہور میں انھیں اپنی سرگرمیوں کے لئے وسیع میدان مل گیا۔ انھوں نے مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے موضوع پر تقاریر اور مضامین کا سلسلہ شروع کر دیا۔ لاہور میں قیام کے دوران ہی آپ نے سیاست کے ساتھ ساتھ مذہبی سرگرمیوں کو بھی تیز کر دیا۔[10]

جماعت اسلامی کا قیام

۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو جماعت اسلامی کی بنیاد پڑی۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۷ء کے دوران جماعت اسلامی نے اپنے لٹریچر، ریلیوں، کنونشنز کے ذریعے اپنا پیغام پورے برصغیر میں پھیلایا۔ اس کے بعد ۱۹۶۰ء میں خواتین کا شعبہ الگ سے قائم کیا گیا۔ مولانا مودودیؒ کی سب سے اہم ترین علمی خدمت اردو زبان میں لکھی جانی والی تفسیر "تفہیم القرآن" ہے۔ یہ تفسیر ۱۹۷۲ء میں مکمل ہوئی۔ یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔

مولانا مودودیؒ اور جماعت اسلامی کیلئے رکاوٹیں

مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ مذہبی و سیاسی جماعت آج تک اسلامی نظام کے قیام اور احیائے اسلام کیلئے کام کرتی چلی آرہی ہے پھر مولانا مودودیؒ نے ۱۹۶۵ء میں کشمیر کی آزادی کیلئے کی جانے والی کوششوں کو جہاد کا درجہ دے دیا۔ ۱۹۵۳ء میں آپ کو قادیانی مسئلہ کا پمفلٹ لکھنے کے جرم میں موت کی سزا دی گئی اور علما کی گرفتاری پر بیان جاری کرنے کے جرم میں سات سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔[11] مولانا مودودیؒ کی

[9] فقیر محمد، اصول تفسیر و تاریخ تفسیر، ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳۳

[10] عبد العزیز بلوچ، مفسرین عظام اوران کی تفسیری خصوصیات، ص ۱۹۸

[11] مودودی، آئین تفہیم القرآن، لاہور، ص ۱۸۷

سزا کو بعد میں عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ آپؒ کو وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین اور سیکرٹری جنرل چوہدری محمد علی کی مداخلت پر رہا کر دیا گیا۔

جماعت اسلامی کی امارت سے علیحدگی

۱۹۴۰ء سے ۱۹۷۷ء تک مولانا مودودیؒ نے ذوالفقار علی بھٹو کی تحریک "اسلامی سوشلزم" کی زبردست مخالفت کی۔ مولانا نے ۲۱ سال تک جماعت اسلامی کی رہنمائی کی ۔ آپؒ یکم نومبر ۱۹۷۷ء کو بیماری اور کمزوری صحت کی بنا پر جماعت اسلامی کی امارت سے مستعفیٰ ہوئے۔

شاہ فیصل ایوارڈ

۱۹۷۹ء میں مولانا مودودیؒ کو پہلا شاہ فیصل ایوارڈ دینے کا فیصلہ ہوا۔ یہ اعلان شاہ فیصل شہید فاؤنڈیشن کی ایوارڈ کمیٹی نے کیا تھا۔ مولاناؒ کو یہ ایوارڈ دینے سے پہلے فاؤنڈیشن نے دنیا بھر کے ۵۰۰ کے قریب مسلمان شخصیات، بین الاقوامی اداروں، تنظیموں اور نامور لوگوں کو ایک سوال نامہ ارسال کیا۔ اس سوالنامے میں ایسا نام تجویز کرنے کی سفارش کی گئی جسے یہ ایوارڈ دیا جاسکے۔ جب یہ سوالنامے واپس آئے تو ۴۰۰ سے زائد سوالناموں میں مولانا مودودیؒ کو اس ایوارڈ کا حقدار قرار دیا گیا۔ یہ تعداد ۹۰٪ بنتی ہے۔ جبکہ باقی دس فیصد افراد نے تحریر کیا کہ اگر مولانا مودودیؒ کو یہ ایوارڈ نہ دیا جائے تو فلاں شخص کو دے دیا جائے۔

وفات

۲۰ مئی ۱۹۷۹ء کو علاج کے لئے امریکہ گئے اور ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء کو بفیلو ہسپتال میں آپ کا انتقال ہوا۔

مولانا مودودیؒ کی خدمات دین اور علم

ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے قرآن، حدیث، فقہ، تاریخ، سیاست، معاش، ادب اور تعلیم پر متعدد کتب لکھیں۔

تفسیری خدمات

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، تفہیم القرآن

سیرت وحدیث پر کتب

سیرت سرورعالم، ختم نبوت، سیرت کا پیغام، تفہیم الحدیث۔

عبادات

(۱) اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر (۲) خطبات (۳) مسئلہ قربانی (۴) تفہیمات (۵) نشری تقریریں (۶)

مسئلہ جبر وقدر (۷) توحید ورسالت (۸) زندگی کے بعد موت کا عقلی ثبوت

دعوت وتحریک پر لکھی جانے والی کتب

(۱) تنقیحات (۲) تجدید و احیائے دین (۳) شہادت حق (۴) دعوت اسلامی اور اسکا طریقہ کار (۵) دین حق (۶) تحریک اسلامی کا آئندہ لائحہ عمل (۷) ہدایات (۸) اسلام کا نظام حیات (۹) اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر (۱۰) اسلام اور جاہلیت (۱۱) تصوف اور تعمیر سیرت ۔ (۱۲) تحریک آزادی اور مسلمان ۔ (۱۳) تحریک آزادئ ہند اور مسلمان۔

اسلامی قانون وفقہ پر کتب

قادیانی مسئلہ، مرتد کی سزا اسلامی قانون میں، اسلامی قانون اور پاکستان میں اسکے عملی نفاد کی تدابیر۔

نظام معیشت پر کتب

معاشیات اسلام، سود، حرمت سود، اسلام اور عدل اجتماعی، قرآن کی معاشی تعلیمات، اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت، مسئلہ ملکیت زمین۔

تعلیم

تعلیمات۔ اسلامی نظام تعلیم۔ عالم اسلام کی تعمیر میں مسلمان طلباء کا کردار۔

اسلام اور معاشرت پر کتب

مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات، پردہ، اسلام اور ضبط ولادت، اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی، خواتین کے دینی مسائل، مسئلہ تعدد ازدواج، اسلام کا نظام معاشرت۔

اسلام کا سیاست وریاست کا نظام

اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق، اسلامی سیاسی نظریہ اسلامی دستور کی تدوین، مسئلہ قومیت، انسان کے بنیادی حقوق، نبی اکرمؐ کا نظام حکومت، مسلمانوں کا ماضی حال اور مستقبل، ہمارے داخلی اور خارجی مسائل، اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوئی۔

جماعت اسلامی کا تعارف

جماعت اسلامی کے ۲۹ سال، جماعت اسلامی کا مقصد، تاریخ اور لائحہ عمل، جماعت اسلامی کی دعوت۔

مولانا مودودیؒ کے تبلیغی پمفلٹ

(۱) کلمہ طیبہ کے معنی (۲) انفاق فی سبیل اللہ (۳) مسائل نماز (۴) روزہ کا اصل مقصد (۵) مسلمان ہونے کے لیے علم کی ضرورت (۶) مسلمان کا نصب العین (۷) کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ (۸) ایمان کی کسوٹی (۹) سرور عالمؐ کا اصلی کارنامہ (۱۰) روزہ (۱۱) روزہ اور ضبط نفس (۱۲) زکوۃ کی حقیقت (۱۳) زکوۃ کے احکام (۱۴) زکوۃ اور عشر کے مسائل (۱۵) وضو اور نماز کے مسائل

مولانا مودودیؒ کیلئے قید وبند کی صعوبتیں

مولانا مودودیؒ کو اپنے رفقاء سمیت اکتوبر ۱۹۴۸ء میں گرفتار کیا گیا۔ آپ کو نہ صرف گرفتار کیا گیا بلکہ آپ کی جماعت کے اخبارات "کوثر"، "جہاں نو" اور روزنامہ "تسنیم" بھی بند کر دیے گئے۔ اس وقت حکمران طبقہ پر استعماری غلبہ تھا۔ جبکہ مولانا مودودیؒ کا کہنا تھا کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی نظام کا قیام ہے۔ آپ پر جہاد کشمیر کے مخالف ہونے کا الزام لگایا گیا۔ اپنی پہلی قید وبند کی صعوبت کا ذکر مولانا نے اس طرح کیا ہے:

"میں نے اپنی پہلی نظر بندی میں لکھنے پڑھنے کا خاصا کام کیا۔ مسئلہ ملکیت زمین مرتب کی۔ تفہیم کا مقدمہ لکھا۔ حدیث کی کتاب ابو داؤد کا انڈکس تیار کیا۔ کتاب "سود" اور "اسلام اور جدید معاشی نظریات" بھی وہیں مکمل کیں۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا وہاں ایک دن بھی ضائع نہیں ہوا"۔[12]

مولانا مودودیؒ کی جیل میں ثابت قدمی

مولانا مودودیؒ کی سزا پر پوری دنیا سراپا احتجاج تھی۔ لیکن مولانا مودودیؒ فوجی عدالت کے فیصلے سے بالکل بھی نہ گھبرائے۔ مولاناؒ نے اپنے ساتھیوں کو سزا کے خلاف رحم کی اپیل نہ کرنے دی۔ مولانا نے فرمایا:

"نہیں ہر گز نہیں! میں نہیں چاہتا کہ میری طرف سے یا میرے خاندان کے کسی فرد کی طرف سے یا خود جماعت کی طرف سے کوئی رحم کی درخواست پیش کی جائے"[13]

مولانا نے اپنے بیٹے عمر فاروق کو تسلی دی اور گھبرانے سے منع فرمایا۔ مولانا نے سزا کے خلاف کوئی اپیل دائر نہیں کی مولاناؒ کا کہنا تھا کہ اگر میں ظالم حکمرانوں کے سامنے دب گیا تو پھر ملک سے انصاف ختم

[12] www, jamaat . org

[13] www, jamaat . org

ہو جائے گا۔

آخر کار حکومت نے خود ہی سزائے موت کو ۱۴ سال کی قید میں تبدیل کر دیا۔ جیل سے رہائی کے بعد مولانا مودودیؒ نے دین کے کام کو آگے بڑھایا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ۱۹۵۳ میں ملک میں پہلی قادیانی سازش ہوئی۔ مسلمانان پاکستان قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوانا چاہتے تھے۔ پاکستان میں مارشل لگا دیا گیا۔ مولانا مودودیؒ نے قادیانی مسئلہ کے نام سے ایک مختصر مگر جامع کتاب لکھی۔

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات

آیاتِ استفہام اور فہمِ ایمانیات

ایمان کی تعریف

ایمان باللہ یہ ہے کہ انسان بغیر کسی شک و شبہ کے اپنی ذات کو اللہ کے حوالے کر دے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو تسلیم کرلے اور خدا کے سامنے اپنے ہر قول و فعل کا اپنے آپ کو جوابدہ سمجھے، اسی طرح فرشتوں کی ہستی کو ان کی معصوم اور قدستی صفت مانتے ہوئے تسلیم کرے، ان کو امین اور معتمد مانے، ان کو اللہ کی ہدایت لانے والا تسلیم کرے، ایمان بالکتب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اتارے ہوئے صحیفوں کو حق و باطل کی کسوٹی سمجھے اور ہدایت کا ذریعہ مانتے ہوئے زندگی میں اس کی رہنمائی پر پورا پورا اعتماد کرے۔ انبیاء کرام کو خدا کی طرف سے مامور اور واجب الاطاعت مانے، ان کے علم کو بے خطا سمجھتے ہوئے ان کے عمل کو اپنی زندگی کے لئے اسوہ قرار دے اور ان کی اتباع، اطاعت اور محبت کو لازم جانے، انہی چیزوں پر ایمان لانے ہماری زندگی موئثر اور فعال حقیقت بنتی ہے۔ ایمان بالملائکہ، ایمان بالکتب، ایمان بالانبیاء یہ سب ایک دوسرے سے اتصال رکھنے کی کڑیاں ہیں، ان میں سے ایک کا بھی انکار کرنے والا موئمن نہیں ہو سکتا۔

قرآنِ مجید میں ایمانیات سے متعلقہ آیات

اسلام کی بنیاد عقیدہ توحید پر ہے جو کہ ارکان اسلام کا سب سے پہلا رکن ہے نوع انسانی کی دنیوی اور اخروی زندگی کی کامیابی کا انحصار کفر و شرک کی نفی اور توحید کے مکمل اثبات پر ہے اسی اہمیت کے پیشِ نظر اللہ عزوجل نے ہر دور میں اپنا قاصد (رسول) بھیجا تاکہ وہ انسانوں کو توحید کا پیغام پہنچائے اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت سے منع فرمائے اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ"۔[14]

"بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخرت اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے"۔

---

[14] القرآن، ۲:۱۷۷۔

درج ذیل آیت سے ہمیں ایمان کے سب سے پہلے رکن اللہ پر ایمان اور دوسرے رکن رسولوں پر ایمان کا حکم ملتاہے ایمان کی تکمیل ان سب پر یقین کے بغیر ممکن نہیں۔

ایمان قلب و باطن کی یقینی حالت کا نام ہے جس میں قلب وباطن دنیا کی محبت سے خالی اور اللہ کی محبت سے معمور ہوں۔ عبد الولی اپنی کتاب حقیقت توحید میں ایمانیات کی وضاحت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

ایمان باللہ

ایمان باللہ، یعنی اللہ تعالیٰ کے واحد و یکتا ہونے، اس کے خالق ومالک ہونے، اس کے پروردگار اور حاجت رواہونے، اس کے تنہا معبود برحق ہونے کا زبان سے اقرار اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس کی تصدیق کی جائے نیز اس کے مطابق اپنے عمل و کردار کو بنایا جائے تو اس اقرار و تصدیق اور عمل کے مجموعے کا نام ایمان باللہ ہے، جو اسلام کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔

ایمان بالملائکہ

فرشتے اللہ کی نورانی مخلوق ہیں نہ مرد اور نہ عورت اللہ کی ذرہ برابر نافرمانی نہیں کرتے۔

ایمان بالکتب

ایمان بالکتب سے مراد اللہ کی بھیجے ہوئے نبیوں پر جو کتابیں نازل کی گئیں ان پر ایمان رکھنا۔ جیسا کی انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل ہوئی۔ زبور حضرت داؤد پر نازل ہوئی۔ توریت حضرت موسیٰ پر نازل ہوئی ۔اور قران مجید آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ پر نازل کی گئی۔

ایمان بالرسالت

ایمان بالرسالۃ کا مطلب ہے رسولوں پر ایمان لانا۔ اللہ رب العزت نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے ہی رسولوں اور نبیوں کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام تھے، اور سب سے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے بے شمار انبیاء کرام مبعوث فرمائے، اور وہ سب انسانیت کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ ایمان بالرسالۃ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام پر ایمان رکھا جائے۔ ایمان بالرسالۃ کا اہم ترین

جزو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھنا بھی شامل ہے۔"[15]
قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ایمانیات کے ضمن میں استفہامی آیات وارد ہوئیں ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔
)۱(اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِن یَّنصُرکُمُ اللہُ فَلَا غَالِبَ لَکُم وَاِن یَّخذُلکُم فَمَن ذَا الَّذِی یَنصُرُکُم مِّنۢ بَعدِہٖ وَعَلَی اللہِ فَلیَتَوَکَّلِ المُؤمِنُونَ "[16]

" اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں، اور وہ تمہیں چھوڑ دے، تو اسکے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کر سکتا ہو؟ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئیے"۔

اس آیت کے تفسیر میں مولانا مودودی یوں رقمطراز ہیں:
"اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے احسان اور قدرت کا ذکر فرمارہے ہیں کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرنا چاہے تو کوئی بھی تم پر غالب نہیں آسکتا کیونکہ اللہ کے اذن کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے۔ اور اگر اللہ تم کو رسوا کرنا چاہے تا کوئی بھی تمہاری مدد کرنے کا اختیار نہیں رکھتا اور مومن انسان تو وہی ہے جو اللہ پر بھروسہ رکھے "[17]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں سے سوال فرمارہے ہیں کہ اللہ کے سوا کون ہے جو تمہاری مدد کا اختیار رکھتا ہو اگر اللہ تمہیں رسوا کرنا چاہے تو کوئی بھی تمہیں عزت نہیں دے سکتا اور اگر اللہ تمہاری مدد کرنا چاہے تو کوئی بھی اسے نہیں روک سکتا اللہ کے اذن کے بغیر کچھ بھی ممکن نہیں ہے اور جو ایمان والے لوگ وہ سب اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قدرت کے اثبات کے لئے سوال فرمارہے ہیں اور ساتھ ہی مومنین کے توکل علی اللہ کا ذکر فرمادیا۔

---

[15] عبدالولی، حقیقت توحید، انجمن اصلاح معاشرہ، یوپی، انڈیا، ۲۰۱۶، ص ۲۰،۲۱
[16] القرآن، ۳:۱۰۸۔
[17] مودودی، سید ابو الاعلی، تفہیم القران، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ، ۱/ ۲۹۸، ۲۹۹

(۲) سورۃ النساء میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ وَلَو كَانَ مِن عِندِ غَيرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اختِلَافًا كَثِيرًا "[18]

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت کچھ اختلاف بیانی پائی جاتی"۔

ایمان بالکتب ایمانیات کا ایک اہم رکن ہے۔ اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہ ہوتا کسی انسان کا خود ساختہ ہوتا تو اس میں بہت سے اختلافات پائے جاتے کیونکہ انسانی ذہن وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے اور انسان کا حافظہ بھی اتنا مضبوط نہیں ہے کہ وہ ہر بات کو یاد رکھ سکے۔ احکامات، واقعات ان تمام چیزوں کی وضاحت کرنا اور زندگی کا لائحہ عمل پیش کرنا کسی بھی انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے اور یہ صرف ایسی ہستی ہی کر سکتی ہے جو کہ حی لایموت ہو، جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہو تو یہ ہستی صرف اور صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہے۔

اسکی تفسیر میں صاحب تفسیر لکھتے ہیں:

"منافقین کو قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک تھا۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ رسول پر واقعی وحی اترتی ہے اور یہ جو کچھ ہدایات آرہی ہیں وہ منجانب اللہ ہیں۔ تو اللہ پاک فرماتے ہیں: یہ لوگ قرآن پر غور ہی نہیں کرتے ورنہ یہ کلام تو خود شہادت دے رہا ہے کہ یہ خدا کے سوا کسی دوسرے کا کلام ہو نہیں سکتا۔ کوئی انسان اس بات پر قادر نہیں ہے کہ سالہا سال تک وہ مختلف حالات میں، مختلف مواقع پر، مختلف مضامین پر تقریریں کرتا رہے اور اول سے آخر تک اس کی ساری تقریریں ایسا ہموار، یک رنگ، متناسب مجموعہ بن جائیں جس کا کوئی جز دوسرے جز سے متصادم نہ ہو، جس میں تبدیلی رائے کا کہیں نشان تک نہ ملے، جس میں متکلم کے نفس کی مختلف کیفیات اپنے مختلف رنگ نہ دکھائیں، اور جس پر کبھی نظر ثانی تک کی ضرورت نہ پیش آئے"[19]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے معجزے قرآن کے بارے میں اپنے احکامات کو یقینی بنانے کے لئے سوال فرما

---

[18] القرآن، ۴:۸۲۔

[19] مودودی، تفہیم القرآن، ۱/ ۳۷۶، ۳۷۷

رہے ہیں کہ کیا تم قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟ کہ اگر یہ کسی انسان کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پایا جاتا اس میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہیں پایا جاتا سمجھنے والوں اور عقل والوں کے لئے یہی دلیل کافی ہے۔

قرآن پاک ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے، ماضی کے تمام واقعات کو بیان کیا گیا ہے، اس میں احکام کا مکمل بیان ہے، ہر عمل میں رہنمائی موجود ہے تو یہ کسی انسان کا کلام کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا انسانی عقل ان تمام چیزوں کا احاطہ کر سکتی ہے، قطعاً نہیں تو اس کلام کے منجانب اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں۔

(۳) سورۃ الاعراف میں ارشاد خداوند متعال ہے"

'اَوَلَمۡ يَنۡظُرُوۡا فِىۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ‌ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ "[20]

"کیا ان لوگوں نے آسمان و زمین کے انتظام پر کبھی غور نہیں کیا اور کسی چیز کو بھی جو خدا نے پیدا کی ہے آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا؟ اور کیا یہ بھی انہوں نے نہیں سوچا کہ شاید ان کی مہلتِ زندگی پوری ہونے کا وقت قریب آ لگا ہو؟ پھر آخر پیغمبرؐ کی اِس تنبیہ کے بعد اور کون سی بات ایسی ہو سکتی ہے۔ جس پر یہ ایمان لائیں؟"۔

جو شخص بھی آسمان و زمین کے انتظام پر غور کرے گا وہ پکار اٹھے گا کہ یہ کائنات بے غایت و بے مقصد اور عبث پیدا نہیں کی گئی بلکہ یہ جزا و سزا پر ایک روز منتہی ہونے والی ہے جنہوں نے راستی و پاکبازی کی زندگی بسر کی وہی لوگ فلاح پائیں گے اور جن لوگوں نے اس راستے کو چھوڑا وہ لوگ دہکتی ہوئی آگ کا ایندھن بنیں گے، اس میں جو چیز بھی موجود ہے وہ اللہ کی قدرت، حکمت اور رحمت کا مظہر ہے۔ اور ان تمام کے لئے ایک وقت مقررہ ہے۔ ہو سکتا ہے وہ وقت مقررہ قریب آ گیا ہو جس سے پیغمبر ان کو متنبہ فرما رہے ہوں تو پھر اس تنبیہ کے ماسوا اور ایمان لانے کے لئے کونسی بات قابل اعتبار ہو سکتی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی تحریر فرماتے ہیں:

"اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے، یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی بنظر تامل دیکھتے تو انہیں خود

[20] القرآن، ۷:۱۸۵

معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید، توحید کے اثبات، بندگی رب کی دعوت اور انسان کی ذمہ داری وجواب دہی کے بارے میں جو کچھ ان کا بھائی انہیں سمجھا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظام کائنات اور خلق اللہ کا ذرہ ذرہ شہادت دے رہا ہے۔یعنی نادان اتنا بھی نہیں سوچتے کہ موت کا وقت کسی کو معلوم نہیں ہے، کچھ خبر نہیں کہ کب کس کی اجل آن پوری ہو۔ پھر اگر ان میں سے کسی کا آخری وقت آگیا اور اپنے رویہ کی اصلاح کے لیے جو مہلت اسے ملی ہوئی ہے وہ انہی گمراہیوں اور بداعمالیوں میں ضائع ہوگئی تو آخر اس کا حشر کیا ہوگا"۔[21]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ توحید کے اثبات اور شرک کی تردید کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا یہ اس کائنات کے نظام آسمان وزمین میں غور نہیں کرتے کہ اللہ پاک نے کس طرح یہ چیزیں بنائیں ہیں کہ ان میں کسی بھی قسم کا کوئی نقص بھی پایا نہیں جاتا، کیا یہ اپنے ہی لوگوں کو موت سے ہمکنار ہوتے ہوئے نہیں دیکھتے کہ ان میں سے ہی کتنے لوگ ہیں جو کہ اس صفحہ ہستی سے مٹادیئے گئے ہیں اتنی بڑی بڑی نشانیوں کے باوجود یہ ایمان لانے میں تردد کا شکار ہیں، ان لوگوں کی موت کے بعد انکے تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ نبی کریم ﷺ جو بات ان کو سمجھارہے ہیں یہ جان بوجھ کر اس کی تردید کرتے ہیں، اگر کائنات میں غور وفکر کریں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کائنات کا نظام ایک تسلسل سے چل رہا ہے، ہر چیز اپنے مقررہ وقت پر ہو رہی ہے، کہیں بھی کسی بھی قسم کے تسلسل میں کمی نہیں ہے تو پھر کیونکر یہ لوگ اتنی نشانیوں کے بعد پھر ایمان لانے سے گریزاں ہیں۔

(۴) سورۃ یونس میں اللہ عزوجل کا قول مبارک ہے:

"قُلْ هَلْ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ "[22]

---

[21] مودودی، تفہیم القرآن، ۱/ ۱۰۵، ۱۰۴

[22] القرآن، ۱۰: ۳۴

"اِن سے پوچھو، تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو تخلیق کی ابتداء بھی کرتا ہو اور پھر اس کا اعادہ بھی کرے؟۔۔۔ کہو وہ صرف اللہ ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے اور اس کا اعادہ بھی، پھر تم یہ کس اُلٹی راہ پر چلائے جارہے ہو؟"

اس آیت میں مشرکین کے عقیدۂ شفاعت کی تردید کی جارہی ہے کہ مشرکین جو یہ سوچ رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے شرکاء ان کو اللہ کے عذاب سے بچالیں گے دنیا میں وہ صرف اپنے شریکوں کو ہی خوش کرنے پر لگے ہوئے ہیں، تو اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ جن لوگوں کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو وہ انسان کیا کسی بھی مخلوق کی تخلیق کرنے پر قدرت رکھتے ہیں؟ غور کرو کہ کیا انہوں نے کوئی چیز پیدا کی ہے؟ اگر نہیں تو کیسے تم انہیں شفاعت کا اختیار دیتے ہو۔ مشرکین قربِ قیامت کے بارے میں کچھ تردد کا شکار تھے کہ اگر قیامت ہوگی تو ہمارے شرکاء ہم کو بچالیں گے تو اللہ پاک ان سے سوال فرمارہے ہیں کہ کیسے تم اس رب کا شریک ٹھہراتے ہو جو تمہارا بھی خالق ہے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان کا بھی تخلیق کرنے والا وہ وحدہ لاشریک ہے۔

چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں مولانا یوں رقمطراز ہیں:

" تخلیق کی ابتدا کے متعلق تو مشرکین مانتے ہی تھے کہ یہ صرف اللہ کا کام ہے، ان کے شریکوں میں سے کسی کا اس کام میں کوئی حصہ نہیں۔ رہا تخلیق کا اعادہ تو ظاہر ہے کہ جو ابتداء پیدا کرنے والا ہے وہی اس عمل پیدائش کا اعادہ بھی کرسکتا ہے، مگر جو ابتداءہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادہ پیدائش پر قادر ہوسکتا ہے۔ یہ بات اگرچہ ایک معقول بات ہے، اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات بالکل ٹھکانے کی ہے، لیکن انہیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تامل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکار آخرت مشکل ہوجاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اوپر کے سوالات پر تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خود کہیں گے کہ یہ کام اللہ کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے ارشاد ہوتا ہے کہ تم ڈنکے کی چوٹ پر کہو کہ یہ ابتدائے خلق اور اعادہ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا کام ہے۔ یعنی جب تمہاری ابتدا کا سرا بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور انتہا کا سرا بھی اسی کے ہاتھ میں، تو خود اپنے خیر خواہ بن کر ذرا سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جارہا ہے کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں اللہ کے سوا

کسی اور کو تمہاری بندگیوں اور نیاز مندیوں کا حق پہنچ گیا ہے۔"[23]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عظیم قدرت انسان کی تخلیق کے بارے میں باطل کا رد کرنے کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ تمام انسانوں کی تخلیق اللہ پاک نے فرمائی ہے اس بات کا مشرکین بھی اعتراف کرتے ہیں مگر مشرکین قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں ان کے لئے یہ حیران کن کیسے ہے کہ جو اللہ ایک دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر قادر کیوں نہیں ہو سکتا؟ اس کے باوجود اگر تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہراؤ گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ شرک کو کسی صورت بھی معاف نہیں کریں گے۔ مشرکین کی عقل پر پردہ پڑ گیا ہے کیونکہ کوئی بھی چیز پہلی دفعہ بنانی بغیر ماڈل کے مشکل ہوتی ہے جبکہ دوسری مرتبہ بنانی تو بہت آسان ہوتی ہے، یہ لوگ حق کو قبول کرنا ہی نہیں چاہتے۔

(۵) سورۃ بنی اسرائیل میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنۡ یَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ وَجَعَلَ لَهُمۡ اَجَلًا لَّا رَیۡبَ فِیۡهِ فَاَبَی الظّٰلِمُوۡنَ اِلَّا کُفُوۡرًا "[24]

"کیا ان کو یہ نہ سوجھا کہ جس خدا نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے وہ اِن جیسوں کو پیدا کرنے کی ضرور قدرت رکھتا ہے؟ اس نے اِن کے حشر کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس کا آنا یقینی ہے، مگر ظالموں کو اصرار ہے کہ وہ اس کا انکار ہی کریں گے۔"

اس آیت میں اللہ پاک آخرت کے یقین کے لئے لوگوں سے انکی ذہنی استعداد کو جانچنے کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ جس طرح اللہ پاک سب کچھ بنانے پر قادر ہے وہ ان چیزوں کو دوبارہ بنانے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ کافروں کا دعویٰ ہے کہ جب ہم مر جائیں گے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو ہماری تخلیق کیسے ممکن ہے؟ صرف انکی ہٹ دھرمی ہے جس وجہ سے یہ آخرت کا انکار کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ

---

[23] مودودی، تفہیم القرآن، ۲/ ۲۸۳

[24] القرآن، ۱۷:۹۹

عقل نہیں رکھتے۔

(٦) سورۃ المومنون میں اللہ پاک کا ارشاد مبارک ہے:

"قُل لِّمَنِ الاَرضُ وَمَن فِيهَا اِن كُنتُم تَعلَمُونَ "[25]

"ان سے کہو، بتاؤ اگر تم جانتے ہو، کہ یہ زمین اور اس کی ساری آبادی کس کی ہے؟"

"سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُل اَفَلَا تَذَكَّرُونَ "[26]

"یہ ضرور کہیں گے، اللہ کے لئے، کہو، پھر تم ہوش میں کیوں نہیں آتے؟"

"قُل مَن رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبعِ وَرَبُّ العَرشِ العَظِيمِ "[27]

"ان سے پوچھو، ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا مالک کون ہے؟"

"سَيَقُولُونَ لِلّٰهِ قُل فَاَنّٰى تُسحَرُونَ "[28]

"یہ ضرور کہیں گے کہ یہ بات تو اللہ ہی کے لیے ہے۔ کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟"

اللہ تبارک و تعالیٰ کافروں کی روش بیان فرمارہے ہیں کہ وہ سب جانتے بوجھے بھی انجان بنتے ہیں، اللہ کی قدرت کی تمام نشانیوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے ان کی تخلیق کے بارے میں سوال کیا جائے تو یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے بنایا ہے، مگر اس کے باوجود اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق کو ہی اس کا شریک ٹھہراتے ہیں تو گویا یہ گمان ہے کہ ان کا حال ایسے ہے جیسے ان پر جادو کر دیا گیا ہو۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر لکھتے ہیں:

"ان آیات میں اللہ پاک اپنے قدرت کی نشانیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کافروں سے مخاطب ہیں کہ ان سے آسمان وزمین اور اس میں جو کچھ ہے اسکے بارے میں سوال کروگے تو یہ جواب یہی دیں گے کہ اللہ نے بنایا ہے مگر پھر بھی اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں کیا ان پر سحر کیا گیا ہے۔ سحر اور جادو کی

---

[25] القرآن، ۲۳:۸۴

[26] ایضاً، ۸۵

[27] القرآن، ۲۳:۸۶۔

[28] ایضاً، ۸۹

حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک چیز کو اس کی اصل ماہیت اور صحیح صورت کے خلاف بنا کر دکھاتا ہے اور دیکھنے والے کے ذہن میں یہ غلط تاثر پیدا کرتا ہے کہ اس شے کی اصلیت وہ ہے جو بناوٹی طور پر ساحر پیش کر رہا ہے۔ پس آیت میں جو سوال کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ "کس نے تم پر یہ سحر کر دیا ہے کہ یہ سب باتیں جاننے کے باوجود حقیقت تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟ کس کا جادو تم پر چل گیا ہے کہ جو مالک نہیں ہیں وہ تمہیں مالک یا اس کے شریک نظر آتے ہیں اور جنہیں کوئی اقتدار حاصل نہیں ہے وہ اصل صاحب اقتدار کی طرح، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تم کو بندگی کے مستحق محسوس ہوتے ہیں؟ کس نے تمہاری آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے کہ جس خدا کے متعلق خود مانتے ہو کہ اس کے مقابلے میں کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے، کس نے تم کو اس دھوکے میں ڈال دیا ہے کہ جو ہر چیز کا مالک ہے وہ تم سے کبھی نہ پوچھے گا کہ تم نے میری چیزوں کو کس طرح استعمال کیا، اور جو ساری کائنات کا بادشاہ ہے وہ کبھی تم سے اس کی باز پرس نہ کرے گا کہ میری بادشاہی میں تم اپنی بادشاہیاں چلانے یا دوسروں کی بادشاہیاں ماننے کے کیسے مجاز ہو گئے؟"۔[29]

سوال کی یہ نوعیت اور زیادہ معنی خیز ہو جاتی ہے جب یہ بات پیش نظر رہے کہ قریشِ مکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر سحر کا الزام لگاتے تھے۔ اسی لیے فرمایا جا رہا ہے کہ بیوقوفو! جو شخص تمہیں اصل حقیقت (وہ حقیقت جسے تمہارے اپنے اعترافات کے مطابق حقیقت ہونا چاہیے) بتاتا ہے وہ تو تم کو نظر آتا ہے جادوگر، اور جو لوگ تمہیں دن رات حقیقت کے خلاف باتیں باور کراتے رہتے ہیں، حتیٰ کہ جنہوں نے تم کو صریح عقل اور منطق کے خلاف، تجربے اور مشاہدے کے خلاف، تمہاری اپنی اعتراف کردہ صداقتوں کے خلاف، سراسر جھوٹی اور بے اصل باتوں کا معتقد بنا دیا ہے اور اصل میں جادوگر تو وہ ہیں۔"[30]

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کو انکی غلطی کے ادراک کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ ہر چیز کو تم جانتے بھی ہو سمجھ بھی رہے ہو مگر تم اس غلطی کے بارے میں ادراک نہیں کرنا چاہتے اس لئے حق بات کو قبول کرنے سے انکاری ہو۔ ان کے دلوں پر مہر لگی ہوتی ہے اور ان کی عقلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں کہ اللہ کے تخلیق کردہ لوگوں کو ہی اس کی بادشاہی میں شریک ٹھہراتے ہیں تو ان سے بڑا نادان کون

[29] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۲۹۶،۲۹۵

[30] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۲۹۶،۲۹۵

ہو گا؟ ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

(۷) سورۃ الأنبیاء میں ارشادِ ربانی ہے:

"قُل مَن يَّكلَؤُكُم بِالَّيلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحمٰنِ بَل هُم عَن ذِكرِ رَبِّهِم مُّعرِضُونَ "[31]

"اے محمدؐ، ان سے کہو "کون ہے جو رات کو یا دن کو تمہیں رحمٰن سے بچا سکتا ہو؟"

مگر یہ اپنے ربّ کی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں۔"

یعنی اگر اچانک دن کو یا رات کو کسی وقت خدا کا زبردست ہاتھ تم پر پڑ جائے تو آخر وہ کون سازور آور حامی و ناصر ہے جو اس کی پکڑ سے تم کو بچا لے گا؟

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اگر دن میں یا رات میں میں تم پر عذاب نازل کروں تو کیا کوئی تمہیں بچانے والا ہے؟ کیا اللہ کے مقابلے میں کوئی تمھاری مدد پر قادر ہو سکتا ہے کیا اللہ کی پکڑ سے کوئی بچانے والا ہے؟ پچھلی قوموں سے عبرت حاصل کرو جب ان پر اللہ کا عذاب کبھی اس وقت آیا جب وہ دوپہر کے وقت سو رہے تھے یا کبھی رات کے اندھیروں میں یا صبح کے وقت، ان کو کوئی نہیں بچا پایا کوئی بھی انکی مدد کو نہیں آیا تو اب کس طرح عذاب کے وقت کوئی تمہاری مدد کو کیسے آسکے گا اللہ کے علاوہ کوئی بھی مددگار نہیں نہ ہی کوئی حمایت کرنے والا ہو سکتا ہے۔ تم میں سے پہلی جو قومیں تھیں، ان کے پاس بھی پیغمبر آئے، اللہ کا پیغام سنایا، ہدایت کا راستہ دکھایا، مگر ان لوگوں نے بھی اپنے رب کے ذکر یعنی نصیحت سے منہ موڑا، وہ اپنی گناہوں کی روش پر قائم رہے اور انبیاء کرام کی بات کا یقین نہیں کیا پھر ان لوگوں کے حصے میں صرف نقصان ہی آیا، ان پر اللہ نے اپنا عذاب نازل فرمایا اور ان کو اس صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اگر ان کے واقعات سے یہ لوگ عبرت حاصل نہیں تو کچھ بعید نہیں کہ ان کا انجام بھی ان جیسا ہی ہو گا اور پھر ان کو نہ ہی کوئی بچا سکے گا اور نہی ہی کوئی ان کی مدد کو آسکے گا۔

(۸) سورۃ الحج میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

"اَلَم تَعلَم اَنَّ اللّٰهَ يَعلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالاَرضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

---

[31] القرآن، ۲۱:۴۲

يَسِيرٌ"[32]

"کیا تم نہیں جانتے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے؟ سب کچھ ایک کتاب میں درج ہے۔ اللہ کے لیے یہ کچھ بھی مشکل نہیں ہے۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ کی صفتِ علیم بیان کی جارہی ہے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ بھی ہے دن کی روشنی میں ہو یا رات کے اندھیرے میں۔ سمندروں کی تہوں میں یا خشکی کے جزیروں میں، ویران جنگلوں میں ہو یا آبادیوں میں، کسی بھی جگہ کچھ بھی ہو رہا ہو تو اللہ کی قدرت اور علم اس کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ اس لیے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا گیا: یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم۔ جو کچھ بھی پہلے ہو چکا اور جو کچھ بھی بعد میں ہو گا تو اللہ تعالیٰ کو ان تمام باتوں کی خبر ہے اور یہ سب کچھ اللہ پاک اپنے اس لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اللہ کے لیے یہ سب کچھ بہت آسان ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ انذار کے لئے لوگوں سے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تم جو بھی کام کر رہے ہو وہ اللہ پاک کے علم میں ہے وہ عالم الغیب ذات ہے ہر چیز نامہ اعمال میں کراما کاتبین درج کر رہے ہیں اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے، ہر چیز اس کے کن کی منتظر ہے۔ آسمانوں کے اوپر جو کچھ ہے یا زمین کی تہوں میں اللہ کسی بھی چیز سے غافل نہیں ہے، اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

(۹) سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَفِی قُلُوبِہِم مَّرَضٌ اَمِ ارتَابُوا اَم یَخَافُونَ اَن یَّحِیفَ اللہُ عَلَیہِم وَرَسُولُہٗ بَل اُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُونَ "[33]

---

[32] القرآن، ۲۲:۷

[33] القرآن، ۲۴:۵۰

"کیا اِن کے دلوں کو (منافقت کا) روگ لگا ہوا ہے؟ یا یہ شک میں پڑے ہوئے ہیں؟ یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسُول ان پر ظلم کرے گا؟ اصل بات یہ ہے کہ ظالم تو یہ لوگ خود ہیں۔"

مولانا اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی اس طرز عمل کی تین ہی وجہیں ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی سرے سے ایمان ہی نہ لایا ہو اور منافقانہ طریقے پر محض دھوکا دینے اور مسلم معاشرے میں شرکت کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے لیے مسلمان ہو گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ ایمان لے آنے کے باوجود اسے اس امر میں ابھی تک شک ہو کہ رسول خدا کا رسول ہے یا نہیں، اور قرآن خدا کی کتاب ہے یا نہیں، آخرت واقعی آنے والی ہے بھی یا یہ محض ایک افسانہ تراشیدہ ہے، بلکہ خدا بھی حقیقت میں موجود ہے یا یہ بھی ایک خیال ہے جو کسی مصلحت سے گھڑ لیا گیا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ خدا کو خدا اور رسول کو رسول مان کر بھی ان سے ظلم کا اندیشہ رکھتا ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ خدا کی کتاب نے فلاں حکم دے کر تو ہمیں مصیبت میں ڈال دیا اور خدا کے رسول کا فلاں ارشاد یا فلاں طریقہ تو ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی ہو ایسے لوگوں کے ظالم ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس طرح کے خیالات رکھ کر جو شخص مسلمانوں میں شامل ہوتا ہے، ایمان کا دعویٰ کرتا ہے، اور مسلم معاشرے کا ایک رکن بن کر مختلف قسم کے ناجائز فائدے اس معاشرے سے حاصل کرتا ہے، وہ بہت بڑا دغا باز، خائن اور جعل ساز ہے۔ وہ اپنے نفس پر بھی ظلم کرتا ہے کہ اسے شب و روز کے جھوٹ سے ذلیل ترین خصائل کا پیکر بناتا چلا جاتا ہے۔ اور ان مسلمانوں پر بھی ظلم کرتا ہے جو اس کے ظاہری کلمہ شہادت پر اعتماد کر کے اسے اپنی ملت کا ایک جز مان لیتے ہیں اور پھر اس کے ساتھ طرح طرح کے معاشرتی، تمدنی، سیاسی اور اخلاقی تعلقات قائم کر لیتے ہیں۔"[34]

اس آیت میں منافقین کا بتایا جا رہا ہے کہ یا تو ان کے اندر نفاق کا روگ ہے یا وہ نبی کریم ﷺ کی رسالت اور دینِ اسلام کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں یا پھر انہیں یہ غم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی عدالت

---

[34] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۴۱۶،۴۱۵

میں اپنے معاملات لائیں گے تو روش کے مطابق فیصلہ نہیں فرمائیں گے۔ وہ اپنے گمان میں اپنے مستقبل کے مفادات کو محفوظ کر رہے ہیں حالانکہ وہ نہیں جانتے کہ اس روش کی وجہ سے وہ اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔ دنیا میں اگر وقتی فائدہ ان کو ہو بھی گیا تو مگر آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ ان کی روش اسلام کے منافی ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ باطل کی تردید کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ منافق لوگ اپنے طرز عمل سے یا اپنی ذہنی سوچ سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شک میں مبتلا ہیں۔ اس لیے وہ مسلمانوں اور کافروں دونوں کے ساتھ ہیں تاکہ کسی کو بھی کامیابی ملی تو وہ انہیں کے ساتھ ہو جائیں گے، مطلب وہ اپنے آپ کو بہت ذہین و فطین سمجھتے ہیں حالانکہ وہ سوچ رکھتے ہیں کہ وہ انہیں منافقانہ طرزِ عمل سے کامیاب ہو جائیں گے۔ تو یہ بالکل غلط ہے وہ بذاتِ خود اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں۔

(۹) سورۃ الروم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ "[35]

"کیا ہم نے کوئی سند اور دلیل ان پر نازل کی ہے جو شہادت دیتی ہو اس شرک کی صداقت پر جو یہ کر رہے ہیں؟"

نیز فرمایا:

"اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ " [36]

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں ہیں کہ اللہ ہی رزق کشادہ کرتا ہے جس کا چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کا چاہتا ہے)۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔"

آخر کس دلیل سے ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ بلائیں خدا نہیں ٹالتا بلکہ حضرت ٹالا کرتے ہیں؟ کیا عقل

---

[35] القرآن، ۳۰:۳۵

[36] القرآن، ۳۰:۳۷

اس کی شہادت دیتی ہے ؟ یا کوئی کتاب الٰہی ایسی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ میں اپنے خدائی کے اختیارات فلاں فلاں حضرتوں کو دے چکا ہوں اور اب وہ تم لوگوں کے کام بنایا کریں گے ؟ کیا اللہ نے اس پر دلیل نازل فرمائی ہے کہ تم اپنی مشکلات اور حاجات لے کر غیر اللہ کے پاس جاؤ، ان کو اپنا رازق سمجھو؟

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ "اہل ایمان اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں کہ کفر و شرک کا انسان کے اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، اور اس کے برعکس ایمان باللہ کے اخلاقی نتائج کیا ہیں۔ جو شخص سچے دل سے خدا پر ایمان رکھتا ہو اور اسی کو رزق کے خزانوں کا مالک سمجھتا ہو، وہ کبھی اس کم ظرفی میں مبتلا نہیں ہو سکتا جس میں خدا کو بھولے ہوئے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ اسے کشادہ رزق ملے تو پھولے گا نہیں، شکر کرے گا، خلق خدا کے ساتھ تواضع اور فیاضی سے پیش آئے گا، اور خدا کا مال خدا کی راہ میں صرف کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرے گا۔ تنگی کے ساتھ رزق ملے، یا فاقے ہی پڑ جائیں، تب بھی صبر سے کام لے گا، دیانت و امانت اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے گا، اور آخر وقت تک خدا سے فضل و کرم کی آس لگائے رہے گا۔ یہ اخلاقی بلندی نہ کسی دہریے کو نصیب ہو سکتی ہے نہ مشرک کو"۔[37]

اس آیت میں اللہ پاک اپنی طنز و تحقیر اور غیظ و غضب کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ اللہ پاک ہی رازق ہے جسے چاہے کشادگی عطا فرمادے اور جسے چاہے تنگدست کر دے کوئی اسکو پوچھنے والا نہیں تو تم کہاں بھٹکے پھر رہے ہو؟ اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرنا بہت ہی اجر و ثواب کا باعث ہے وہ اس پر بھی تم کو انعام عطا فرمائے گا۔

رزق کی فراخی اور تنگی دونوں اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جس کو جس طرح چاہے نواز دے اور جس کو چاہے محروم کر دے، ہر فیصلہ اس کی حکمت پر مبنی ہوتا ہے، اس لیے کسی کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ تنگدستی میں مایوس ہو یا فراخی میں اترانے اور اکڑنے والا بنے۔ بلکہ بندہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرے اور آزمائشوں پر صبر کرے یہ اس کا امتحان ہے اور کامیابی و ناکامی کے راز کا انکشاف تو یومِ آخرت میں ہو گا۔

(۱۰) سورۃ الزمر میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

---

[37] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۳۵۶،۳۵۷

"اَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللهِ شُفَعَآءَ قُل اَوَلَو كَانُوا لَا يَملِكُونَ شَيئًا وَّلَا يَعقِلُونَ "[38]

"کیا اُس خدا کو چھوڑ کر اِن لوگوں نے دُوسروں کو شفیع بنا رکھا ہے؟ ان سے کہو، کیا وہ شفاعت کریں گے خواہ اُن کے اختیار میں کچھ نہ ہو اور وہ سمجھتے بھی نہ ہوں؟"

ان نادان لوگوں نے حقائق کو جان لیا ہے اس کے باوجود اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اس کے مقابل اپنے لیے سفارشی بناتے ہیں تو اگر اللہ پاک ان کو اپنے عذاب کی پکڑ میں لے لے تو کیا ان کے سفارشی ان کو اس عذاب سے چھڑانے میں مدد کریں گے؟ نہیں ایسا ممکن ہی نہیں ان کے سفارشی کسی بھی چیز کا علم و شعور نہیں رکھتے۔

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"ایک تو ان لوگوں نے اپنے طور پر خود ہی یہ فرض کر لیا کہ کچھ ہستیاں اللہ کے ہاں بڑی زور آور ہیں جن کی سفارش کسی طرح ٹل نہیں سکتی، حالانکہ ان کے سفارشی ہونے پر نہ کوئی دلیل، نہ اللہ تعالیٰ نے کبھی یہ فرمایا کہ ان کو میرے ہاں یہ مرتبہ حاصل ہے، اور نہ ان ہستیوں نے کبھی یہ دعویٰ کیا کہ ہم اپنے زور سے تمہارے سارے کام بنوا دیا کریں گے۔ اس پر مزید حماقت ان لوگوں کی یہ ہے کہ اصل مالک کو چھوڑ کر ان فرضی سفارشوں ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں اور ان کی ساری نیاز مندیاں انہی کے لیے وقف ہیں۔"[39]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین سے استعجاب و ملامت کی وجہ سے ان سے سوال فرما رہے ہیں کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود بناتے ہو تو قیامت کے دن یہ تمہاری سفارش کر سکیں گے اصل مالک کو چھوڑ کر تم غیر اللہ کے نام پر نذریں چڑھاتے ہو انکے نام کی قربانیاں کرتے ہو یہ تو خود اللہ کے محتاج ہیں یہ تمہاری سفارش ہرگز نہ کر سکیں گے یہ تو خود اپنی سفارش کرنے کا بھی اختیار نہیں رکھتے اللہ کے اذن کے بغیر کوئی بھی اپنی زبان نہ کھول سکے گا۔

قیامت کے دن تمام اختیارات اللہ کے پاس ہوں گے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہ کر سکے گا،

---

[38] القرآن، ۳۹:۴۳۔

[39] مودودی، تفہیم القرآن، ۴/ ۳۷۶

مگر جس کو وہ اذن فرمائے۔ تو کس لیے یہ ان سفارشیوں پر تکیہ کیے ہوئے ہیں۔

(۱۲) سورۃ المؤمن میں ارشادِ ربانی ہے:

"وَيُرِيكُمْ ءَايَٰتِهِۦ فَأَىَّ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ تُنكِرُونَ "[40]

" اللہ اپنی یہ نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے، آخر تم اُس کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔"

نیز ارشاد فرمایا:

"أَفَلَمْ يَسِيرُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ فَيَنظُرُوا۟ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَءَاثَارًا فِى ٱلْأَرْضِ فَمَآ أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا۟ يَكْسِبُونَ "[41]

" پھر کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ اِن کو اُن لوگوں کا انجام نظر آتا جو اِن سے پہلے گزر چکے ہیں ؟ وہ اِن سے تعداد میں زیادہ تھے، اِن سے بڑھ کر طاقتور تھے، اور زمین میں اِن سے زیادہ شاندار آثار چھوڑ گئے ہیں۔ جو کچھ کمائی اُنہوں نے کی تھی، آخر وہ اُن کے کس کام آئی ؟"

یہاں پر پچھلی قوموں کی مثال دے کر وضاحت کی گئی ہے کہ وہ قومیں رسولوں کی تکذیب کرتی ہیں تھیں، اپنے کارناموں میں ان سے کئی گنا بڑھ کر تھیں، لیکن جب انہوں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو ان کو بہت بڑے عذاب میں مبتلا کر دیا گیا اور ان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، اگر تم لوگ بھی ایسے ہی کرو گے تو تمہارا انجام بھی ان جیسا ہی ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی یوں رقمطراز ہیں:

" مطلب یہ ہے کہ اگر تم محض تماشا دیکھنے اور دل بہلانے کے لیے معجزے کا مطالبہ نہیں کر رہے ہو، بلکہ تمہیں صرف یہ اطمینان کرنے کی ضرورت ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جن باتوں کو ماننے کی دعوت تمہیں دے رہے ہیں (یعنی توحید اور آخرت) وہ حق ہیں یا نہیں، تو اس کے لیے خدا کی یہ نشانیاں بہت کافی ہیں جو ہر وقت تمہارے مشاہدے اور تجربے میں آ رہی ہیں۔ حقیقت کو سمجھنے کے لیے ان

[40] القرآن، ۴۰:۸۱۔

[41] القرآن، ۴۰:۸۲

نشانیوں کے ہوتے کسی اور نشانی کی کیا حاجت رہ جاتی ہے۔ یہ معجزات کے مطالبے کا تیسرا جواب ہے ۔زمین پر جو جانور انسان کی خدمت کر رہے ہیں، خصوصاً گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ اور گھوڑے، ان کو بنانے والے نے ایسے نقشے پر بنایا ہے کہ یہ بآسانی انسان کے پالتو خادم بن جاتے ہیں، اور ان سے اس کی بیشمار ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ ان پر سواری کرتا ہے۔ ان سے بار برداری کا کام لیتا ہے۔ انہیں کھیتی باڑی کے کام میں استعمال کرتا ہے۔ ان کا دودھ نکال کر اسے پیتا بھی ہے اور اس سے دہی، لسّی، مکھن، گھی، کھویا، پنیر، اور طرح طرح کی مٹھائیاں بناتا ہے۔ ان کا گوشت کھاتا ہے۔ ان کی چربی استعمال کرتا ہے۔ ان کے اون اور بال اور کھال اور آنتیں اور ہڈی اور خون اور گوبر، ہر چیز اسکے کام آتی ہے۔ کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ انسان کے خالق نے زمین پر اس کو پیدا کرنے سے بھی پہلے اس کی ان بیشمار ضروریات کو سامنے رکھ کر یہ جانور اس خاص نقشے پر پیدا کر دیے تھے تا کہ وہ ان سے فائدہ اٹھائے ؟"۔[42]

نیز فرمایا:

" پھر زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی سے لبریز ہے اور صرف ایک چوتھائی خشکی پر مشتمل ہے۔ خشک حصوں کے بھی بہت سے چھوٹے اور بڑے رقبے ایسے ہیں جن کے درمیان پانی حائل ہے۔ کرہ زمین کے ان خشک علاقوں پر انسانی آبادیوں کا پھیلنا اور پھر ان کے درمیان سفر و تجارت کے تعلقات کا قائم ہونا اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ پانی، سمندروں اور ہواؤں کو ایسے قوانین کا پابند بنایا جاتا جن کی بدولت جہاز رانی کی جا سکتی، اور زمین پر وہ سرو سامان پیدا کیا جاتا جسے استعمال کر کے انسان جہاز سازی پر قادر ہوتا۔ کیا یہ اس بات کی صریح علامت نہیں ہے کہ ایک ہی قادر مطلق رب رحیم و حکیم ہے جس نے انسان، زمین، پانی، سمندروں، ہواؤں اور ان تمام چیزوں کو جو زمین پر ہیں اپنے خاص منصوبے کے مطابق بنایا ہے۔ بلکہ اگر انسان صرف جہاز رانی ہی کے نقطہ نظر سے دیکھے تو اس میں تاروں کے مواقع اور سیاروں کی باقاعدہ گردش سے جو مدد ملتی ہے وہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ زمین ہی نہیں، آسمان کا خالق بھی وہی ایک رب کریم ہے"۔

---

[42] مودودی، تفہیم القرآن، ۴/ ۴۲۹ تا ۴۳۱

اس کے بعد اس بات پر بھی کہ جس خدائے حکیم نے اپنی اتنی بیشمار چیزیں انسان کے تصرف میں دی ہیں اور اس کے مفاد کے لیے یہ کچھ سر و سامان فراہم کیا ہے، کیا بسلامتی ہوش و حواس آپ اس کے متعلق یہ گمان کر سکتے ہیں کہ وہ معاذاللہ ایسا آنکھ کا اندھا اور گانٹھ کا پورا ہو گا کہ وہ انسان کو یہ سب کچھ دے کر کبھی اس سے حساب نہ لے گا۔"[43]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں بیان کرنے کے بعد سوال فرما رہے ہیں کہ تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو ہماری نشانیوں کو جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے، ان لوگوں کو ہم نے تم سے زیادہ قوت و طاقت عطا کی تھی بہت قد آور تھے ان کو ایک پلک جھپکنے میں نیست و نابود کر دیا کوئی انکی مدد نہ کر سکا کیا یہ سوچتے ہیں کہ لوگ جو کچھ بھی کرتے رہیں ہم ان سے حساب نہ لیں گے تو حقیقت اسکے بر عکس ہے۔

(۱۳) سورۃ المرسلات میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

"اَلَمۡ نَخۡلُقكُّم مِّن مَّآءٍ مَّهِينٍ "[44]

"کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا"۔

"اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا "[45]

"کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا"۔

پہلی آیت میں اللہ پاک انسان کو اس کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کا حکم دے رہے ہیں کہ اے انسان! اپنی تخلیق پر غور کر، ایک پانی سے زندہ انسان بنانے پر کوئی اور ذات ہے ایسی جو یہ اختیار رکھتی ہو؟ ایک بے جان چیز سے جاندار چیز بنا سکتی ہو؟ تم اپنے ضعف کو بھول گئے کہ تم نہ خود کھا سکتے تھے نہ پی سکتے تھے، نہ چل سکتے، وہ وقت یاد رکھو جب تم کچھ بھی نہ تھے اور عدم سے تمہیں تمہارے رب نے وجود بخشا، پھر تم کو زندگی دی اور ایک طاقتور جوان انسان بنایا، کیا تم اس رب پر ایمان لانے میں تردد کا شکا ہو رہے ہو۔ اگلی آیت میں زمین کو بیان فرما کر وضاحت فرمائی کہ ہم نے تمہارے جینے کے لئے زمین بنائی،

---

[43] ایضاً۔
[44] القرآن،۷۷:۲۰
[45] القرآن،۷۷:۲۵

اس سے طرح طرح کی نباتات اگتی ہیں جو کہ تمہارے لیے نفع مند ہیں۔
مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ آخرت کے ممکن اور معقول ہونے پر ایک دلیل ہے۔ یہی ایک کرہ زمین ہے جو کروڑوں اور اربوں سال سے بے حد وحساب مخلوقات کو اپنی گود میں لیے ہوئے ہے، ہر قسم کی نباتات، ہر قسم کے حیوانات اور انسان اس پر جی رہے ہیں اور سب کی ضروریات پوری کرنے کے لیے اس کے پیٹ میں سے طرح طرح کے خزانے نکلتے چلے آرہے ہیں۔ پھر یہی زمین ہے جس پر ان تمام اقسام کی مخلوقات کے بیشمار افراد روز مرتے ہیں، مگر ایسا بے نظیر انتظام کر دیا گیا ہے کہ سب کے لاشے اسی زمین میں ٹھکانے لگ جاتے ہیں اور یہ پھر ہر مخلوق کے نئے افراد کے جینے اور بسنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اس زمین کو سپاٹ گیند کی طرح بھی بنا کر نہیں رکھ دیا گیا ہے بلکہ اس میں جگہ جگہ پہاڑی سلسلے ہیں جن کا موسموں کے تغیرات میں، بارشوں کے برسنے میں، دریاؤں کی پیدائش میں، زرخیز وادیوں کے وجود میں، درختوں کے اگنے میں، قسم قسم کی معدنیات اور طرح طرح کے پتھروں کی فراہمی میں بہت بڑا دخل ہے"۔[46]

نیز فرمایا:

"اس زمین کے پیٹ میں بھی میٹھا پانی پیدا کیا گیا ہے، اس کی پیٹھ پر بھی میٹھے پانی کی نہریں بہادی گئی ہیں اور سمندر کے کھارے پانی سے صاف ستھرے بخارات اٹھا کر بھی نتھرا ہوا پانی آسمان سے برسانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ کیا یہ سب اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ایک قادر مطلق نے یہ سب کچھ بنایا ہے اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے بعد ایک دوسری دنیا بنائے تا کہ انسان سے ان اعمال کا حساب لے جو اس نے اس دنیا میں کیے ہیں؟"۔[47]

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کی پیدائش کا ذکر فرما رہے ہیں کہ انسان کو بے جان چیز سے پیدا فرما کر اس کو زندگی عطا کی اور بھرپور نوجوان بنایا، انسان کی حیثیت ہی کیا ہے ایک حقیر پانی کے ساتھ جس کی تخلیق ہوئی وہی اپنے پیدا کرنے والے کی نافرمانی کرے اور اسکے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے تو اس سے سخت کیا بات ہو گی اسی طرح زمین کی مثال بیان فرما کر اپنی عظیم نعمتوں کے بارے میں سوال فرمایا تا کہ لوگوں

[46] مودودی، تفہیم القرآن،۶/ ۲۱۳تا ۲۱۵
[47] مودودی، تفہیم القرآن،۶/ ۲۱۳تا ۲۱۵۔

میں تشویق پیدا کی جاسکے۔ زمین کو انسان کے لئے بنایا تا کہ اس پر چلیں، اس سے مختلف اقسام کے پھل، نباتات اگائے جو کہ انسانوں اور جانوروں کے کام آتے ہیں۔ ان آیات پر غور کرنے کے بعد کوئی بھی صاحبِ عقل انسان اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہرا سکتا۔

خلاصہ بحث

ایمان اسلام کو جزو لاینفک ہے اس کے بغیر اسلام قابل قبول نہیں کوئی بھی شخص مکمل ایمان لائے بغیر دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فصل اول میں ایمانیات کے بارے میں قرآن مجید کی درج ذیل سورتوں کی ۲۰ آیات سے وضاحت کی گئی ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۶۰، سورۃ النساء آیت نمبر ۸۲، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۸۵، سورۃ یونس آیت نمبر ۳۴، سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر ۹۹، سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۴۲، سورۃ الحج آیت نمبر ۷۰، سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، سورۃ النور آیت نمبر ۵۰، سورۃ الروم آیت نمبر ۳۵، ۳۷ ، سورۃ الزمر آیت نمبر ۴۳، سورۃ المؤمن آیت نمبر ۸۱، ۸۲، سورۃ المرسلات آیت نمبر ۲۰، ۲۵، اس فصل میں ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں سے سوال فرمایا ہے۔

اس فصل میں ہر آیت کو بیان کرنے کے بعد اس کی تفسیر پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس آیت میں استفہام کے استعمال کی وضاحت کی گئی ہے کہ ہر آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا سوال کرنے کے پیشِ نظر جو مقصد کارفرما تھا اس کو واضح کیا گیا ہے۔

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات

آیاتِ استفہام اور فہمِ عبادات

عبادت کے معنی "اطاعت، خشوع و خضوع اور بندگی" کے ہیں۔ عبد جو کہ غلام اور بندے کو کہا جاتا ہے عبادت کوئی ثانوی چیز نہیں ہے جو زندگی میں کہیں ضمناً آجاتی ہو۔

عقائد کے بعد سب سے زیادہ اہمیت تمام مذاہب میں عبادت کو دی گئی ہے۔ درحقیقت یہ دونوں ایک دوسرے کے ایسے لازم وملزوم ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ہے۔ عقیدہ درخت ہے تو عبادت اس کا پھل ہے۔ اور درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ دین کے مختلف شعبوں کی طرح اس نے عبادت کے مفہوم اور اس کے طُرق کے متعلق بھی ایک ایسا واضح اور جامع ہدایت نامہ پیش کیا جو ہر اعتبار سے بے مثال ہے۔ چنانچہ اگر دنیا کے کل بانیانِ مذاہب اور داعیوں کے تعلیم و عمل کا مطالعہ اس پہلو سے کیا جائے کہ عبادت کے معنی پر کوئی تسلی بخش روشنی پڑ سکے۔ اور اس کے بہترین طریقوں کا علم حاصل ہو سکے تو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی وہ واحد ذات ہے جو واضح حقیقت کی طرف راہ نمائی کر سکے۔ اسلامی عبادات کا اولین طرہ امتیاز یہ ہے کہ اللہ وحدہ کی اور اللہ وحدہ کے لیے ہوتی ہے، جس میں کسی دوسرے کو کسی بھی اعتبار سے شریک نہیں کیا جاسکتا ہے ۔اس میں نہ تو پیغمبر کا کوئی حصہ ہے، نہ ان کے گھر والوں کا اور نہ فرشتوں کا اور نہ ولیوں اور شہیدوں کا ،اسلام کا یہ فیصلہ اٹل ہے کہ خدا کے علاوہ زمین پر اور نہ آسمانوں میں کوئی شے یا کوئی ہستی ایسی ہے جو لائقِ پرستش ہو، جس کے سامنے انسان اپنی گردن جھکا سکے اور جس کی بارگاہ میں اپنی روح اور اپنے ضمیر کی انتہائی گہرائیوں سے نکال کر بندگی اور عبودیت کا نذرانہ پیش کر سکے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

"قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔"[48]

"بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اسی ایک اللہ کے لیے ہے جو کل جہانوں کا پروردگار ہے۔"

---

[48] القرآن،۶:۱۶۲۔

"إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا" . [49]

"زمین و آسمان میں جو کوئی بھی ہے وہ ضرور ایک دن اسی مہربان خدا کے سامنے غلام بن کر آنے والا ہے۔"

اللہ پاک ان آیات میں حکم دے رہے ہیں کہ اے نبی! کہہ دیجیے کہ میری زندگی کا ہر عمل صرف اور صرف اللہ کی ذات اقدس کے لئے خاص ہے، میری ہر عبادت میرے معبود اللہ وحدہ کے لئے ہے، اس میں کوئی بھی شریک نہیں ہے اور وہی تمام کائنات کا مالک ہے، ہر جاندار کا وہی بنانے والا ہے اور ہماری زندگی کا مقصد بھی صرف اس کی عبادت کرنا ہے۔ عبادت کے ذریعے اس کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنا ہے۔ اور ہماری اولین ترجیحات میں ہونے سے ہم اس کے فرمانبردار اور کامیاب لوگوں میں شامل ہو سکیں۔

"عبادت کی اصل مقصد بندہ کا خالق کے سامنے بندگی و بے چارگی کا اظہار، اس رحمن ورحیم کی یاد، اس کے بے انتہا احسانوں کا شکریہ ادا کرنا، اس کی حمد و ثنا اور اس کی بڑائی اور یکتائی کا اقرار کرنا ہے۔ اور یہ اس لیے نہیں کہ اس میں خالق مطلق کا کوئی فائدہ ہے، یا اس سے اس کی عظمت و کبریائی میں اضافہ ہوتا ہے ،(مفہومِ حدیث کے مطابق کہ "اگر کل جہان کے لوگ اعلیٰ درجہ کے پرہیز گار اور عبادت گزار ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی بڑائی میں ذرہ برابر زیادتی نہ ہو گی اور اگر سب لوگ بدترین درجہ کے نافرمان اور فاسق و فاجر ہو جائیں تو اس کی عظمت اور بزرگی میں ذرہ برابر کمی نہ ہو گی) بلکہ اس وجہ سے کہ اس میں انسان ہی کا خاص الخاص فائدہ اور اس کی تخلیق کی تکمیل اور تقاضا ہے، کیوں کہ دل و دماغ اور نفس و روح میں پاکیزگی و صفائی پیدا کرنے اور بندہ کو خدا سے قریب لانے اور اس کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنانے کا عبادت کے سوا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے"۔[50]

"عبادت کے صحیح طریقوں کے متعلق انسان وحی الٰہی کا محتاج ہے۔ وہ اپنے عقل و حواس سے بطور خود اس کا تعین نہیں کر سکتا کہ وہ کون سے رسوم و اعمال ہیں جو تقرب الی اللہ اور تزکیہ روح کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

---

[49] القرآن،۱۹:۹۳۔

[50] اسماء فضل علی، تعمیر شخصیت میں عبادت کا کردار، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء، ص۲۰۔

اسلام سے پہلے یہ خیال عام تھا کہ خدا کو خوش کرنے کے لیے بندہ کو چاہیے کہ وہ دنیا سے روٹھ جائے ،علائق ترک کر دے اور کسی غار یا جنگل میں جا کے بیٹھ جائے ،دین داری کا کمال اس میں سمجھا جاتا تھا کہ انسان اپنے اوپر زیادہ سے زیادہ تکلیف ڈالے ،روح کی نشو ونما کا بس یہی ایک مجرب نسخہ تھا،یعنی جسم کو آزار دینا،اسی لیے لوگ اپنے جسم کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے ،کوئی کھانے پینے کی مرغوب چیزیں اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا،کوئی اپنا ہاتھ خشک کر لیتا تھا،کوئی منوں لوہا اپنے اوپر لاد لیتا تھا،کوئی لیٹنے اور سونے سے قطعاً پرہیز کرتا تھا،کوئی ننگے بدن صحراؤں میں مارا مارا پھرتا تھا،کوئی وحشی درندوں کے غار ،خشک کنوئیں یا قبرستان کو اپنا مسکن بنالیتا تھا،کسی نے مجرد رہنے کی قسم کھا رکھی تھی،زاہد اپنے بیوی بچوں سے دغا کر کے اور ان کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر ویرانوں میں حق کی روشنی تلاش کیا کرتے تھے ،اسلام نے ان غلو آمیز تصورات کی اصلاح کی۔اس نے بتایا کہ جسم روح کا دشمن نہیں ہے۔اور یہی نہیں ،بلکہ ان دونوں کا وجود باہم ہی زندگی کی قدرتی اساس ہے،دین کا کام سختی نہیں، آسانی پیدا کرنا ہے،وہ بندہ کے لیے اس حد تک ہے جو اس کی استطاعت کے اندر رہے۔"[51]

قرآن مجید میں بہت سی آیات استفہام عبادت کے ضمن میں وارد ہوئیں ذیل میں ان آیات کی وضاحت کی جارہی ہے۔

(۱)سورۃ البقرۃ میں ارشاد ربانی ہے:

"اَلَم تَرَ اِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُم كُفُّوا اَيدِيَكُم وَاَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰ تُوا الزَّكٰوةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيهِمُ القِتَالُ اِذَا فَرِيقٌ مِّنهُم يَخشَونَ النَّاسَ كَخَشيَةِ اللهِ اَو اَشَدَّ خَشيَةً وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبتَ عَلَينَا القِتَالَ لَولَا اَخَّرتَنَا اِلَى اَجَلٍ قَرِيبٍ قُل مَتَاعُ الدُّنيَا قَلِيلٌ وَالاٰخِرَةُ خَيرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظلَمُونَ فَتِيلًا"۔[52]

"تم نے اُن لوگوں کو بھی دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا حال یہ ہے کہ

[51] اسماء فضل، تعمیر شخصیت میں عبادت کا کردار، ص۲۰۔

[52] القرآن،۴:۷۷

لوگوں سے ایسا ڈر رہے ہیں جیسا خدا سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں خدایا! یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں ابھی کچھ اور مُہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے، اور آخرت ایک خدا ترس انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے، اور تم پر ظلم ایک شمّہ برابر بھی نہ کیا جائے گا"۔

اس آیت میں وضاحت کی جا رہی ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کو بہت ستایا کرتے تھے تو مسلمان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کرتے اور اجازت لیا کرتے کہ ہم کفار کا مقابلہ کریں اور ان سے ظلم کا بدلہ لیں۔ مگر نبی ﷺ مسلمانوں کو منع فرماتے تھے کہ لڑائی نہ کرو کیونکہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تم اپنی عبادت کرتے رہو، نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، مسلمانوں نے اس بات کو قبول کر لیا مگر پھر ہجرت کے بعد جہاد کا خم حکم دیا گیا تو کمزور ایمان والے اور منافق لوگ کافروں سے مقاتلہ کرنے سے ڈرنے لگے اور آرزو کرنے لگے کہ کاش ابھی تھوڑی مدت تک اور جہاد کا حکم نہ آتا ہم زندہ رہتے، تب اللہ نے فرمایا کہ یہ زندگی تو عارضی ہے اور اس کا فائدہ بھی کم ہے، اصل زندگی تو آخرت کی ہے، جو کہ اس سے بہت بہتر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی یوں رقمطراز ہیں:

اس آیت کے تین مفہوم ہیں اور تینوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں:۔

"ایک مفہوم یہ ہے کہ پہلے یہ لوگ خود جنگ کے لیے بے تاب تھے۔ بار بار کہتے تھے کہ صاحب ہم پر ظلم کیا جا رہا ہے، ہمیں ستایا جاتا ہے، مارا جاتا ہے، گالیاں دی جاتی ہیں، آخر ہم کب تک صبر کریں، ہمیں مقابلہ کی اجازت دی جائے۔ اس وقت ان سے کہا جاتا تھا کہ صبر کرو اور نماز و زکوٰۃ بھی اپنے نفس کی اصلاح کرتے رہو، تو یہ صبر و برداشت کا حکم ان پر شاق گزرتا تھا۔ مگر اب جو لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو انہی تقاضا کرنے والوں میں سے ایک گروہ دشمنوں کا ہجوم اور جنگ کے خطرات دیکھ کر سہا جا رہا ہے۔"

"دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تک مطالبہ نماز اور زکوٰۃ اور ایسے ہی بے خطر کاموں کا تھا اور جانیں لڑانے کا کوئی سوال درمیان میں نہ آیا تھا یہ لوگ پکے دیندار تھے۔ مگر اب جو حق کی خاطر جان جوکھوں کا کام شروع ہوا تو ان پر لرزہ طاری ہونے لگا۔"

"تیسرا مفہوم یہ ہے کہ پہلے تو لوٹ کھسوٹ اور نفسانی لڑائیوں کے لیے ان کی تلوار ہر وقت نیام سے نکلی

پڑتی تھی اور رات دن کا مشغلہ ہی جنگ و پیکار تھا۔ اس وقت انہیں خونریزی سے ہاتھ روکنے اور نماز وزکوٰۃ سے نفس کی اصلاح کرنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اب جو خدا کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیا گیا تو وہ لوگ جو نفس کی خاطر لڑنے میں شیر دل تھے، خدا کی خاطر لڑنے میں بزدل بنے جاتے ہیں۔ وہ دست شمشیر زن جو نفس اور شیطان کی راہ میں بڑی تیزی دکھاتا تھا اب خدا کی راہ میں شل ہوا جاتا ہے۔"

یہ تینوں مفہوم مختلف قسم کے لوگوں پر چسپاں ہوتے ہیں اور آیت کے الفاظ جامع ہیں کہ تینوں پر یکساں دلالت کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ انذار کے لئے مسلمانوں سے سوال فرمارہے ہیں کہ اللہ کے حکم کے مطابق عمل کروگے تو کامیاب ہوگے ورنہ روز قیامت رسوا کن عذاب تم کو دیا جائے گا۔[53]

اس آیت میں اللہ پاک بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ تمہاری خواہش کے مطابق جب تمہیں قتال کا حکم دیا گیا تو تم منہ موڑنے لگے اور اس عارضی زندگی کی خواہش کرنے لگے تو یہ تمہارے کمزور ایمان کی نشانی ہے کیونکہ آخرت بہتر ہے اور وہیں پر انسان کو ہمیشہ جا رہنا ہے۔

(۲) سورۃ الاعراف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" وَ اِذۡ اَخَذَ رَبُّکَ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اٰدَمَ مِنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ وَ اَشۡہَدَہُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی ۚۛ شَہِدۡنَا ۚۛ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اِنَّا کُنَّا عَنۡ ہٰذَا غٰفِلِیۡنَ"۔ [54]

"اور اے نبی، لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جبکہ تمہارے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا "کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" انہوں نے کہا "ضرور آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ دو کہ "ہم اس بات سے بے خبر تھے۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے اطاعت و بندگی کا عہد لیا تھا۔ اب تمام انسانوں کی طرف خطاب کر کے انہیں بتایا جارہا ہے کہ تم سب اپنے خالق کے ساتھ ایک میثاق میں بندھے ہوئے ہو اور تمہیں ایک روز

---

[53] مودودی، تفہیم القرآن، ۱/ ۳۷۳، ۳۷۴

[54] القرآن، ۷: ۱۷۲

اس کی تخلیق کی جواب دہی کرنی ہے کہ تم نے اس میثاق کی کہاں تک پاسداری کی۔ جیسا کہ متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معاملہ تخلیق آدم کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اس وقت جس طرح فرشتوں کو جمع کر کے انسان اول کو سجدہ کرایا گیا تھا اور زمین پر انسان کی خلافت کا اعلان کیا گیا تھا، اسی طرح پوری نسل آدم کو بھی، جو قیامت تک پیدا ہونے والی تھی، اللہ تعالیٰ نے بیک وقت وجود اور شعور بخش کر اپنے سامنے حاضر کیا تھا اور ان سے اپنی ربوبیت کی شہادت لی تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت اُبَیّ بن کعب نے غالباً نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے استفادہ کر کے جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس مضمون کی بہترین شرح ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

قَالَ : جَمَعَهُمْ فَجَعَلَهُمْ أَرْوَاحًا، ثُمَّ صَوَّرَهُمْ فَاسْتَنْطَقَهُمْ فَتَكَلَّمُوا، ثُمَّ أَخَذَ عَلَيْهِمُ الْعَهْدَ وَالْمِيثَاقَ، وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ : أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؟ قَالَ : فَإِنِّي أُشْهِدُ عَلَيْكُمُ السَّمَاوَاتِ السَّبْعَ، وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ، وَأُشْهِدُ عَلَيْكُمْ أَبَاكُمْ آدَمَ، أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ : لَمْ نَعْلَمْ بِهَذَا، اعْلَمُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ غَيْرِي، وَلَا رَبَّ غَيْرِي، فَلَا تُشْرِكُوا بِي شَيْئًا، إِنِّي سَأُرْسِلُ إِلَيْكُمْ رُسُلِي يُذَكِّرُونَكُمْ عَهْدِي وَمِيثَاقِي، وَأُنْزِلُ عَلَيْكُمْ كُتُبِي۔ قَالُوا : شَهِدْنَا بِأَنَّكَ رَبُّنَا وَإِلَهُنَا، لَا رَبَّ لَنَا غَيْرُكَ، وَلَا إِلَهَ لَنَا غَيْرُكَ۔ فَأَقَرُّوا بِذَلِكَ۔ وَرُفِعَ عَلَيْهِمْ آدَمُ يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ، فَرَأَى الْغَنِيَّ وَالْفَقِيرَ، وَحَسَنَ الصُّورَةِ وَدُونَ ذَلِكَ، فَقَالَ : رَبِّ، لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ۔ قَالَ : إِنِّي أَحْبَبْتُ أَنْ أُشْكَرَ۔ وَرَأَى الْأَنْبِيَاءَ فِيهِمْ مِثْلَ السُّرُجِ، عَلَيْهِمُ النُّورُ، خُصُّوا بِمِيثَاقٍ آخَرَ فِي الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ، وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى : { وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ }۔ إِلَى قَوْلِهِ : { عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ }۔ كَانَ فِي تِلْكَ الْأَرْوَاحِ فَأَرْسَلَهُ إِلَى مَرْيَمَ۔ فَحَدَّثَ عَنْ أُبَيٍّ أَنَّهُ دَخَلَ مِنْ فِيهَا۔ [55]

[55] الشیبانی، المسند، حدیث نمبر ۲۱۲۳۲۔

" اللہ تعالیٰ نے سب کو جمع کیا اور (ایک ایک قسم یا ایک ایک دور کے) لوگوں کو الگ الگ گروہوں کی شکل میں مرتب کرکے انہیں انسانی صورت اور گویائی کی طاقت عطا کی، پھر ان سے عہد و میثاق لیا اور انہیں آپ اپنے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے عرض کیا ضرور آپ ہمارے رب ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تم پر زمین و آسمان سب کو اور خود تمہارے باپ آدم کو گواہ ٹھہراتا ہوں تاکہ تم قیامت کے روز یہ نہ کہہ سکو کہ ہم کو اس کا علم نہ تھا۔ خوب جان لو کہ میرے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور میرے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ میں تمہارے پاس اپنے پیغمبر بھیجوں گا جو تم کو یہ عہد و میثاق جو تم میرے ساتھ باندھ رہے ہو، یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں بھی نازل کروں گا۔ اس پر سب انسانوں نے کہا کہ ہم گواہ ہوئے، آپ ہی ہمارے رب اور آپ ہی ہمارے معبود ہیں، آپ کے سوا نہ کوئی ہمارا رب ہے نہ کوئی معبود"۔

اس معاملہ کو بعض لوگ محض تمثیلی انداز بیان پر محمول کرتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ دراصل یہاں قرآن مجید صرف یہ بات ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ اللہ کی ربوبیت کا اقرار انسانی فطرت میں پیوست ہے، اور اس بات کو یہاں ایسے انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ گویا یہ ایک واقعہ تھا جو عالم خارجی میں پیش آیا۔ لیکن ہم اس تاویل کو صحیح نہیں سمجھتے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں کہ:

قرآن اور حدیث دونوں میں اس ایک واقعہ کو بیان گیا گیا ہے اور صرف بیان واقعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے روز بنی آدم پر حجت قائم کرتے ہوئے اس ازلی عہد و اقرار کو سند میں پیش کیا جائے گا۔ ہمارے نزدیک یہ واقعہ بالکل اسی طرح پیش آیا تھا جس طرح عالم خارجی میں واقعات پیش آیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی الواقع ان تمام انسانوں کو جنہیں وہ قیامت تک پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، بیک وقت زندگی اور شعور اور گویائی عطا کرکے اپنے سامنے حاضر کیا تھا، اور فی الواقع انہیں اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا کوئی رب اور کوئی الٰہ اس کی ذات اقدس و اعلیٰ کے سوا نہیں ہے، اور ان کے لیے کوئی صحیح طریق زندگی اس کی بندگی و فرماں برداری (اسلام) کے سوا نہیں

ہے۔ پھر یہ بات نہایت معقول معلوم ہوتی ہے کہ انسان جیسی صاحب عقل و شعور اور صاحب تصرف و اختیارات مخلوق کو زمین پر بحیثیت خلیفہ مامور کرتے وقت اللہ تعالیٰ اسے حقیقت سے آگاہی بخشے اور اس سے اپنی وفاداری کا اقرار (Oath of allegiance) لے۔ اس معاملہ کا پیش آنا قابل تعجب نہیں، البتہ اگر یہ پیش نہ آتا تو ضرور قابل تعجب ہوتا۔"[56]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بطور انذار کے استفہام فرماتے ہیں کہ وہ میں نے جو تم سے وعدہ لیا تھا اپنی ربوبیت کے بارے میں تو ہر انسان عند اللہ مسئول ہو گا اور قرآن میں یاد دہانی کے طور پر ہی اس وعدے کے اقرار کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ قیامت کے دن کوئی انسان اس کا انکار نہ کر سکے۔

(۳) سورۃ مریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

"رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا فَاعۡبُدۡہُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِہٖ ہَلۡ تَعۡلَمُ لَہٗ سَمِیًّا"[57]

"وہ ربّ ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور اُن ساری چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں۔ پس تم اُس کی بندگی کرو اور اُسی کی بندگی پر ثابت قدم رہو۔ کیا ہے کوئی ہستی تمہارے علم میں اُس کی ہم پایہ؟"

اس آیت کی تفسیر میں آپ ﷺ کو صبر اور انتظار کی تلقین کی جارہی ہے کہ آپ کا معاملہ ایسی ذات سے ہے جو تمام آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ ان کے درمیان وہ سب کا سب اسی کا ہے۔ رب کی بندگی کیجئے اور اس کی بندگی پر استقلال و پامردی سے جمے رہیں اور یہاں یہ لفظ عبادت اطاعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صبر کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں ہر مشکل آسان ہو جائے گی اور اللہ بہت بلند ذات ہے، اس کا کوئی ہم پلہ نہیں ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر بیان کرتے ہیں کہ:

"اس کی بندگی کے راستے پر مضبوطی کے ساتھ چلو اور اس راہ میں جو مشکلات اور مصائب بھی پیش آئیں

---

[56] مودودی، تفہیم القرآن، ۲/ ۹۵،۹۶

[57] القرآن، ۱۹:۶۵۔

ان کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر اس کی طرف سے یاد فرمائی اور مدد اور تسلی میں کبھی دیر لگ جایا کرے تو اس پر گھبراؤ نہیں۔ ایک مطیع فرمان بندے کی طرح ہر حال میں اس کی مشیت پر راضی رہو اور پورے عزم کے ساتھ وہ خدمت انجام دیے چلے جاؤ جو ایک بندے اور رسول کی حیثیت سے تمہارے سپرد کی گئی ہے۔ اصل میں لفظ سمی استعمال ہوا ہے جس کے لغوی معنی "ہم نام" کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اللہ تو الٰہ ہے۔ کیا کوئی دوسرا الٰہ بھی تمہارے علم میں ہے؟ اگر نہیں ہے اور تم جانتے ہو کہ نہیں ہے تو پھر تمہارے لیئے اس کے سوا اور راستہ ہی کونسا ہے کہ اس کی بندگی کرو اور اس کے حکم کے بندے بن کر رہو۔"[58]

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اور جو کچھ بھی اس میں موجود ہے ہر چیز کا ہی رب ہے تو کیا کوئی اس کے برابر ہو سکتا ہے اللہ پاک معلومات کو یقینی بنانے کے لئے سوال فرمارہے ہیں۔ کیا کوئی اس کا ہمسر ہو سکتا ہے، اس کی برابری کر سکتا ہے؟ کیونکہ وہ اکیلا ہی ہر چیز کا بنانے والا ہے، اس کی خدائی میں کوئی نہین ہے وہی الہ ہے اور وہی معبود ہے اور اس کے راستے کے سوا کوئی بھی ہدایت کا راستہ نہیں ہے۔

(۴) سورۃ طٰہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَمَا أَعۡجَلَكَ عَن قَوۡمِكَ يَٰمُوسَىٰ "[59]

"اور کیا چیز تمہیں اپنی قوم سے پہلے لے آئی موسیٰؑ؟"

"قَالَ هُمۡ أُوْلَآءِ عَلَىٰٓ أَثَرِي وَعَجِلۡتُ إِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضَىٰ "[60]

"اُس نے عرض کیا" وہ بس میرے پیچھے آ ہی رہے ہیں میں جلدی کر کے تیرے حضور آ گیا ہوں اے میرے رب، تا کہ تو مجھ سے خوش ہو جائے"

"قَالَ فَإِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۢ بَعۡدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ٱلسَّامِرِيُّ "[61]

---

[58] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/۷۶،۷۷

[59] القرآن، ۲۰:۸۳

[60] القرآن، ۱۹:۸۴

[61] القرآن، ۱۹:۸۵

" فرمایا" اچھا، تو سُنو، ہم نے تمہارے پیچھے تمہاری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا اور سامری نے اُنہیں گمراہ کر ڈالا۔"

"اَفَلَا یَرَوۡنَ اَلَّا یَرۡجِعُ اِلَیۡہِمۡ قَوۡلًا ۬ۙ وَّ لَا یَمۡلِکُ لَہُمۡ ضَرًّا وَّ لَا نَفۡعًا "[62]

"کیا وہ نہ دیکھتے تھے کہ نہ وہ اُن کی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ ان کے نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتا ہے؟"۔

بنی اسرائیل سے کیے گئے وعدہ کا ذکر بیان کیا گیا تھا کہ جو ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ تم طور کے دائیں جانب ٹھہرو، اور چالیس دن کی مدت گزرنے پر تمہیں ہدایت نامہ عطا کیا جائے گا۔ اس فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کو راستے ہی میں چھوڑ کر حضرت موسیٰ اپنے رب کی ملاقات کے شوق میں آگے چلے گئے تھے۔ طور کی جانب ایمن میں، جہاں کا وعدہ بنی اسرائیل سے کیا گیا تھا، ابھی قافلہ پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت موسیٰ اکیلے روانہ ہو گئے اور حاضری دے دی۔ حضرت موسیٰ کا دیدار الٰہی کی استدعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ تو مجھے نہیں دیکھ سکتا، پھر اللہ کا ایک پہاڑ پر ذرا سی تجلّی فرما کر اسے ریزہ ریزہ کر دینا اور حضرت موسیٰ کا بیہوش ہو کر گر پڑنا، اس کے بعد پتھر کی تختیوں پر لکھے ہوئے احکام عطا ہونا، یہ سب اسی وقت کے واقعات ہیں۔ یہاں ان واقعات کا صرف وہ حصہ بیان کیا جا رہا ہے جو بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی سے متعلق ہے۔

کفار مکہ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایک قوم میں بت پرستی کا آغاز کس طرح ہوا کرتا ہے اور اللہ کے نبی اس فتنے کو اپنی قوم میں سر اٹھاتے دیکھ کر کیسے بے تاب ہو جایا کرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے:

سامری وہ شخص تھا جس نے بنی اسرائیل میں سنہری بچھڑے کی پرستش پھیلائی۔ اس سے زیادہ کوئی تشریح قرآن کے اس مقام کی تفسیر کے لیے فی الحقیقت درکار نہیں ہے۔ لیکن یہ مقام ان اہم مقامات میں سے ہے جہاں عیسائی مشنریوں، اور خصوصاً مغربی مستشرقین نے قرآن پر حرف گیر کی حد کر دی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ، معاذ اللہ، قرآن کے مصنف کی جہالت کا صریح ثبوت ہے، اس لیے کہ دولت

---

[62] القرآن،۱۹:۸۹

اسرائیل کا دارالسلطنت "سامریہ" اس واقعہ کے کئی صدی بعد ۹۲۵ ق م کے قریب زمانے میں تعمیر ہوا، پھر اس کے بھی کئی صدی بعد اسرائیلیوں اور غیر اسرائیلیوں کی وہ مخلوط نسل پیدا ہوئی جس نے "سامریوں" کے نام سے شہرت پائی۔ ان کا خیال یہ ہے کہ ان سامریوں میں چونکہ دوسری مشرکانہ بدعات کے ساتھ ساتھ سنہری بچھڑے کی پرستش کا رواج بھی تھا، اور یہودیوں کے ذریعہ سے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس بات کی سن گن پالی ہو گی، اس لئے انہوں نے لے جا کر اس کا تعلق حضرت موسیٰ کے عہد سے جوڑ دیا اور یہ قصہ تصنیف کر ڈالا کہ وہاں سنہری بچھڑے کی پرستش رائج کرنے والا ایک سامری شخص تھا۔[63]

بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود بنالیا اللہ پاک فرمارہے ہی کہ کیا تم دیکھتے نہیں کی یہ مٹی کا بنا ہوا جانور تمہیں نفع اور نقصان دینے کا اختیار کیسے رکھ سکتا ہے؟ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے باطل کا رد اور شرک کی تردید فرماتے ہوئے سوال فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا واقعہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کفار مکہ بتوں کو مانتے تھے، ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے تھے، ان کو آگاہ کیا جارہا ہے کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل کے لوگوں نے بھی یہی حرکت کی تھی تو ان کے واقعے سے نصیحت حاصل کرو اور یہ بے جان چیزیں تمہیں کوئی بھی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتیں تو تم کیوں غفلت میں پڑے ہوئے ہو اور اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔

(۵) سورہ الانبیاء میں ارشادِ الٰہی ہے:

"أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ"[64]

"تف ہے تم پر اور تمہارے اِن معبودوں پر جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر پوجا کر رہے ہو کیا تم کچھ بھی عقل نہیں رکھتے؟"۔

اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت ابراہیم نے بت شکنی کے اس فعل کو بڑے بت کی طرف جو منسوب کیا ہے اس سے ان کا مقصد

---

[63] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۱۱۲ تا ۱۱۴

[64] القرآن، ۲۱:۶۷

جھوٹ بولنا نہ تھا، بلکہ وہ اپنے مخالفین پر حجت قائم کرنا چاہتے تھے۔ یہ بات انہوں نے اس لیے کہی تھی کہ وہ لوگ جواب میں خود اس کا اقرار کریں کہ انکے یہ معبود بالکل بے بس ہیں اور ان سے کسی فعل کی توقع تک نہیں کی جاسکتی۔ بد قسمتی سے حدیث کی ایک روایت میں یہ بات آگئی ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی زندگی میں تین مرتبہ جھوٹ بولے ہیں۔ ان میں سے ایک "جھوٹ" تو یہ ہے، اور دوسرا "جھوٹ" سورۃ صافات میں حضرت ابراہیم کا قول اِنِّی سَقِیْمٌ ہے، اور تیسرا "جھوٹ" ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں بلکہ بائیبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری و مسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے دوسرا گروہ اس ایک روایت کو لے کر پورے ذخیرہ حدیث پر حملہ آور ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ساری ہی حدیثوں کو اٹھا کر پھینک دو کیونکہ ان میں ایسی ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ نہ ایک یا چند روایات میں کسی خرابی کے پائے جانے سے یہ لازم آتا ہے کہ ساری ہی روایات ناقابل اعتماد ہوں اور نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو مگر اسے ضرور آنکھیں بند کرکے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں۔ اس لیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے، اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر خواہ مخواہ اس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔[65]

جب یہ واقعہ ہو چکا تو ان کا بڑا معبود جو بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا کیسے بول سکتا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ افسوس ہے تم پر کہ تم ایک معبود کو چھوڑ کر ایسے معبودانِ باطلہ کی عبادت کرتے ہو اور واضح آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہ بت اپنے نفع و نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے نہ ہی اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں۔ یہاں انسان کو حقیقت سے آشنا کرانے کے لئے سوال کیا جا رہا ہے کہ تم عقل رکھتے تو اللہ کے

---

[65] مودودی، تفہیم القران، ۳/۱۹۵، ۱۹۶

سوا کسی کو معبود نہ بناتے۔ جو چیزیں اپنا دفاع کرنے سے قاصر ہیں، جو اپنی مرضی سے حرکت بھی نہیں کر سکتیں تو کیونکر ممکن ہے کہ وہ لوگوں کی حاجات کو پورا کریں گی، صاحبِ عقل انسان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، یہ لوگ واضح گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(٦)سورہ الحج میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَلَم تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسجُدُ لَہٗ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَمَن فِی الاَرضِ وَالشَّمسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَ الجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ کَثِیرٌ مِّنَ النَّاسِ وَ کَثِیرٌ حَقَّ عَلَیہِ العَذَابُ وَمَن یُّھِنِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِن مُّکرِمٍ اِنَّ اللّٰہَ یَفعَلُ مَا یَشَآءُ "[66]

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ کے آگے سر بسجُود ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں؟ سُورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور جانور اور بہت سے انسان اور بہت سے وہ لوگ بھی جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور جسے اللہ ذلیل وخوار کردے اُسے پھر کوئی عزّت دینے والا نہیں ہے، اللہ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔"

اس آیت میں صاحب تفسیر یوں بیان کرتے ہیں:

" فرشتے، اَجرامِ فلکی، اور وہ سب مخلوقات جو زمین کے ماوراء دوسرے جہانوں میں ہیں، خواہ وہ انسان کی طرح ذی عقل و ذی اختیار ہوں، یا حیوانات، نباتات، جمادات اور ہوا اور روشنی کی طرح بے عقل و بے اختیار۔ یعنی وہ جو محض مجبوراً ہی نہیں بلکہ بالارادہ اور بطوع ورغبت بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ ان کے مقابلے میں دوسرا انسانی گروہ جس کا بعد کے فقرے میں ذکر آرہا ہے، وہ ہے جو اپنے ارادے سے خدا کے آگے جھکنے سے انکار کرتا ہے، مگر دوسری بے اختیار مخلوقات کی طرح وہ بھی قانون فطرت کی گرفت سے آزاد نہیں ہے اور سب کے ساتھ مجبوراً سجدہ کرنے والوں میں شامل ہے۔ اس کے مستحق عذاب ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے دائرہ اختیار میں بغاوت کی روش اختیار کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ان مختلف گروہوں کے جھگڑے کا فیصلہ تو قیامت ہی کے روز چکایا جائے گا۔ لیکن کوئی آنکھیں رکھتا ہو تو وہ آج بھی دیکھ سکتا ہے کہ حق پر کون ہے اور آخری فیصلہ کس کے حق میں ہونا چاہیے۔ پوری

[66] القرآن، ۲۲:۱۸

کائنات کا نظام اس بات پر شاہد ہے کہ زمین سے آسمانوں تک ایک ہی خدا کی خدائی پورے زور اور پوری ہمہ گیری کے ساتھ چل رہی ہے۔ زمین کے ایک ذرے سے لے کر آسمان کے بڑے بڑے سیاروں تک سب ایک قانون میں جکڑے ہوئے ہیں جس سے بال برابر بھی جنبش کرنے کا کسی کو یارا نہیں ہے"۔[67]

"مومن تو خیر دل سے اس کے آگے سر جھکاتا ہے، مگر وہ دہریہ جو اس کے وجود تک کا انکار کر رہا ہے اور وہ مشرک جو ایک ایک بے اختیار ہستی کے آگے جھک رہا وہ بھی اس کی اطاعت پر اسی طرح مجبور ہے جس طرح ہوا اور پانی۔ کسی فرشتے، کسی جن، کسی نبی اور ولی، اور کسی دیوی یا دیوتا کے پاس خدائی کی صفت اور اختیارات کا ادنیٰ شائبہ تک نہیں ہے کہ اس کو الوہیت اور معبودیت کا مقام دیا جاسکے، یا خداوند عالم کا ہم جنس یا مثیل ٹھہرایا جاسکے۔ کائنات کی یہ کھلی کتاب سامنے ہوتے ہوئے بھی جو شخص انبیاء کی بات نہیں مانتا اور مختلف خود ساختہ عقیدے اختیار کر کے خدا کے بارے میں جھگڑتا ہے اس کا بر سر باطل ہونا آج بھی اسی طرح ثابت ہے جس طرح قیامت کے روز ثابت ہو گا۔ جو شخص کھلے اور روشن حقائق کو آنکھیں کھول کر نہ دیکھے، اور سمجھانے والے کی بات بھی سن کر نہ دے وہ خود ہی ذلت و خواری کو اپنے اوپر دعوت دیتا ہے، اور اللہ وہی چیز اس کے نصیب میں لکھ دیتا ہے جو اس نے خود مانگی ہے۔ پھر جب اللہ ہی نے اس کو پیروی حق کی عزت نہ دی تو اب کون ہے جو اس کو اس عزت سے سرفراز کرے۔"[68]

اللہ تعالیٰ لوگوں سے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا تمہارے سامنے موجود چیزیں جو اللہ ہی کو سجدہ کرتیں ہیں تم ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر بھی حق کا انکار کرتے ہو بطور تعجب کے اللہ کی ذات سوال فرمارہی ہے۔ حقائق کو کھول کر دیکھو اپنی عقل کا استعمال کر کے حق کو پہچان لو اسی میں تمہاری بھلائی پوشیدہ ہے۔ دنیا میں جو بھی مظاہر قدرت اشیاء ہیں وہ سب کی سب ایک ایسی ہستی کی بنائی ہوئی ہیں جو لافانی ہے وہ تمام اشیاء ایک تسلسل کے ساتھ اپنے اپنے مدار میں گردش کرتی ہیں اور ازل سے ابد تک یہ تسلسل اسی طرح برقرار رہے گا، اگر ہم یہ کہیں کہ یہ سب کچھ اپنی مرضی سے ہو رہا ہے تو یہ کہنا بالکل غلط ہو گا۔

(۶)سورہ الانشراح میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[67] مودودی، تفہیم القران، ۳/ ۲۱۲، ۲۱۳۔

[68] ایضاً۔

"اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ"[69]

"(اے نبیؐ) کیا ہم نے تمہارا سینہ تمہارے لیے کھول نہیں دیا؟"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اس سوال سے کلام کا آغاز، اور پھر بعد کا مضمون یہ ظاہر کرتا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس زمانے میں ان شدید مشکلات پر سخت پریشان تھے جو دعوت اسلامی کا کام شروع کرنے کے بعد ابتدائی دور میں آپ کو پیش آ رہی تھیں۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کر کے تسلی دیتے ہوئے فرمایا اے نبی، کیا ہم نے یہ اور یہ عنایات تم پر نہیں کی ہیں؟ پھر ان ابتدائی مشکلات پر تم پریشان کیوں ہوتے ہو؟۔

سینہ کھولنے کا لفظ قرآن مجید میں جن مواقع پر آیا ہے ان پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دو معنی ہیں:

(۱) سورۃ انعام آیت ۱۲۵ میں فرمایا" فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِ " پس جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشنے کا ارادہ فرماتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے"۔ اور سورۃ زمر آیت ۲۲ میں فرمایا" أَفَمَن شَرَحَ اللَّهُ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِۦ "تو کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لیے کھول دیا ہو پھر وہ اپنے رب کی طرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہو۔"۔ ان دونوں مقامات پر شرح صدر سے مراد ہر قسم کے ذہنی خلجان اور تردد سے پاک ہو کر اس بات پر پوری طرح مطمئن ہو جانا ہے کہ اسلام کا راستہ ہی برحق ہے اور وہی عقائد، وہی اصول اخلاق و تہذیب و تمدن، اور وہی احکام و ہدایات بالکل صحیح ہیں جو اسلام نے انسان کو دیے ہیں۔

(۲) سورۃ شعراء آیت ۱۲۔۱۳ میں ذکر آیا ہے کہ حضرت موسیٰ کو جب اللہ تعالیٰ نبوت کے منصب عظیم پر مامور کر کے فرعون اور اس کی عظیم سلطنت سے جا ٹکرانے کا حکم دے رہا تھا تو انہوں نے عرض کیا" قَالَ رَبِّ إِنِّيٓ أَخَافُ أَن يُكَذِّبُونِ وَيَضِيقُ صَدۡرِي " میرے رب، میں ڈرتا ہو کہ وہ لوگ مجھے جھٹلا دیں گے اور میرا سینہ تنگ ہو رہا ہے"۔

[69] القرآن، ۹۴:۱

اور سورۃ طہ آیات ۲۵۔۲۶ میں بیان کیا گیا ہے کہ اسی موقع پر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ " رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي " "میرے رب میرا سینہ میرے لیے کھول دے اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے"۔

شرح صدر سے مراد یہ ہے کہ آدمی کا حوصلہ بلند ہو جائے، کسی بڑی سے بڑی مہم پر جانے اور کسی سخت سے سخت کام کو انجام دینے میں بھی اسے تامل نہ ہو، اور نبوت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالنے کی اس میں ہمت پیدا ہو جائے۔ غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سینہ کھول دینے سے یہ دونوں معنی مراد ہیں۔ پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مشرکین عرب، نصاریٰ، یہود، مجوس، سب کے مذہب کو غلط سمجھتے تھے، اور اس حنیفیت پر بھی مطمئن نہ تھے جو عرب کے بعض قائلین توحید میں پائی جاتی تھی، کیونکہ یہ ایک مبہم عقیدہ تھا جس میں راہ راست کی کوئی تفصیل نہ ملتی تھی۔ لیکن آپ کو چونکہ خود یہ معلوم نہ تھا کہ راہ راست کیا ہے، اس لیے آپ سخت ذہنی خلجان میں مبتلا تھے۔ نبوت عطا کر کے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خلجان سے دور کر دیا اور وہ راہ راست کھول کر آپ کے سامنے رکھ دی جس سے آپ کو کامل اطمینان قلب حاصل ہو گیا"۔

دوسرے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت عطا کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ حوصلہ، وہ ہمت، وہ اولوالعزمی اور وہ وسعت قلب عطا فرما دی جو اس منصب عظیم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے درکار تھی۔ آپ اس وسیع علم کے حامل ہو گئے جو آپ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سما نہ سکتا تھا۔ آپ کو وہ حکمت نصیب ہو گئی جو بڑے سے بڑے بگاڑ کو دور کرنے اور سنوار دینے کی اہلیت رکھتی تھی۔ یہ شرح صدر کی بیش بہا دولت جب اللہ نے آپ کو عطا کر دی ہے تو آپ ان مشکلات پر دل گرفتہ کیوں ہوتے ہیں جو آغاز کار کے اس مرحلے میں پیش آ رہی ہیں"۔

اس آیت میں اللہ بارک تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ اے نبی! آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے۔ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی علی نبی کریم صلی وسلم کی حوصلہ افزائی کے لئے سوال فرمارہے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کو دعوت اسلام کے آغاز میں جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا وہ بہت کٹھن تھیں، مشرکینِ مکہ

آپ کو اور آپ کے صحابہ کرم کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے، مسلمانوں کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا۔

خلاصہ بحث

اسلام میں عبادات انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اور اس طرح ہر انسان فطرتاً اپنے خالق کے وجود کے اقرار کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی فطری جذبے کو پروان چڑھانے اور اسی روحانی پہلو کو جلا بخشنے کے لیے عبادات مقرر کی گئی ہیں تاکہ انسان اپنی روحانی پیاس بجھا سکے۔ اسلام نے عبادات مقرر کرتے ہوئے انسانی زندگی کے حالات کو پیشِ نظر رکھا ہے اسی لیے راہبوں کی طرف دنیا سے الگ تھلگ ہو کر عبادت خانوں میں بند ہونے کی اجازت نہیں دی۔ ہر عبادت کی صورت اور طریقِ ادائیگی دوسرے سے مختلف ہے۔ اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی مرضی کے مطابق گزارنے کا نام عبادت ہے۔ انسان کے تمام اعمال خواہ وہ دنیوی مفادات کے حصول کے لیے ہی کیے جائیں عبادت بن جاتے ہیں بشرطیکہ ان سے رضائے الٰہی مقصود ہو۔ اس فصل میں عبادات سے متعلقہ آیاتِ استفہام بیان کی گئی ہیں اور جو ان میں پوشیدہ حکمت جس مقصد کے لئے سوال کیے گئے ہیں اس کی وضاحت کی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

عبادت تمام ظاہری اور باطنی اقوال اقوال و اعمال کو شامل ہے جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوتے ہیں عبادت ان تمام چیزوں سے بیزاری کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اللہ تعالیٰ کی پسند کے خلاف ہو اور عبادت کے معنی ہیں کہ اللہ کی رضا کے لئے انتہائی عاجزی اور خشوع کا اظہار کرنا، اللہ تعالیٰ سے محبت کی یہ نشانی ہیں ہیں کہ انسان وہی چیز پسند کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس چیز سے عداوت و نفرت رکھے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں، اس طرح انسان اللہ کے احکامات کی پیروی کرے گا اور جن چیزوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منع فرمایا ہے ان سے اجتناب کرے گا۔

اس فصل میں عبادات کے بارے میں آیات استفہام جو کہ عبادات کے ضمن میں وارد ہوئی ہیں ان کو تفسیر تفہیم القرآن کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۷۷، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۲، سورۃ مریم آیت نمبر ۶۵ سورۃ طہ آیت نمبر ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۹، سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۶۷، سورۃ الحج آیت نمبر ۱۸، سورۃ الانشراح آیت نمبر ۱۔

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہمِ معاملات

آیاتِ استفہام اور فہم معاملات

اسلامی معاشرے کا قیام اس لیے ضروری ہے تا کہ خیر کے فروغ اور شر کے خاتمے کو یقینی بنایا جاسکے لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے معاشرے کے ہر فرد کو اپنا اپنا کردار کرنا ہو گا۔ کیونکہ اسلام انسانیت کی فلاح و بہبود، بقاوارتقاء کے زریں اصولوں کا امین ہے اور حق کی پاسداری، معاشرے کے اعلیٰ اقدار کا قیام اور انسانی معاشرے میں باہمی حقوق کا احترام اسلامی تعلیمات کی بنیادی روح ہے۔

اللہ تبارک و تعالی انسان کے خالق ہیں اور انسان کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اللہ تعالی نے سیدھے راستے کی طرف اپنے بندوں کو بلایا ہے۔ اور زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی فراہم کی۔

قرآن مجید کا مرکزی موضوع ہونے کے ناطے، کتاب مقدس میں انسان سے متعلق مختلف پہلوؤں کے بارے میں بات کی گئی ہے، جس سے انھیں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسلام انسانی اقدار اور خاندانی زندگی کے بارے میں ایک واضح اور قابل تقلید تصور پیش کرتا ہے۔ خاص طور پر، اسلام کے ذریعہ پیش کردہ انسانیت کا احترام کرنے کا تصور غیر معمولی ہے اور دوسری قومیں اس سے محروم ہیں۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانی نسل اور وقار کی مساوات پر مبنی ایک نظام کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ہی مذہب اسلام نے انسانوں کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں لاتعداد حقوق دیئے۔ انسانی حقوق اور آزادی کا اسلامی تصور آفاقی اور عدل پر مبنی ہے، جس میں وقت اور جگہ کی تاریخی اور جغرافیائی حدود کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اسلام کا انسانی حقوق کا چارٹر اللہ رب العزت نے عطا کیا، جو ساری کائنات کا خدا ہے، اور یہ پیغام اللہ نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ عام لوگوں تک پہنچایا۔

" دین اسلام کے ذریعہ انسان کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے بطور انعام دیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں خاندانی تناظر میں انسانیت کے قرآنی تصور کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کے علاوہ معاشرے کی تشکیل و ترقی میں تعلقات کی اہمیت کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر عائد انسانی حقوق سے متعلق انفرادی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ مذہب پسندی اب تعصب اور اور ہٹ دھرمی کا نام بن چکی ہے ہر گروہ خود کو حق اور دوسروں کو باطل سمجھتا ہے مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں ملاوٹ اور عہد شکنی سے لے کر بدعات و منکرات تک ہر چیز مسلمانوں

میں پائی جاتی ہے اور اگر کچھ نہیں پایا جاتا تو وہ رسول کریم کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کے خلق عظیم ہیں جس میں انسان کے لئے تمام معاملات میں رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔"[70]

" قرآن مجید میں، جہاں دیگر بنیادی معاملات اہمیت کا حامل ہیں، انسان کے تصور کو دوسرے تمام امور پر فوقیت دی گئی ہے۔ اسلام نے سب سے پہلے انسانی نسل اور وقار کی مساوات پر مبنی ایک نظام کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ہی مذہب اسلام نے انسانوں کو مذہبی، اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی شعبوں میں لاتعداد حقوق دیئے۔ انسانی حقوق اور آزادی کا اسلامی تصور آفاقی اور عدل پر مبنی ہے، جس میں وقت اور جگہ کی تاریخی اور جغرافیائی حدود کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔ اسلام کا انسانی حقوق کا چارٹر اللہ رب العزت نے عطا کیا، جو ساری کائنات کا خدا ہے، اور یہ پیغام اللہ نے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ عام لوگوں تک پہنچایا۔ دین اسلام کے ذریعہ انسان کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے بطور انعام دیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے میں خاندانی تناظر میں انسانیت کے قرآنی تصور کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کے علاوہ معاشرے کی تشکیل و ترقی میں تعلقات کی اہمیت کی نشاندہی کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی سطح پر عائد انسانی حقوق سے متعلق انفرادی ذمہ داریوں کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔"[71]

قرآن کریم میں متعدد آیات معاملات کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں جن میں کچھ استفہامی آیات ہیں جن کی وضاحت تفسیر تفہیم القرآن کی روشنی میں بیان کی جارہی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

(ا)سورہ المآئدہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّمَا یُرِیدُ الشَّیطٰنُ اَن یُّوقِعَ بَینَکُمُ العَدَاوَۃَ وَالبَغضَآءَ فِی الخَمرِ وَالمَیسِرِ وَیَصُدَّکُم عَن ذِکرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَھَل اَنتُم مُّنتَھُونَ "[72]

---

[70] ابو یحیٰی، قرآن کا مطلوب انسان، انذار پبلیشرز، ۲۰۱۸، ص ۱۰۔

[71] نمایش کامل، قرآن کریم کا تصور انسانیت، جامعہ المصطفی العالمیہ، ۲۰۱۹، ص ۹۰۔
۱۷۱۲۲/۱۲۳۴۵۶۷۸۹https://iranjournals.nlai.ir/handle/

[72] القرآن، ۹۱:۵

"شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے اور تمہیں خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے پھر کیا تم ان چیزوں سے باز رہو گے ؟"

صاحب تفسیر اس آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

" پانسے (جوئے) ہی کی ایک قسم ہیں۔ لیکن ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ عربی زبان میں ازلام فال گیری اور قرعہ اندازی کی اس صورت کو کہتے ہیں کہ جو مشرکانہ عقائد اور وہمیات سے آلودہ ہو۔ اور میسر کا اطلاق ان کھیلوں اور ان کاموں پر ہوتا ہے جن میں اتفاقی امور کو کمائی اور قسمت آزمائی اور تقسیم اموال و اشیاء کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں چار چیزیں قطعی طور پر حرام کی گئی ہیں۔ ایک شراب۔ دوسرے قمار بازی۔ تیسرے وہ مقامات جو خدا کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام پر قربانی اور نذر و نیاز چڑھانے کے لیے مخصوص کیے گئے ہوں۔ چوتھے پانسے۔ اس آیت میں شراب کے متعلق احکام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

صاحب تفسیر اس آیت کی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"شراب کی حرمت کے سلسلہ آخری حکم کے آنے سے پہلے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک خطبہ میں لوگوں کو متنبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو شراب سخت ناپسند ہے، بعید نہیں کہ اس کی قطعی حرمت کا حکم آجائے، لہٰذا جن جن لوگوں کے پاس شراب موجود ہو وہ اسے فروخت کر دیں۔ اس کے کچھ مدت بعد یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اعلان کرایا کہ اب جن کے پاس شراب ہو وہ نہ اسے پی سکتے ہیں، نہ بیچ سکتے ہیں، بلکہ وہ اسے ضائع کر دیں۔ چنانچہ اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں شراب بہادی گئی۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم یہودیوں کو تحفتہً کیوں نہ دے دیں ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا" جس نے یہ چیز حرام کی ہے اس نے اسے تحفتہً دینے سے بھی منع کر دیا ہے"۔ بعض لوگوں نے پوچھا ہم شراب کو سرکے میں کیوں نہ تبدیل کر دیں ؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس سے بھی منع فرمایا اور حکم دیا کہ " نہیں، اسے بہادو"۔ ایک صاحب نے بااصرار دریافت کیا کہ دواء کے طور پر استعمال کی تو اجازت ہے ؟ فرمایا"نہیں، وہ دوا نہیں ہے بلکہ بیماری ہے"۔ ایک اور صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ ! ہم ایک ایسے علاقے کے رہنے والے ہیں جو نہایت سرد ہے، اور ہمیں محنت بھی بہت کرنی پڑتی ہے۔ ہم لوگ شراب

سے تکان اور سردی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے پوچھا جو چیز تم پیتے ہو وہ نشہ کرتی ہے ؟ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا تو اس سے پرہیز کرو۔ انہوں نے عرض کیا مگر ہمارے علاقے کے لوگ تو نہیں مانیں گے۔ فرمایا" اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو"۔

ابن عمر (رض) کی روایت ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَلَعَنَ شَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ۔[73] "اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے شراب پر اور اس کے پینے والے پر اور پلانے والے پر اور بیچنے والے پر اور خریدنے والے پر اور کشید کرنے والے پر اور کشید کرانے والے پر اور ڈھو کر لے جانے والے پر اور اس شخص پر جس کے لیے وہ ڈھو کر لے جائی گئی ہو"۔

چنانچہ حدیث میں حضور کے یہ واضح ارشادات ہمیں ملتے ہیں کہ "عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ "[74] "۔"ہر نشہ آور چیز خمر ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔

"شریعت کی رو سے یہ بات حکومت اسلامی کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ شراب کی بندش کے اس حکم کو بزور و قوت نافذ کرے۔ حضرت عمر (رض) کے زمانہ میں بنی ثَقِیف کے ایک شخص رُوَیشِد نامی کی دکان اس بنا پر جلوادی گئی کہ وہ خفیہ طور پر شراب بیچتا تھا۔ ایک دوسرے موقع پر ایک پورا گاؤں حضرت عمر (رض) کے حکم سے اس قصور پر جلا ڈالا گیا کہ وہاں خفیہ طریقہ سے شراب کی کشید اور فروخت کا کاروبار ہو رہا تھا۔"[75]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ شیطان کی حقیقت بیان فرمارہے ہیں کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تم لوگوں کے درمیان دشمنی ڈلوائے اور بغض ڈلوائے شراب کے ذریعے سے تمہاری عقل پر پردہ ڈال دے تاکہ تم جو بھی بے حیائی اور برائی کے کام کروگے تو شیطان اس سے خوش ہوگا۔ اب تمہیں شراب اور جوئے کے حرام ہونے کا بھی علم ہو گیا ہے اور شیطان کے ارادوں کا بھی، کیا اب بھی تم باز نہیں آؤ گے ؟ یہاں پر اللہ

[73] الشیبانی، احمد ابن حنبل، المسند، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۲۰۰۱ء، حدیث:۱۶۷۵۔
[74] الشیبانی، المسند، حدیث:۴۶۴۵۔
[75] مودودی، تفہیم القرآن، ۲/ ۲۰۴،۲۰۵

تعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ حقیقت واضح ہونے کے باوجود تم ایسا کروگے تو تم ناکام ہو جاؤ گے اور آخرت کے دائمی عذاب کے مستحق بن جاؤ گے۔

(۲)سورہ التوبہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ"[76]

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے اُن کے نفس اور اُن کے مال جنّت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔ اُن سے "جنّت کا وعدہ" اللہ کے ذمّے ایک پختہ وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں۔ اور کون ہے جو اللہ سے بڑھ کر اپنے عہد کا پورا کرنے والا ہو؟ پس خوشیاں مناؤ اپنے اُس سودے پر جو تم نے خدا سے چُکا لیا ہے، یہی سب سے بڑی کامیابی ہے"

اس آیت کی تفسیر یوں بیان کی گئی ہے:

"یہاں ایمان کے اس معاملے کو جو خدا اور بندے کے درمیان طے ہوتا ہے، بیع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان محض ایک معاہدہ ہے جس کی رو سے بندہ اپنا نفس اور اپنا مال خدا کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں خدا کی طرف سے اس وعدے کو قبول کر لیتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں وہ اسے جنت عطا کرے گا۔ انسان کی جان ومال کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، کیونکہ وہی اس کا اور ان ساری چیزوں کا خالق ہے جو اس کے پاس ہیں اور اسی نے وہ سب کچھ اسے بخشا ہے جس پر وہ تصرف کر رہا ہے۔ بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسے اس امر کی آزادی دے دی گئی ہے کہ خدا کی طرف سے کسی جبر کے بغیر وہ خود اپنی ذات پر اور اپنی ہر چیز پر خدا کے مالکانہ حقوق کو تسلیم کرنا چاہے تو کرے ورنہ آپ ہی اپنا مالک بن بیٹھے اور اپنے زعم میں یہ خیال کرے کہ وہ خدا سے بے نیاز ہو کر اپنے

[76] القرآن،۹:۱۱۱

حدود اختیار میں اپنے حسب منشا تصرف کرنے کا حق رکھتا ہے"۔

"جو چیز خدا کی ہے، اور جسے اس نے امانت کے طور پر انسان کے حوالے کیا ہے، اور جس میں امین رہنے یا خائن بن جانے کی آزادی اس نے انسان کو دے رکھی ہے، اس کے بارے میں وہ انسان سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو برضا و رغبت (نہ کہ بمجبوری) میری چیز کو میری ہی چیز مان لے، اور زندگی بھر اس میں خود مختار مالک کی حیثیت سے نہیں بلکہ امین ہونے کی حیثیت سے تصرف کرنا قبول کرلے۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو بہت بڑی آزمائشوں میں ڈالا ہے۔ پہلی آزمائش یہ کہ آزاد چھوڑ دیے جانے پر یہ اتنی شرافت دکھاتا ہے یا نہیں کہ مالک ہی کو مالک سمجھے اور نمک حرامی و بغاوت پر نہ اتر آئے۔ دوسری آزمائش اس امر کی کہ یہ اپنے خدا پر اتنا اعتماد کرتا ہے یا نہیں کہ جو قیمت آج نقد نہیں مل رہی ہے بلکہ مرنے کے بعد دوسری زندگی میں جس کے ادا کرنے کا خدا کی طرف سے وعدہ ہے، اس کے عوض اپنی آج کی خود مختاری اور اس کے مزے بیچ دینے پر بخوشی راضی ہو جائے۔

"جہاں خدا کی مرضی ہو وہاں جان و مال کھپانے سے دریغ کرنا اور جہاں اس کی مرضی نہ ہو وہاں جان و مال کھپانا، یہ دونوں طرز عمل ایسے ہیں جو اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ مدعی ایمان نے یا تو جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچا نہیں ہے، یا بیع کا معاہدہ کرلینے کے بعد بھی وہ بیچی ہوئی چیز کو بدستور اپنی سمجھ رہا ہے"۔[77]

ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ کافرانہ رویہ زندگی کو شروع سے آخر تک بالکل ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ مسلمان جو صحیح معنی میں خدا پر ایمان لایا ہو، اپنی زندگی کے ہر شعبے میں خدا کی مرضی کا تابع کر دیے ہیں اور اس کے رویہ میں کسی جگہ بھی خود مختاری کا رنگ نہیں آنے پاتا۔ خدا سے آزاد ہو کر کام کرنا اور اپنے نفس و متعلقات نفس کے بارے میں خود یہ فیصلہ کرنا کہ ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں، بہر حال ایک کافرانہ رویہ زندگی ہے خواہ اس پر چلنے والے لوگ "مسلمان" کہلائیں یا "غیر مسلم"۔[78]

اس آیت میں وعدے کی اہمیت بیان کی جارہی ہے کہ جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرتے

---

[77] مودودی، تفہیم القرآن، ۲/۲۳۶۔

[78] مودودی، تفہیم القران، ۲/۲۳۸۔

ہیں انکے لئے خوشخبری ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ حوصلہ افزائی کے طور پر سوال فرمارہے ہیں کہ اگر تم اللہ کے احکامات کے مطابق زندگی گزاروگے تو اللہ تم سے کئے گئے وعدے کو پورا فرمائے گا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون ہے جو وعدے کو پورا کرے۔

انسان کی جان ومال کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اس کے پاس جتنی چیزیں ہیں اللہ ہی ان سب کا خالق ومالک ہے۔ اللہ نے اسے انتخاب وارادہ میں آزادی دی ہے مگر اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

(۳)سورہ الرعد میں فرمان الٰہی ہے:

"وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُيِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ الۡمَوۡتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا اَفَلَمۡ يَايۡـَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيۡعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ وَعۡدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ "[79]

"اور کیا ہو جاتا اگر کوئی ایسا قرآن اُتار دیا جاتا جس کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا مردے قبروں سے نکل بولنے لگتے؟(اِس طرح کی نشانیاں دِکھا دینا کچھ مشکل نہیں ہے)بلکہ سارا اختیار ہی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کیا اہلِ ایمان (ابھی تک کفّار کی طلب کے جواب میں کِسی نشانی کے ظہُور کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور وہ یہ جان کر) مایوس نہیں ہو گئے کہ اگر اللہ چاہتا تو سارے انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟ جن لوگوں نے خدا کے ساتھ کُفر کا رویّہ اختیار کر رکھا ہے اُن پر ان کے کرتُوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی آفت آتی ہی رہتی ہے، یا ان کے گھر کے قریب کہیں نازل ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آن پُورا ہو۔ یقیناً اللہ اپنے وعدوں کے خلاف ورزی نہیں کرتا۔

"اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رہنی ضروری ہے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب کفار کی طرف سے بار بار نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش ان لوگوں کو کوئی نشانی دکھادی جاتی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے۔ پھر

[79] القرآن،۱۳:۳۱

جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر قرآن کی کسی سورۃ کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں یکایک دکھادی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ایمان لے آتے ؟ کیا تمہیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبول حق کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے ؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پاکیزہ زندگی میں، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے انقلاب حیات میں نور حق نظر نہ آیا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پالیں گے ؟یعنی نشانیوں کے نہ دکھانے کی اصل وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دکھانے پر قادر نہیں ہے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ ان طریقوں سے کام لینا اللہ کی مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ اصل مقصود تو ہدایت ہے نہ کہ ایک نبی کی نبوت کو منوالینا، اور ہدایت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ لوگوں کی فکر و بصیرت کی اصلاح ہو۔یعنی اگر سمجھ بوجھ کے بغیر محض ایک غیر شعوری ایمان مطلوب ہوتا تو اس کے لیے نشانیاں دکھانے کے تکلف کی کیا حاجت تھی۔ یہ کام تو اس طرح بھی ہو سکتا تھا کہ اللہ سارے انسانوں کو مومن ہی پیدا کر دیتا۔"[80]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا مسلمان بھی کفار کی طرح کسی نشانی کے منتظر ہیں یہ کہ پہاڑ چلنے لگتے یا زمین شق ہونے لگتی یا مردے لوگوں سے ہمکلام ہوتے ؟ اگر اللہ ان کو یہ نشانیاں بھی دکھادے تو یہ ایمان نہیں لائیں گے ان کو اتنے معجزات کو دیکھ کر یقین نہیں آیا تو وہ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے جو یہ لوگ مطالبہ کرتے ہیں ان کو دکھانے پر قادر ہے مگر سارے فیصلے اسی کی مرضی سے طے پاتے ہیں اس لیے کیونکہ وہ قادرِ مطلق ہے۔

(۴)سور الرعد کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[80] مودودی، تفہیم القرآن،،۲/۴۶۱

"وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ"[81]

"تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اڑایا جا چکا ہے، مگر میں نے ہمیشہ منکرین کو ڈھیل دی اور آخر کار ان کو پکڑ لیا، پھر دیکھ لو کہ میری سزا کیسی سخت تھی"

نیز فرمایا:

"أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَم بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ"[82]

"پھر کیا وہ جو ایک ایک متنفّس کی کمائی پر نظر رکھتا ہے (اُس کے مقابلے میں یہ جسارتیں کی جارہی ہیں کہ) لوگوں نے اُس کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں؟ اے نبیؐ، اِن سے کہو، (اگر واقعی وہ خدا کے اپنے بنائے ہوئے شریک ہیں تو) ذرا اُن کے نام لو کہ وہ کون ہیں؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جسے وہ اپنی زمین میں نہیں جانتا؟ یا تم لوگ بس یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوتِ حق کو ماننے سے انکار کیا ہے ان کے لیے اُن کی مکّاریاں خوشنما بنا دی گئی ہیں اور وہ راہِ راست سے روک دیے گئے ہیں، پھر جس کو اللہ گمراہی میں پھینک دے اُس کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے"

ان آیات کی تفسیر میں صاحبِ تفسیر بیان کرتے ہیں:

"یعنی جو ایک ایک شخص کے حال سے فرداً فرداً واقف ہے اور جس کی نگاہ سے نہ کسی نیک آدمی کی نیکی چھپی ہوئی ہے نہ کسی بد کی بدی۔ جسارتیں یہ کہ اس کے ہمسر اور مد مقابل تجویز کیے جارہے ہیں، اس کی

---

[81] القرآن، ۱۳: ۳۲

[82] القرآن، ۱۳: ۳۳

ذات اور صفات اور حقوق میں اس کی مخلوق کو شریک کیا جا رہا ہے، اور اس کی خدائی میں رہ کر لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم جو کچھ چاہیں کریں ہم سے کوئی باز پرس کرنے والا نہیں۔ یعنی اس کے شریک جو تم نے تجویز کر رکھے ہیں ان کے معاملے میں تین ہی صورتیں ممکن ہیں ایک یہ کہ تمہارے پاس کوئی مستند اطلاع آئی ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں ہستیوں کو اپنی صفات، یا اختیارات، یا حقوق میں شریک قرار دیا ہے۔ اگر یہ صورت ہے تو ذرا براہ کرم ہمیں بھی بتاؤ کہ وہ کون کون اصحاب ہیں اور ان کے شریک خدا مقرر کیے جانے کی اطلاع آپ حضرات کو کس ذریعہ سے پہنچی ہے۔ دوسری ممکن صورت یہ ہے کہ اللہ کو خود خبر نہیں ہے کہ زمین میں کچھ حضرات اس کے شریک بن گئے ہیں اور اب آپ اس کو یہ اطلاع دینے چلے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو صفائی کے ساتھ اپنی اس پوزیشن کا اقرار کرو۔ پھر ہم بھی دیکھ لیں گے کہ دنیا میں کتنے ایسے احمق نکلتے ہیں جو تمہارے اس سراسر لغو مسلک کی پیروی پر قائم رہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو پھر تیسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ تم بغیر کسی سند اور بغیر کسی دلیل کے یونہی جس کو چاہتے ہو خدا کا رشتہ دار ٹھہرا لیتے ہو۔[83]

مولانا مودودی مزید فرماتے ہیں کہ:

شرک کو مکاری کہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ دراصل جن اجرام فلکی یا فرشتوں یا ارواح یا بزرگ انسانوں کو خدائی صفات و اختیارات کا حامل قرار دیا گیا ہے، اور جن کو خدا کے مخصوص حقوق میں شریک بنا لیا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی کبھی نہ ان صفات و اختیارات کا دعوی کیا، نہ ان حقوق کا مطالبہ کیا، اور نہ لوگوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ہمارے آگے پرستش کے مراسم ادا کرو ہم تمہارے کام بنایا کریں گے۔ یہ تو چالاک انسانوں کا کام ہے کہ انہوں نے عوام پر اپنی خدائی کا سکہ جمانے کے لیے اور ان کی کمائیوں میں حصہ بٹانے کے لیے کچھ بناوٹی خدا تصنیف کیے، لوگوں کو ان کا معتقد بنایا اور اپنے آپ کو کسی نہ کسی طور پر ان کا نمائندہ ٹھہرا کر اپنا الو سیدھا کرنا شروع کر دیا۔ دوسری وجہ شریک کو مکر سے تعبیر کرنے کی یہ ہے کہ دراصل یہ ایک فریب نفس ہے اور ایک چور دروازہ ہے جس کے ذریعے سے انسان دنیا پرستی کے لیے، اخلاقی بندشوں سے بچنے کے لیے اور غیر ذمہ دارانہ زندگی بسر کرنے کے لیے راہ فرار نکالتا ہے۔

---

[83] مودودی، تفہیم القرآن، ۲/ ۴۳۲ تا ۴۳۳

تیسری وجہ جس کی بنا پر مشرکین کے طرز عمل کو مکر سے تعبیر کیا گیا ہے آگے آتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب انسان ایک چیز کے مقابلے میں دوسری چیز کو اختیار کرتا ہے تو اپنے نفس کو مطمئن کرنے کے لیے اور لوگوں کو اپنی راست روی کا یقین دلانے کے لیے اپنی اختیار کردہ چیز کو ہر طریقے سے استدلال کر کے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا ہے کہ جب انہوں نے دعوت حق کو ماننے سے انکار کر دیا تو قانون فطرت کے مطابق ان کے لیے ان کی گمراہی، اور اس گمراہی پر قائم رہنے کے لیے ان کی مکاری خوشنما بنادی گئی اور اسی فطری قانون کے مطابق راہ راست پر آنے سے روک دیے گئے۔"[84]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بطور انذار کے سوال فرما رہے ہیں۔

(۵) سورہ الحج میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِى الۡاَرۡضِ وَالۡـفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِاَمۡرِهٖ ؕ وَيُمۡسِكُ السَّمَآءَ اَنۡ تَقَعَ عَلَى الۡاَرۡضِ اِلَّا بِاِذۡنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ"[85]

"کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اُس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخّر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے، اور اُسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اُس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے ہے کہ اُس کے اِذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ عزوجل اپنے شاہکار آسمان اور زمین کی مثال بیان فرما رہے ہیں کہ کیا لوگ دیکھتے نہیں کہ کس طرح اللہ نے زمین کو بچھایا ہوا ہے کہیں پر بڑے بڑے سمندر بنا دیئے تو کہیں پر خشکی۔ اور خشکی پر بے شمار چیزیں پیدا کر دی اس میں جانور درخت اور بہت سی دوسری مخلوقات جن کے ذریعے سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں اسی طرح سے سمندروں میں بڑی بڑی کشتیاں کیا چلتی ہیں جو کہ کہ بہت سامال ایک جگہ سے دوسری جگہ لے کر جاتی ہیں ان کو سمندر میں کون تھامے ہوئے ہے اور ان کو

---

[84] مودودی، تفہیم القرآن،، ۲/ ۴۳۲ تا ۴۳۳

[85] القرآن، ۲۲:۶۵

سمندری طوفانوں سے کون بچا رہا ہے اور اگر وہ چاہے جس نے آسمان کو پیدا کیا ہے تو وہ آسمان زمین پر گر پڑے اور زمین پر موجود تمام اشیا فنا ہو جائیں۔ قیامت والے دن اللہ کے حکم سے اسی طرح آسمان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے گا۔ اللہ تعالی نے ان تمام چیزوں کو انسان کے تابع کر دیا ہے یعنی تابع سے مراد ہے کہ وہ مسخر کرنا تا کہ انسان تمام چیزوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور یہ فائدہ اٹھانا انسان کے لیے ممکن اور آسان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی اپنے بندوں پر بہت زیادہ نرمی کرنے والا اور بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی اپنی نشانیوں کا ذکر فرما کر لوگوں سے سے بطور تعجب سوال فرمارہے ہیں کہ سب کچھ تمہارے سامنے ہے اس کے باوجود بھی تم ایمان نہیں لاتے ؟ آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔

(٦) سورہ ص میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ كَالۡفُجَّارِ "[86]

"کیا ہم اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے ہیں اور اُن کو جو زمین میں فساد کرنے والے ہیں یکساں کر دیں؟ کیا متّقیوں کو ہم فاجروں جیسا کر دیں؟"

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

"کیا تمہارے نزدیک یہ بات معقول ہے کہ نیک اور بد دونوں آخر کار یکساں ہو جائیں ؟ کیا یہ تصور تمہارے لیے اطمینان بخش ہے کہ کسی نیک انسان کو اس کی نیکی کا کوئی صلہ اور کسی بد آدمی کو اس کی بدی کا کوئی بدلہ نہ ملے ؟ ظاہر بات ہے کہ اگر آخرت نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی محاسبہ نہ ہو اور انسانی افعال کی کوئی جزا و سزا نہ ہو تو اس سے اللہ کی حکمت اور اس کے عدل دونوں کی نفی ہو جاتی ہے اور کائنات کا پورا نظام ایک اندھا نظام بن کر رہ جاتا ہے۔ اس مفروضے پر تو دنیا میں بھلائی کے لیے کوئی محرک اور برائی سے روکنے کے لیے کوئی مانع سرے سے باقی ہی نہیں رہ جاتا ہے۔ خدا کی خدائی اگر معاذ اللہ ایسی ہی اندھیر نگری ہو تو پھر وہ شخص بیوقوف ہے جو اس زمین پر تکلیفیں اٹھا کر خود صالح زندگی بسر کرتا ہے اور

[86] القرآن،۳۸:۲۸

خلق خدا کی اصلاح کے لیے کام کرتا ہے، اور وہ شخص عقلمند ہے جو ساز گار مواقع پا کر ہر طرح کی زیادتیوں سے فائدے سمیٹے اور ہر قوم کے فسق وفجور سے لطف اندوز ہوتا ہے۔"[87]

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک ایمان والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ کیانیک اعمال کرنے والے اور برے اعمال کرنے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ کبھی نہیں اللہ پاک نیک لوگوں کی حوصلہ افزائی فرمارہے ہیں کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا انکے اجر سے ذرہ برابر بھی کمی نہیں کی جائے گی اور برے اعمال کرنے والوں کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کیا ایمان و عملِ صالح کی روش اختیار کرنے والوں اور زمین میں فساد برپا کرنے والوں کو برابر کر دیا جائے گا یا خدا سے ڈرنے والوں اور نافرمانوں کے ساتھ معاملہ یکساں ہو گا تو یہ تصور ہی ناقابل یقین ہے اور نہ ہی قابل عمل ہے۔ ہر انسان کو اس کی اچھائی اور برائی کے عوض سزا یا جزا ملے گی۔

(۷) سورہ الزخرف میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَجَعَلُوا الْمَلَٰئِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ إِنَاثًا أَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْأَلُونَ ("[88]

"انہوں نے فرشتوں کو، جو خدائے رحمٰن کے خاص بندے ہیں، عورتیں قرار دے لیا۔ کیا اُن کے جسم کی ساخت اِنہوں نے دیکھی ہے؟ اِن کی گواہی لکھ لی جائے گی اور انہیں اس کی جواب دہی کرنا ہو گی"

نیز فرمایا:

"أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِّن قَبْلِهِ فَهُم بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ "[89]

"کیا ہم نے اِس سے پہلے کوئی کتاب اِن کو دی تھی جس کی سَنَد (اپنی ملائکہ پرستی کے لیے) یہ اپنے پاس رکھتے ہوں؟"

---

[87] مودودی، تفہیم القران، ۴/ ۴۳۱

[88] القرآن، ۴۳: ۱۹

[89] القرآن، ۴۳: ۲۱

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:
پہلی آیت میں یہ مشرکین کی روش بیان کی جارہی ہے کہ یہ فرشتوں کو عورتیں قرار دیتے ہیں کہ کیا انہوں نے فرشتوں کی ساخت کو دیکھا ہے یہ جو باتیں کر رہے ہیں انکو کراما کاتبین لکھ رہے ہیں اور ان باتوں کے یہ لوگ جوابدہ ہیں۔ اللہ پاک اگلی آیت میں اسی مضمون کو بیان کرتے ہوئے سوال فرمارہے ہیں کیا ہم نے انکو کوئی کتاب دی تھی؟ جس میں فرشتوں کو عورتیں کہا گیا اور انکی پرستش کا حکم دیا گیا؟ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جہالت سے یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ چونکہ اللہ کی مشیت کے تحت ہو رہا ہے، اس لیے ضرور اس کو اللہ کی رضا بھی حاصل ہے۔ حالانکہ اگر یہ استدلال صحیح ہو تو دنیا میں صرف ایک شرک ہی تو نہیں ہو رہا ہے۔ چوری، ڈاکہ، قتل، زنا، رشوت، بدعہدی، اور ایسے ہی دوسرے بیشمار جرائم بھی ہو رہے ہیں جنہیں کوئی شخص بھی نیکی اور بھلائی نہیں سمجھتا۔ پھر کیا اسی طرز استدلال کی بناپر یہ بھی کہا جائے گا کہ یہ تمام افعال حلال وطیب ہیں، کیونکہ اللہ اپنی دنیا میں انہیں ہونے دے رہا ہے، اور جب وہ انہیں ہونے دے رہا ہے، تو ضرور وہ ان کو پسند بھی کرتا ہے؟ اللہ کی پسند اور ناپسند معلوم ہونے کا ذریعہ وہ واقعات نہیں ہیں جو دنیا میں ہو رہے ہیں، بلکہ اللہ کی کتاب ہے جو اس کے رسول کے ذریعہ سے آتی ہے اور جس میں اللہ خود بتاتا ہے کہ اسے کون سے عقائد، کون سے اعمال، اور کون سے اخلاق پسند ہیں اور کون سے ناپسند۔ پس اگر قرآن سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب ان لوگوں کے پاس ایسی موجود ہو جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ فرشتے بھی میرے ساتھ تمہارے معبود ہیں اور تم کو ان کی عبادت بھی کرنی چاہیے، تو یہ لوگ اس کا حوالہ دیں۔"[90]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ بطور تعجب اور افسوس کے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا ان لوگوں نے فرشتوں کو دیکھا ہے یا انکو ہم نے کوئی کتاب دی ہے جس میں یہ تحریر ہو کہ فرشتے عورتیں ہیں؟ یا یہ اپنے پاس سے گھڑ رہے ہیں؟ تو یہ بہتان باندھ رہے ہیں فرشتے تو اللہ کے نیک بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے ہر کام کرتے ہیں تو یہ لوگ گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

(۸) سورہ الجاثیہ میں اللہ فرماتے ہیں:

---

[90] مودودی، تفہیم القران، ۴ / ۵۳۲، ۵۳۳

"اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ "[91]

"کیا وہ لوگ جنھوں نے بُرائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہم اُنہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے؟ بہت بُرے حکم ہیں جو یہ لوگ لگاتے ہیں۔"

جو لوگ برے اعمال کرتے ہیں وہ یہ کیسے گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے گا، ان کا جینا اور مرنا برابر ہو جائے گا تو یہ محض ان کا گمان ہے اور ان کی فضول اور بے جا خواہشات، کیونکہ ایسا ہونا ممکن نہیں ایمان والے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ہی کامیاب ہوں گے اور ان کو اپنے اعمال کے مطابق ہی بہترین بدلہ عطا کیا جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی یوں رقمطراز ہیں:

"اخلاق میں خیر و شر اور اعمال میں نیکی و بدی کے فرق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اچھے اور برے لوگوں کا انجام یکساں نہ ہو، بلکہ اچھوں کو ان کی اچھائی کا اچھا بدلہ ملے اور برے اپنی برائی کا برا بدلہ پائیں۔ یہ بات اگر نہ ہو، اور نیکی و بدی کا نتیجہ ایک ہی جیسا ہو تو سرے سے اخلاق میں خوبی و زشتی کی تمیز ہی بے معنی ہو جاتی ہے اور خدا پر بے انصافی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ جو لوگ دنیا میں بدی کی راہ چلتے ہیں وہ تو ضرور یہ چاہتے ہیں کہ کوئی جزا و سزا نہ ہو، کیونکہ یہ تصور ہی ان کے عیش کو منغّص کر دینے والا ہے۔ لیکن خداوند عالم کی حکمت اور اس کے عدل سے یہ بات بالکل بعید ہے کہ وہ نیک و بد سے ایک جیسا معاملہ کرے اور کچھ نہ دیکھے کہ مومن صالح نے دنیا میں کس طرح زندگی بسر کی ہے اور کافر و فاسق یہاں کیا گل کھلاتا رہا ہے۔ ایک شخص عمر بھر اپنے اوپر اخلاق کی پابندیاں لگائے رہا۔ حق والوں کے حق ادا کرتا رہا۔ ناجائز فائدوں اور لذتوں سے اپنے آپ کو محروم کیے رہا۔ اور حق و صداقت کی خاطر طرح طرح کے نقصانات برداشت کرتا رہا۔ دوسرے شخص نے اپنی خواہشات ہر ممکن طریقے سے پوری کیں، نہ خدا کا حق پہچانا اور نہ بندوں کے حقوق پر دست درازی کرنے سے باز آیا۔ جس طرح سے بھی اپنے لیے فائدے اور

---

[91] القرآن، ۲۱:۴۵

لذتیں سمیٹ سکتا تھا، سمیٹتا چلا گیا۔ کیا خدا سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ ان دونوں قسم کے آدمیوں کی زندگی کے اس فرق کو وہ نظر انداز کر دے گا؟ مرتے دم تک جن کا جینا یکساں نہیں رہا ہے، موت کے بعد اگر ان کا انجام یکساں ہو تو خدا کی خدائی میں اس سے بڑھ کر اور کیا بے انصافی ہو سکتی ہے؟"[92]

اس آیت میں بھی اللہ رب العزت بطور تعجب کے سوال فرما رہے ہیں کہ کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اچھے کام کرنے والوں کو اور برے اعمال کرنے والوں کو برابر کر دیں گے جس طرح حسنات اور سیئیات برابر نہیں ہو سکتیں تو ایسا ہونا بھی ناممکن ہے۔ یہ لوگ محض اپنی آرزوؤں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ یہ محض غفلت کا شکار ہیں کیونکہ نیکی کرنے والوں کو اچھا بدلہ اور برائی کرنے والوں کو ان کی برائیوں کے مطابق ضرور سزا مل کر رہے گی۔

نیز سورہ الجاثیہ آیت نمبر ۲۳ میں بھی اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے:

"اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ "[93]

"پھر کیا تم نے کبھی اُس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہشِ نفس کو اپنا خدا بنا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود اُسے گمراہی میں پھینک دیا اور اُس کے دل اور کانوں پر مُہر لگا دی اور اُس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا؟ اللہ کے بعد اب اور کون ہے جو اُسے ہدایت دے؟ کیا تم لوگ کوئی سبق نہیں لیتے؟"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

خواہش نفس کو خدا بنا لینے سے یہ مراد ہے کہ آدمی اپنی خواہش کا غلام بن کر رہ جائے۔ اسی کام کو کرے جو اس کا دل چاہے خدا نے اسے حرام کیا ہو، اور جس کام کو اس کا دل نہ چاہے اسے نہ کرے، چاہے خدا نے اسے فرض کر دیا ہو۔ جب آدمی اس طرح کسی کی اطاعت کرنے لگے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا معبود خدا نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کی وہ اس طرح اطاعت کر رہا ہے، قطع نظر اس بات سے کہ وہ زبان

---

[92] مودودی، تفہیم القرآن، ۴/۵۸۸

[93] القرآن، ۴۵:۲۳

سے اس کو اپنا اِلٰہ اور معبود کہتا ہو یا نہ کہتا ہو، اور اس کا بت بنا کر اس کی پوجا کرتا ہو یا نہ کرتا ہو۔ اس لیے کہ ایسی اطاعت ہی اس کے معبود بن جانے کے لیے کافی ہے اور اس عملی شرک کے بعد ایک آدمی صرف اس بنا پر شرک کے جرم سے بری نہیں ہو سکتا کہ اس نے اپنے اس مطاع کو زبان سے معبود نہیں کہا ہے اور سجدہ اس کو نہیں کیا ہے"۔

مولانا مودودی فرماتے ہیں کہ: "وہ شخص عالم ہونے کے باوجود اللہ کی طرف سے گمراہی میں پھینکا گیا، کیونکہ وہ خواہش نفس کا بندہ بن گیا تھا۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے اس علم کی بنا پر کہ وہ اپنے نفس کی خواہش کو اپنا خدا بنا بیٹھا ہے، اسے گمراہی میں پھینک دیا۔ یعنی بظاہر تو وہ آنکھیں اور دل رکھتے ہیں مگر حق بات کو سمجھنے میں یہ پردہ حائل ہے۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ آخرت کا انکار دراصل وہی لوگ کرتے ہیں جو خواہشات نفس کی بندگی کرنا چاہتے ہیں اور عقیدہ آخرت کو اپنی اس آزادی میں مانع سمجھتے ہیں۔ پھر جب وہ آخرت کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی بندگی نفس اور زیادہ بڑھتی چلی جاتی ہے اور وہ اپنی گمراہی میں روز بروز زیادہ ہی بھٹکتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی برائی ایسی نہیں ہوتی جس کے ارتکاب سے وہ باز رہ جائیں۔ کسی کا حق مارنے میں انہیں تامل نہیں ہوتا۔ کسی ظلم اور زیادتی کا موقع پا جانے کے بعد ان سے یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس سے صرف اس لیے رک جائیں گے کہ حق و انصاف کا کوئی احترام ان کے دلوں میں ہے جن واقعات کو دیکھ کر کوئی انسان عبرت حاصل کر سکتا ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ عقیدہ آخرت کا انکار انسانی اخلاق کے لیے تباہ کن ہے۔ آدمی کو آدمیت کے دائرے میں اگر کوئی چیز رکھ سکتی ہے تو وہ صرف یہ احساس ذمہ داری ہے کہ ہمیں خدا کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہو گی۔ اس احساس سے خالی ہو جانے کے بعد کوئی شخص بڑے سے بڑا عالم بھی ہو تو وہ جانوروں سے بدتر رویہ اختیار کیے بغیر نہیں رہتا۔"[94]

اس آیت میں اللہ پاک سوچ کا معیار جانچنے کے لئے ﷺ سوال فرما رہے ہیں کہ جنہوں نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا لیا ہے تو اللہ نے انکو انکے نفس کے حوالے کر دیا ہے۔ (معاذ اللہ) اگر کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اپنی خواہشات کو اللہ کے حکم کے مطابق کرنا ہو گا۔

---

[94] مودودی، تفہیم القرآن، ۴/۵۸۹، ۵۹۰

(۹)سورہ الحجرات میں ارشادِ الٰہی ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اجۡتَنِبُوۡا کَثِیۡرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ"[95]

"اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، تجسّس نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمہارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ دیکھو، تم خود اس سے گِھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے"

مولانا مودودی تفہیم القرآن میں یوں رقمطراز ہیں:

"مطلقاً گمان کرنے سے نہیں روکا گیا ہے بلکہ بہت زیادہ گمان سے کام لینے اور ہر طرح کے گمان کی پیروی کرنے سے منع فرمایا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اس حکم کو سمجھنے کے لیے ہمیں تجزیہ کر کے دیکھنا ہو گا کہ گمان کی کتنی اقسام ہیں اور ہر ایک کی اخلاقی حیثیت کیا ہے؟

گمان کی ایک قسم یہ ہے کہ جو اخلاق کی نگاہ میں نہایت پسندیدہ اور دین کی نظر میں مطلوب اور محمود ہے، مثلاً اللہ اور اس کے رسول اور اہل ایمان سے نیک گمان اور ان لوگوں کے ساتھ حسن ظن جن سے آدمی کا میل جول ہو اور جن کے متعلق بد گمانی کرنے کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔

"گمان کی دوسری قسم یہ ہے کہ جس سے کام لینے کے سوا عملی زندگی میں کوئی چارہ نہیں ہے۔ مثلاً عدالت میں اس کے بغیر کام نہیں چل سکتا کہ جو شہادتیں قاضی کے سامنے پیش ہوں ان کو جانچ کر وہ غالب گمان کی بنا پر فیصلہ کرے، کیونکہ معاملہ کی حقیقت کا براہ راست علم اس کو نہیں ہو سکتا، اور شہادتوں کی بنیاد پر جو رائے قائم ہوتی ہے وہ زیادہ تر یقین پر نہیں بلکہ ظن غالب پر مبنی ہوتی ہے۔ اسی طرح بکثرت معاملات

---

[95] القرآن،۴۹:۱۲

میں، جہاں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور حقیقت کا علم حاصل ہونا ممکن نہیں ہوتا، انسان کے لیے گمان کی بنیاد پر ایک رائے قائم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے"۔

"تیسری قسم کا گمان وہ ہے جو اگرچہ ہے تو بدگمانی، مگر جائز نوعیت کی ہے اور اس کا شمار گناہ میں نہیں ہو سکتا۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کے معاملات اور طور طریقوں میں ایسی واضح علامات پائی جاتی ہوں جن کی بنا پر وہ حسن ظن کا مستحق نہ ہو اور اس سے بدگمانی کرنے کے لیے معقول وجوہ موجود ہوں ایسی حالت میں شریعت کا مطالبہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ آدمی اس سے حسن ظن ہی رکھے۔ لیکن اس جائز بدگمانی کی آخری حد یہ ہے کہ اس کے امکانی شر سے بچنے کے لیے بس احتیاط سے کام لینے پر اکتفا کیا جائے۔

گمان کی چوتھی قسم جو در حقیقت گناہ ہے وہ یہ ہے کہ آدمی کسی شخص سے بلا سبب بدگمانی کرے، یا دوسروں کے متعلق رائے قائم کرنے میں ہمیشہ بدگمانی ہی سے ابتدا کیا کرے، یا ایسے لوگوں کے معاملہ میں بدظنی سے کام لے جن کا ظاہر حال یہ بتا رہا ہو کہ وہ نیک اور شریف ہیں۔ اسی طرح یہ بات بھی گناہ ہے کہ ایک شخص کے کسی قول یا فعل میں بھلائی اور برائی کا یکساں احتمال ہو اور ہم محض سوء ظن سے کام لے کر اس کو برائی ہی پر محمول کریں۔ مثلاً کوئی بھلا آدمی کسی محفل سے اٹھتے ہوئے اپنے جوتے کے بجائے کسی اور کا جوتا اٹھالے اور ہم یہ رائے قائم کرلیں کہ ضرور اس نے جوتا چرانے ہی کی نیت سے یہ حرکت کی ہے۔ حالانکہ یہ فعل بھولے سے بھی ہو سکتا ہے اور اچھے احتمال کو چھوڑ کر برے احتمال کو اختیار کرنے کی کوئی وجہ بدگمانی کے سوا نہیں ہے"۔

اس تجزیے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ گمان بجائے خود کوئی ممنوع چیز نہیں ہے، بلکہ بعض حالات میں وہ پسندیدہ ہے، بعض حالات میں ناگزیر ہے، بعض حالات میں ایک حد تک جائز اور اس سے آگے ناجائز ہے، اور بعض حالات میں بالکل ہی ناجائز ہے۔ ایک مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ دوسروں کے جن حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے ان کی کھوج کرید کرے اور پردے کے پیچھے جھانک کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ کس میں کیا عیب ہے اور کس کی کون سی کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں۔ لوگوں کے نجی خطوط پڑھنا، دو آدمیوں کی باتیں کان لگا کر سننا، ہمسایوں کے گھر میں جھانکنا، اور مختلف طریقوں سے دوسروں کی خانگی زندگی یا ان کے ذاتی معاملات کی ٹٹول کرنا ایک بڑی بد اخلاقی ہے جس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں اسی لیے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایک مرتبہ خطبہ میں تجسس کرنے والوں کے

متعلق فرمایا:

یا مَعْشَرَ مَنْ آمَنَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيمَانُ قَلْبَهُ لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ مَنِ اتَّبَعَ عَوْرَاتِهِمْ يَتَّبِعُ اللَّهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللَّهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ فِي بَيْتِهِ ۔[96]

”اے لوگو جو زبان سے ایمان لے آئے ہو مگر ابھی تمہارے دلوں میں ایمان نہیں اترا ہے، مسلمانوں کے پوشیدہ حالات کی کھوج نہ لگایا کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب ڈھونڈنے کے درپے ہوگا اللہ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور اللہ جس کے درپے ہو جائے اسے اس کے گھر میں رسوا کر کے چھوڑتا ہے۔“

حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ فرماتے سنا ہے:

إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ ۔[97]

تم اگر لوگوں کے مخفی حالات معلوم کرنے کے درپے ہو گے تو ان کو بگاڑ دو گے یا کم از کم بگاڑ کے قریب پہنچا دو گے۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز ہیں:

" تجسس کی ممانعت کا یہ حکم صرف افراد ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کے لیے بھی ہے۔ شریعت نے نہی عن المنکر کا جو فریضہ حکومت کے سپرد کیا ہے اس کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ وہ جاسوسی کا ایک نظام قائم کر کے لوگوں کی چھپی ہوئی برائیاں ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ان پر سزا دے، بلکہ اسے صرف ان برائیوں کے خلاف طاقت استعمال کرنی چاہیے جو ظاہر ہو جائیں۔ رہیں مخفی خرابیاں تو ان کی اصلاح کا راستہ جاسوسی نہیں ہے بلکہ تعلیم، وعظ و تلقین، عوام کی اجتماعی تربیت، اور ایک پاکیزہ معاشرتی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہے۔ اس سلسلے میں حضرت عمر (رض) کا یہ واقعہ بہت سبق آموز ہے کہ ایک مرتبہ رات کے وقت آپ نے ایک شخص کی آواز سنی جو اپنے گھر میں گا رہا تھا۔ آپ کو شک گزرا اور

---

[96] ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، (دار الفکر، بیروت، س۔ن) حدیث نمبر ۴۸۸۰

[97] ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی النھی عن التجسس، حدیث نمبر ۴۸۸۸

دیوار پر چڑھ گئے۔ دیکھا کہ وہاں شراب بھی موجود ہے اور ایک عورت بھی۔ آپ نے پکار کر کہا" اے دشمن خدا، کیا تونے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تو اللہ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ تیرا پردہ فاش نہ کرے گا"؟ اس نے جواب دیا" امیر المومنین جلدی نہ کیجیے۔ اگر میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ نے تجسس سے منع کیا تھا اور آپ نے تجسس کیا۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور آپ دیوار پر چڑھ کر آئے۔ اللہ نے حکم دیا تھا کہ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اجازت لیے بغیر نہ جاؤ اور آپ میری اجازت کے بغیر میرے گھر میں تشریف لے آئے۔" یہ سن کر حضرت عمر (رض) اپنی غلطی مان گئے اور اس کے خلاف انہوں نے کوئی کارروائی نہ کی، البتہ اس سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ بھلائی کی راہ اختیار کرے گا"۔ اس سے معلوم ہوا کہ افراد ہی کے لیے نہیں خود اسلامی حکومت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے راز ٹٹول ٹٹول کر ان کے گناہوں کا پتہ چلائے اور پھر انہیں پکڑے۔ یہی بات ایک حدیث میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس میں نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا ہے۔

إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ ۔[98]

"حکمران جب لوگوں کے اندر شبہات کے اسباب تلاش کرنے لگے تو وہ ان کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔"

اس حکم سے مستثنیٰ صرف وہ مخصوص حالات ہیں جن میں بخشش کی فی الحقیقت ضرورت ہو۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کے رویے میں بگاڑ کی کچھ علامات نمایاں نظر آ رہی ہوں اور اس کے متعلق یہ اندیشہ پیدا ہو جائے کہ وہ کسی جرم کا ارتکاب کرنے والا ہے تو حکومت اس کے حالات کی تحقیق کر سکتی ہے۔ یا مثلاً کسی شخص کے ہاں کوئی شادی کا پیغام بھیجے، یا اس کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کرنا چاہے تو وہ اپنے اطمینان کے لیے اس کے حالات کی تحقیق کر سکتا ہے۔

ایک روایت جو امام مالک نے مؤطاء میں حضرت مطّلِب بن عبد اللہ سے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: مَا الْغِيبَةُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: " ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ "، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا

---

[98] ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب فی النھی عن التجسس، حدیث نمبر ۴۸۹۱

أَقُولُ؟ أَيْ رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِنْ كَانَ فِي أَخِيكَ مَا تَقُولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ، فَقَدْ بَهَتَّهُ "۔ [99]

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے پوچھا غیبت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا" یہ کہ تو کسی شخص کا ذکر اس طرح کرے کہ وہ سنے تو اسے ناگوار ہو"۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اگرچہ میری بات حق ہو؟ آپ نے جواب دیا اگر تیری بات باطل ہو تو یہی چیز پھر بہتان ہے۔"

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کے خلاف اس کے پیچھے جھوٹا الزام لگانا بہتان ہے اور اس کے واقعی عیوب بیان کرنا غیبت۔ یہ فعل خواہ صریح الفاظ میں کیا جائے یا اشارہ و کنایہ میں، بہر صورت حرام ہے۔ اسی طرح یہ فعل خواہ آدمی کی زندگی میں کیا جائے یا اس کے مرنے کے بعد، دونوں صورتوں میں اس کی حرمت یکساں ہے"۔[100]

پھر خود نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کے طرز عمل میں ہم کو چند نظیریں ایسی ملتی ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ " حق " سے مراد کیا ہے اور کس قسم کے حالات میں غیبت بقدر ضرورت جائز ہو سکتی ہے۔ ایک روایت میں ہے:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَنَاخَ رَاحِلَتَهُ، ثُمَّ عَقَلَهَا، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى رَاحِلَتَهُ فَأَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَلَا تُشْرِكْ فِي رَحْمَتِنَا أَحَدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَتَقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ، أَمْ بَعِيرُهُ أَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى مَا قَالَ؟» قَالُوا: بَلَى ۔[101]

---

[99] الشیبانی، المسند، حدیث نمبر: ۸۹۸۵۔

[100] مودودی، تفہیم القرآن، ۴/ ۵۸۹، ۵۹۰

[101] ابوداؤد، السنن، کتاب الادب، باب من لیست لہ غیبۃ، حدیث نمبر ۴۸۸۵

"ایک مرتبہ ایک بدو آکر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پیچھے نماز میں شامل ہوا اور نماز ختم ہوتے ہی یہ کہتا ہوا اچل دیا کہ "خدایا مجھ پر رحم کر اور محمد پر، اور ہم دونوں کے سوا کسی کو اس رحمت میں شریک نہ کر"۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ سے فرمایا اتقولون ھو اضلّ ام بعیرہ؟ الم تسمعوا الیٰ ما قال؟ "تم لوگ کیا کہتے ہو، یہ شخص زیادہ نادان ہے یا اس کا اونٹ؟ تم نے سنا نہیں کہ یہ کیا کہہ رہا تھا"۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: «ائْذَنُوا لَهُ، فَبِئْسَ ابْنُ العَشِيرَةِ - أَوْ بِئْسَ أَخُو العَشِيرَةِ فَلَمَّا دَخَلَ أَلاَنَ لَهُ الكَلاَمَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قُلْتَ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي القَوْلِ؟ فَقَالَ: «أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ تَرَكَهُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ۔[102]

"ایک روز حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) حضرت عائشہ کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک شخص نے آکر ملاقات کی اجازت طلب کی۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ یہ اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے۔ پھر آپ باہر تشریف لے گئے اور اس سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی۔ گھر میں واپس تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ نے تو اس سے بڑی اچھی طرح گفتگو فرمائی حالانکہ باہر جاتے وقت آپ نے اس کے متعلق وہ کچھ فرمایا تھا۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: خدا کے نزدیک قیامت کے روز بدترین مقام اس شخص کا ہوگا جس کی بدزبانی سے ڈر کر لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔"

اس واقعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس شخص کے متعلق بری رائے رکھنے کے باوجود اس کے ساتھ اچھی طرح بات چیت تو اس لیے کی کہ آپ کا اخلاق اسی کا تقاضا کرتا تھا۔ لیکن آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ آپ کے گھر والے آپ کو اس سے مہربانی برتتے دیکھ کر کہیں اسے

---

[102] البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع، کتاب الادب، باب المداراۃ مع الناس، (دار ابن کثیر، الیمامہ، البیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۲ء)، حدیث نمبر ۵۷۸۰

آپ کا دوست نہ سمجھ لیں اور بعد میں کسی وقت وہ اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ اس لیے آپ نے حضرت عائشہ کو خبر دار کر دیا کہ وہ اپنے قبیلے کا بہت برا آدمی ہے۔

غیبت کے حرام ہونے کی بنیادی وجہ اس شخص کی دل آزاری نہیں ہے جس کی غیبت کی گئی ہو، بلکہ کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی برائی کرنا بجائے خود حرام ہے قطع نظر اس سے کہ اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو اور اس کا اس فعل سے اذیت پہنچے یا نہ پہنچے۔ ظاہر ہے کہ مرے ہوئے آدمی کا گوشت کھانا اس لیے حرام نہیں ہے کہ مردے کو اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ مردہ بے چارہ تو اس سے بیخبر ہوتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کوئی اس کی لاش بھنبوڑ رہا ہے۔ مگر یہ فعل بجائے خود ایک نہایت گھناؤنا فعل ہے۔ اسی طرح جس شخص کی غیبت کی گئی ہو اس کو بھی اگر کسی ذریعہ سے اس کی اطلاع نہ پہنچے تو وہ عمر بھر اس بات سے بیخبر رہے گا کہ کہاں کس شخص نے کب اس کی عزت پر کن لوگوں کے سامنے حملہ کیا تھا اور اس کی وجہ سے کس کس کی نظر میں وہ ذلیل و حقیر ہو کر رہ گیا۔ اس بیخبری کی وجہ سے اسے اس غیبت کی سرے سے کوئی اذیت نہ پہنچے گی، مگر اس کی عزت پر بہر حال اس سے حرف آئے گا، اس لیے یہ فعل اپنی نوعیت میں مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے مختلف نہیں ہے۔"[103]

اس آیت میں حسن معاشرت کے اصول بیان کئے گئے ہیں اور ایک مثال کے ذریعے بات سمجھائی گئی ہے کہ کون مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ غیبت جیسا فعل مردہ گوشت کھانے کے برابر ہے یہاں پر سوال مخاطب کی ذہنی استعداد کو چیک کرنے کے لئے کیا ہے۔

(۱۰) سورہ التکویر میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَت"[104]

"کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"اس آیت کے انداز بیان میں ایسی شدید غضبناکی پائی جاتی ہے جس سے زیادہ سخت غضبناکی کا تصور نہیں

---

[103] مودودی، تفہیم القرآن، ۵/ ۴۶۳۔

[104] القرآن، ۹:۸۱

کیا جاسکتا۔ بیٹی کو زندہ گاڑنے والے ماں باپ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایسے قابل نفرت ہوں گے کہ ان کو مخاطب کر کے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ تم نے اس معصوم کو کیوں قتل کیا، بلکہ ان سے نگاہ پھیر کر معصوم بچی سے پوچھا جائے گا کہ تو بے چاری آخر کس قصور میں ماری گئی، اور وہ اپنی داستان سنائے گی کہ ظالم ماں باپ نے اس کے ساتھ کیا ظلم کیا اور کس طرح اسے زندہ دفن کر دیا۔ اس کے علاوہ اس مختصر سی آیت میں دو بہت بڑے مضمون سمیٹ دیے گئے ہیں جو الفاظ میں بیان کیے بغیر خود بخود اس کے فحوی سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں اہل عرب کو یہ احساس دلایا گیا ہے کہ جاہلیت نے ان کو اخلاقی پستی کی کس انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ وہ اپنی ہی اولاد کو اپنے ہاتھوں زندہ در گور کرتے ہیں، پھر بھی انہیں اصرار ہے کہ اپنی اسی جاہلیت پر قائم رہیں گے اور اس اصلاح کو قبول نہ کریں گے جو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے بگڑے ہوئے معاشرے میں کرنا چاہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں آخرت کے ضروری ہونے کی ایک صریح دلیل پیش کی گئی ہے۔ جس لڑکی کو زندہ دفن کر دیا گیا، آخر اس کی کہیں تو داد رسی ہونی چاہیے۔ نہ ماں باپ کو اس پر کوئی شرم آتی تھی نہ خاندان میں کوئی ان کو ملامت کرنے والا تھا نہ کوئی اس پر گرفت کرنے والا تھا پھر کیا خدا کی خدائی میں ظلم عظیم بالکل ہی بے داد رہ جانا چاہیے؟"[105]

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا ظالمانہ طریقہ قدیم زمانے میں مختلف وجوہ سے رائج ہو گیا تھا۔ ایک، معاشی خستہ حالی جس کی وجہ سے لوگ چاہتے تھے کہ کھانے والے کم ہوں اور اولاد کو پالنے پوسنے کا بوجھ ان پر نہ پڑے۔ بیٹوں کو تو اس امید پر پال لیا جاتا تھا کہ بعد میں وہ حصول معیشت میں ہاتھ بٹائیں گے، مگر بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ انہیں جوان ہونے تک پالنا پڑے گا اور پھر ان کی شادی کرنا ہو گی۔ دوسرے، عام بدامنی جس کی وجہ سے بیٹوں کو اس لیے پالا جاتا تھا کہ جس کے جتنے زیادہ بیٹے ہوں گے اس کے اتنے ہی حامی و مددگار ہوں گے، مگر بیٹیوں کو اس لیے ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ قبائلی لڑائیوں میں ان کی حفاظت کرنا پڑتی تھی اور دفاع پر وہ کسی کام نہ آسکتی تھیں۔ تیسرا یہ کہ بدامنی کا ایک شاخسانہ یہ بھی تھا کہ دشمن قبیلے جب ایک دوسرے پر اچانک چھاپے مارتے تھے تو جو لڑکیاں بھی ان کے ہاتھ لگتی تھیں انہیں لے جا کر وہ یا تو لونڈیاں بنا کر رکھتے تھے یا کہیں بیچ ڈالتے تھے۔ ان وجوہ سے عرب

[105] مودودی، تفہیم القران، ۵/ ۲۶۴

میں یہ طریقہ چل پڑا تھا کہ کبھی تو زچگی کے وقت ہی عورت کے آگے ایک گڑھا کھود رکھا جاتا تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اسی وقت اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دی جائے۔ اور کبھی اگر ماں اس پر راضی نہ ہوتی یا اس کے خاندان والے اس میں مانع ہوتے تو باپ بادل ناخواستہ اسے کچھ مدت تک پالتا اور پھر کسی وقت صحرا میں لے جا کر زندہ دفن کر دیتا"۔[106]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔[107]

”جو شخص ان لڑکیوں کی پیدائش سے آزمائش میں ڈالا جائے اور پھر وہ ان سے نیک سلوک کرے تو یہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی“

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ» وَضَمَّ أَصَابِعَهُ۔[108]

”جس نے دو لڑکیوں کو پرورش کیا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گئیں تو قیامت کے روز میرے ساتھ وہ اس طرح آئے گا، یہ فرما کر حضور نے اپنی انگلیوں کو جوڑ کر بتایا“

جس شخص نے تین بیٹیوں، یا بہنوں کو پرورش کیا، ان کو اچھا ادب سکھایا اور ان سے شفقت کا برتاؤ کیا یہاں تک کہ وہ اس کی مدد کی محتاج نہ رہیں تو اللہ اس کے لیے جنت واجب کر دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دو، حضور نے فرمایا اور دو بھی۔ حدیث کے راوی ابن عباس کہتے ہیں کہ اگر لوگ اس وقت ایک کے متعلق پوچھتے تو حضور اس کے بارے میں بھی یہی فرماتے۔

مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، - قَالَ: يَعْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ ۔[109]

---

[106] ۔ مودودی، تفہیم القرآن، ۵/ ۲٦۵

[107] القشیری، مسلم بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب البرر والصلۃ والادب، فضل الاحسان الی البنات، دار الفکر، بیروت، س۔ن، حدیث نمبر ٦٨٦٢۔

[108] ایضاً: ٦٨٦٤

[109] ابو داؤد، السنن، کتاب الادب، باب في فضل من عال يتيما، حدیث نمبر ۵۱۴٦

”جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ ذلیل کر کے رکھے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا“۔

مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَأَطْعَمَهُنَّ، وَسَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔[110]

”جس کے ہاں تین بیٹیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے اور اپنی وسعت کے مطابق ان کو اچھے کپڑے پہنائے وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے بچاؤ کا ذریعہ بنیں گی“۔

مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ، فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ - أَوْ صَحِبَهُمَا - إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ ۔[111]

”جس مسلمان کے ہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کو اچھی طرح رکھے وہ اسے جنت میں پہنچائیں گی“۔

عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ ۔[112]

”نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سراقہ بن جعشم سے فرمایا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بڑا صدقہ۔ (فرمایا بڑے صدقوں میں سے ایک) کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ضرور بتایئے یا رسول اللہ۔ فرمایا تیری وہ بیٹی جو (طلاق پا کر یا بیوہ ہو کر) تیری طرف پلٹ آئے اور تیرے سوا کوئی اس کے لیے کمانے والا نہ ہو“۔

یہی وہ تعلیم ہے جس نے لڑکیوں کے متعلق لوگوں کا نقطہ نظر صرف عرب ہی میں نہیں بلکہ دنیا کی ان

---

[110] ابن ماجہ، محمد بن یزید، السنن، کتاب الادب، باب بر الوالد والإحسان إلى البنات، (دالفکر، بیروت، س۔ن)، حدیث نمبر ۳۶۶۹

[111] ایضاً: ۳۶۷۰

[112] ایضاً: ۳۶۶۷

تمام قوموں میں بدل دیا جو اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتی چلی گئیں۔"[113]

اس آیت میں بیٹیوں کے زندہ در گور کرنے پر بطور تعجب کے سوال کیا جارہا ہے کہ اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ بیٹیوں کی پرورش کرنا، ان کی تعلیم و تربیت کرنا اور ان کو اس قابل بنانا کہ وہ ایک اچھی ماں بن سکیں یہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔

(۱۱)سورہ الضحیٰ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اَلَمۡ یَجِدۡكَ یَتِیۡمًا فَاٰوٰی "[114]

"کیا اُس نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟"

مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ:

تمہیں چھوڑ دینے اور تم سے ناراض ہو جانے کا کیا سوال، ہم تو اس وقت سے تم پر مہربان ہیں جب تم یتیم پیدا ہوئے تھے حضور ابھی بطن مادر ہی میں چھ مہینے کے تھے جب آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا اس لیے آپ دنیا میں یتیم ہی کی حیثیت سے تشریف لائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ایک دن بھی آپ کو بے سہارا نہ چھوڑا۔ چھ سال کی عمر تک والدہ ماجدہ آپ کی پرورش کرتی رہیں۔ ان کی شفقت سے محروم ہوئے تو ۸ سال کی عمر تک آپ کے جد امجد نے آپ کو اس طرح پالا کہ ان کو نہ صرف آپ سے غیر معمولی محبت تھی بلکہ ان کو آپ پر فخر تھا اور وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ایک دن دنیا میں بڑا نام پیدا کرے گا۔ ان کا بھی انتقال ہو گیا تو آپ کے حقیقی چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت اپنے ذمے لی اور آپ کے ساتھ ایسی محبت کا برتاؤ کیا کہ کوئی باپ بھی اس سے زیادہ نہیں کر سکتا، حتیٰ کہ نبوت کے بعد جب ساری قوم آپ کی دشمن ہو گئی تھی اس وقت دس سال تک وہی آپ کی حمایت میں سینہ سپر رہے۔"[115]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال فرمارہے ہیں کہ اے نبی! ہم نے آپ کو ٹھکانہ نہیں دیا جب ساری قوم آپ کی دشمن تھی ہم نے آپ کی مدد فرمائی اور ہم نے ہر وقت، ہر

---

[113] مودودی، تفہیم القران،۵/ ۲۶۴ تا ۲۶۷

[114] القرآن،۹۳:۶

[115] مودودی، تفہیم القران،۶/ ۳۷۲

جگہ آپ کی مدد فرمائی۔ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی حوصلہ افزائی کے سوال فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی دنیا میں یتیم ہو یا مسکین، اللہ تبارک و تعالی کسی کو بھی بے یارو مدد گار نہیں چھوڑتے اللہ پاک ہر کسی کی مدد فرماتے ہیں اور چاہیے کہ ایمان والے لوگ اللہ پر ہی توکل کریں۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے ہیں اور ان کے مقابلے میں جو لوگ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اپنے معاملات کی درستگی نہیں کرتے اللہ کے بتائے ہوئے قوانین کی پاسداری نہیں کرتے، اسلام نے جن کاموں کرنے سے منع کیا ہے اس سے باز نہیں آتے اسے نہیں چھوڑتے یا زمین میں سرکشی اور فساد کو فروغ دیتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، یہ لوگ کبھی بھی ایمان والے لوگوں کے برابر نہیں ہوسکتے۔

قرآن مجید میں زندگی گزارنے کے لئے لیے تمام قسم کے احکامات موجود ہیں۔ اس فصل میں معاملات کے متعلق آیات استفہام تفسیر تفہیم القرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۱، سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۱۱، سورہ الرعد آیت نمبر ۳۱، ۳۳، سورۃ الحج آیت نمبر ۶۵، سورہ ص آیت نمبر ۲۸، سورۃ الزخرف آیت نمبر ۱۹، ۲۱، سورہ الجاثیہ آیت نمبر ۲۱، ۳۰، سورۃ الحجرات آیت نمبر، ۱۲، سورہ التکویر آیت نمبر ۹، سورہ الضحیٰ آیت نمبر ۶ شامل ہیں۔

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عقیدہ آخرت

آیاتِ استفہام اور فہم عقیدہ آخرت

کائنات کے نظام کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کسی چیز کے لئے کبھی ہمیشگی نہیں ہے، سب کی ایک عمر مقرر ہے وہ اپنی عمر مکمل کرنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اس کائنات کو کمال درجہ حکمت سے بنایا گیا ہے جس کی ہر شئے میں ایک قانون کار فرما ہے۔ دنیا میں نیکی و بدی، ظلم و عدل اور تعمیر و تحریک کرنے کے بعد مٹی میں مل جانا یہ حقیت نہیں ہے بلکہ ہر اچھائی اور برائی کا بدلہ ضرور ملے گا۔

حافظ عمران ایوب لاہوری اپنی کتاب "آخرت کی کتاب" میں لکھتے ہیں کہ:

"آخرت ان تمام امور کا نام ہے جو مرنے کے بعد انسان کو پیش آئیں گے آخرت کے لیے کہا گیا ہے کہ یہ دنیا کے بعد آنے والی ہے آخرت پر ایمان پر قائم ان میں سے ایک اہم رکن ہے کہ جب تک آخرت کے متعلق اللہ تعالی کی بتلائی ہوئی ہر خبر پر دل ایسا مطمئن نہ ہو جائے کہ کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے تب تک ایمان بالآخرت کا حصول ممکن نہیں اور ایسا اعتقاد رکھنے والا ہی حقیقی مومن ہے اس کے علاوہ آخرت پر ایمان کا یہ فائدہ ہے کہ اس سے رغبت، خوف اور اعمال صالحہ کی بجا آوری کے ذریعے رب العالمین کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے ہر جاندار نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور جو بھی ذی روح اس دنیا میں آیا ہے اس نے بالآخر یہاں سے رخصت ہونا ہے کوئی بھی موت سے نہیں بچ سکتا چاہے وہ خود کو مضبوط قلعوں میں بند ہی کیوں نہ کرلے اس لئے موت کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی ہے کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو ہمیں ہر وقت اسی جستجو میں رہنا چاہیے کہ انسان کو موت نصیب ہو"[116]

"اہل ایمان اللہ کے آخری محفوظ و موجود کلام کے حامل ہونے کے ناطے دنیائے انسانیت کے رہبر و ہادی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اپنے اعمال اور اپنی زندگی سے اس کا عملی ثبوت پیش کریں کہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔ اصل کامیابی رب کی رضا میں پوشیدہ ہے۔ کامیابی اس کے لیے ہے جو جہنم سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ اصل کامیابی وہ ہے جہاں جنت کی نعمتیں کبھی بھی ختم نہ ہوں گی؛ بلکہ

[116] لاہوری، حافظ عمران ایوب، آخرت کی کتاب، فقہ الحدیث پبلیکیشنز، لاہور، اپریل ۲۰۱۱، ص ۲۳۔

بڑھتی ہی جائیں گی۔ اور جہاں رب تعالیٰ کا دیدار سب سے بڑی نعمت ہو گی۔ جہاں اللہ تعالیٰ خود بندوں کو قرآن شریف پڑھ کر سنائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ اعلان فرمادیں گے کہ اے میرے بندو! اب میں تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوؤں گا۔ تاہم آخرت کی غیبی زندگی کی کامیابی کو حقیقی کامیابی سمجھنا اور دنیا کی مشاہدہ والی زندگی پر اس کو ترجیح دینا کوئی سادہ بات نہیں۔ بندہ سے مطلوب ہے کہ وہ ایمان واحتساب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔ واضح ہو کہ احتساب اس بات کو کہتے ہیں کہ بندہ کو عمل کے دوران عمل کی فضیلت وقیمت کا استحضار حاصل ہو۔ مثلاً اہل ایمان ایک مرتبہ سبحان اللہ کہہ کر اتنا خوش ہو کہ ہفتِ اقلیم کی سلطنت بھی اسے پھیکی لگنے لگے، ہفتِ اقلیم کی سلطنت تو ایک روز چھوٹ جائے گی؛ مگر ایک مرتبہ سبحان اللہ کا اجر وثواب کبھی بھی ختم نہیں ہو گا۔ درحقیقت ایمان واحتساب کے ساتھ اگر عمل کیا جائے تو پھر واقعی زندگی کا لطف ہے؛ اس لیے ہر اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ دین میں کامیابی کا شرح صدر حاصل کریں کہ یقین کیے بغیر دین پر عمل آوری نہیں ہو سکتی۔ اس حقیقت کو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی صورت میں اس طرح سمجھایا ہے۔ "بیٹا! نیک عمل اللہ تعالیٰ شانہ' کے ساتھ یقین کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جس کا یقین ضعیف ہو گا اس کا عمل بھی سست ہو گا۔"[117]

(ا) سورہ الرعد میں ارشاد ربانی ہے:

"وَ اِن تَعجَب فَعَجَبٌ قَولُهُم ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِی خَلقٍ جَدِیدٍ اُولٰئِكَ الَّذِینَ كَفَرُوا بِرَبِّهِم وَ اُولٰئِكَ الاَغلٰلُ فِی اَعنَاقِهِم وَ اُولٰئِكَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ "۔[118]

"اب اگر تمہیں تعجّب کرنا ہے تو تعجّب کے قابل لوگوں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سِروں سے پیدا کیے جائیں گے؟" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ربّ سے کُفر کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں یہ جہنّمی ہیں اور جہنّم میں ہمیشہ رہیں گے"۔

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

---

[117] رشیدی، محمد ضمیر، دنیافانی آخرت باقی، ماہنامہ دارالعلوم، جولائی ۲۰۱۴، شمارہ:۷، ج:۹۸، ص۲۵۔

[118] القرآن، ۱۳:۵

"یعنی ان کا آخرت سے انکار دراصل خدا سے اور اس کی قدرت اور حکمت سے انکار ہے۔ یہ صرف اتنا ہی نہیں کہتے کہ ہمارا مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ پیدا ہونا غیر ممکن ہے، بلکہ ان کے اسی قول میں یہ خیال بھی پوشیدہ ہے کہ معاذاللہ وہ خدا عاجز دور ماندہ اور نادان و بے خرد ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ گردن میں طوق پڑا ہونا قیدی ہونے کی علامت ہے۔ ان لوگوں کی گردنوں میں طوق پڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنی جہالت کے، اپنی ہٹ دھرمی کے، اپنی خواہشات نفس کے، اور اپنے آباواجداد کی اندھی تقلید کے اسیر بنے ہوئے ہیں۔ یہ آزادانہ غور و فکر نہیں کرسکتے۔ انہیں ان کے تعصبات نے ایسا جکڑ رکھا ہے کہ یہ آخرت کو نہیں مان سکتے اگرچہ اس کا ماننا سراسر معقول ہے، اور انکار آخرت پر جمے ہوئے ہیں اگرچہ وہ سراسر نامعقول ہے۔"[119]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بطور انذار کے سوال فرمارہے ہیں کہ ان لوگوں کو تعجب ہے دوبارہ پیدا کئے جانے پر تو ان کی کم عقلی ہے اللہ پاک جو پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ کیونکر نہیں؟ جو آخرت کا انکار کرتے ہیں یہ کفر کرتے ہیں قیامت کے دن انکی گردنوں میں طوق ڈالا جائے گا اور یہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۲) سورہ العنکبوت میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اَوَلَمۡ يَرَوۡا كَيۡفَ يُبۡدِئُ اللّٰهُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰ لِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ "[120]

"کیا اِن لوگوں نے کبھی دیکھا ہی نہیں ہے کہ اللہ کس طرح خلق کی ابتدا کرتا ہے،

پھر اُس کا اعادہ کرتا ہے؟ یقیناً یہ (اعادہ تو) اللہ کے لیے آسان تر ہے۔"

نیز فرمایا:

"قُلۡ سِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَانْظُرُوۡا كَيۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنۡشِئُ النَّشۡاَةَ الۡاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ "[121]

---

[119] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/۶۴۶

[120] القرآن، ۲۹:۱۹

[121] ایضاً، ۲۰

"ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح خلق کی ابتدا کی ہے، پھر اللہ بار دیگر بھی زندگی بخشے گا۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا ہے جو بنیادی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ ایک شرک و بت پرستی، دوسرے انکار آخرت۔ ان میں سے پہلی گمراہی کا رد حضرت ابراہیم کی اس تقریر میں آچکا ہے جو اوپر نقل کی گئی ہے۔ اب دوسری گمراہی کے رد میں یہ چند فقرے اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ارشاد فرما رہا ہے تاکہ دونوں کی تردید ایک ہی سلسلہ کلام میں ہو جائے۔ یعنی ایک طرف بیشمار اشیاء عدم سے وجود میں آتی ہیں، اور دوسری طرف ہر نوع کے افراد کے مٹنے کے ساتھ پھر ویسے ہی افراد وجود میں آتے چلے جاتے ہیں۔ مشرکین اس بات کو مانتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ کی صفت خلق وایجاد کا نتیجہ ہے۔ انہیں اللہ کے خالق ہونے سے انکار نہ تھا، جس طرح آج کے مشرکین کو نہیں ہے، اس لیے ان کی اپنی مانی ہوئی بات پر یہ دلیل قائم کی گئی ہے کہ جو خدا تمہارے نزدیک اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے اور پھر ایک ہی دفعہ تخلیق کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ تمہاری آنکھوں کے سامنے مٹ جانے والی اشیاء کی جگہ پھر ویسی ہی اشیاء پے در پے وجود میں لاتا چلا جاتا ہے، اس کے بارے میں آخر تم نے یہ کیوں سمجھ رکھا ہے کہ تمہارے مر جانے کے بعد وہ پھر تمہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھا کھڑا نہیں کر سکتا۔ یعنی جب خدا کی کاریگری سے بار اول کی تخلیق کا تم خود مشاہدہ کر رہے ہو تو تمہیں سمجھنا چاہیے کہ اسی خدا کی کاریگری سے بار دیگر بھی تخلیق ہو گی۔ ایسا کرنا اس کی قدرت سے باہر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔"[122]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں نہ پہلی پیدائش کی طرف نہیں دیکھا کیا ہم دوبارہ اس طرز پر پیدا نہیں فرما سکتے؟ اگر مشکل ہوتا تو پہلی دفعہ پیدا کرنا مشکل ہوتا اللہ کے لئے پہلی دفعہ آسان ہے تو دوبارہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔

(۳) سورہ الروم میں ارشاد ربّانی ہے:

"اَوَلَم يَتَفَكَّرُوا فِي اَنفُسِهِم مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ وَمَا بَينَهُمَا اِلَّا بِالحَقِّ

[122] مودودی، تفہیم القران، ۳/ ۶۸۸، ۶۸۹

وَاَجَلٍ مُّسَمًّى وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ "[123]

"کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مقرر مدت ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے منکر ہیں۔"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ آخرت پر بجائے خود ایک مستقل استدلال ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ باہر کسی طرف نگاہ دوڑانے سے پہلے خود اپنے وجود پر غور کرتے تو انہیں اپنے اندر ہی وہ دلائل مل جاتے جو موجودہ زندگی کے بعد دوسری زندگی کی ضرورت ثابت کرتے ہیں۔ انسان کی تین امتیازی خصوصیات ایسی ہیں جو اس کو زمین کی دوسری موجودات سے ممیز کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ زمین اور اس کے ماحول کی بے شمار چیزیں اس کے لیے مسخر کر دی گئی ہیں، اور ان پر تصرف کے وسیع اختیارات اس کو بخش دیے گئے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسے اپنی راہ زندگی کے انتخاب میں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایمان اور کفر، طاعت اور معصیت، نیکی اور بدی کی راہوں میں سے جس راہ پر بھی جانا چاہے جا سکتا ہے۔ حق اور باطل، صحیح اور غلط جس طریقے کو بھی اختیار کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ ہر راستے پر چلنے کے لیے اسے توفیق دے دی جاتی ہے اور اس پر چلنے میں وہ خدا کے فراہم کردہ ذرائع استعمال کر سکتا ہے، خواہ وہ خدا کی اطاعت کا راستہ ہو یا اس کی نافرمانی کا راستہ۔ تیسرے یہ کہ اس میں پیدائشی طور پر اخلاق کی حس رکھ دی گئی ہے جس کی بنا پر وہ اختیاری اعمال اور غیر اختیار اعمال میں فرق کرتا ہے، اختیاری اعمال پر نیکی اور بدی کا حکم لگاتا ہے اور بداہتہ یہ رائے قائم کرتا ہے کہ اچھا عمل جزا کا اور برا عمل سزا کا مستحق ہونا چاہیے۔ یہ تینوں خصوصیتیں جو انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ کوئی وقت ایسا ہونا چاہیے جب انسان سے محاسبہ کیا جائے۔ جب اس سے پوچھا جائے کہ جو کچھ دنیا میں اس کو دیا گیا تھا اس پر تصرف کے اختیارات کو اس نے کس طرح استعمال کیا؟ جب یہ دیکھا جائے کہ اس نے اپنی آزادی انتخاب کو استعمال کر کے صحیح راستہ اختیار کیا یا غلط؟ جب اس کے اختیاری اعمال کی جانچ کی جائے اور نیک عمل پر جزا اور برے عمل پر سزا دی

---

[123] القرآن، ۳۰:۸

جائے"۔[124]

" یہ وقت لا محالہ انسان کا کارنامہ زندگی ختم اور اس کا دفتر عمل بند ہونے کے بعد ہی آسکتا نہ کہ اس سے پہلے۔ اور یہ وقت لازما اسی وقت آنا چاہیے جب کہ ایک فرد یا ایک قوم کا نہیں بلکہ تمام انسانوں کا دفتر عمل بند ہو۔ کیونکہ ایک فرد یا ایک قوم کے مر جانے پر ان اثرات کا سلسلہ ختم نہیں ہو جاتا جو اس نے اپنے اعمال کی بدولت دنیا میں چھوڑے ہیں۔ اس کے چھوڑے ہوئے اچھے یا برے اثرات بھی تو اس کے حساب میں شمار ہونے چاہیں۔ یہ اثرات جب تک مکمل طور پر ظاہر نہ ہولیں انصاف کے مطابق پورا محاسبہ کرنا اور پوری جزا یا سزا دینا کیسے ممکن ہے ؟ اس طرح انسان کا اپنا وجود اس بات کی شہادت دیتا ہے اور زمین میں انسان کو جو حیثیت حاصل ہے وہ آپ سے آپ اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ دنیا کی موجودہ زندگی کے بعد ایک دوسرے زندگی ایسی ہو جس میں عدالت قائم ہو، انصاف کے ساتھ انسان کے کارنامہ زندگی کا محاسبہ کیا جائے، اور ہر شخص کو اس کے کام کے لحاظ سے جزا دی جائے"۔[125]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے انکار کرنے والوں سے استعجاب فرما رہے ہیں کہ کیا انہوں نے اپنے آپ میں غور نہیں کیا کہ ہم نے کس طرح انکی تخلیق فرمائی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب کچھ اللہ ہی نے تخلیق کیا ہے۔ کیا اب بھی تم ہمارے پاس لوٹ آنے کے بارے میں شکوک کا شکار ہو؟ عقل والوں کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

اس فقرے میں آخرت کی دو مزید دلیلیں دی گئی ہیں۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اگر انسان اپنے وجود سے باہر کے نظام کائنات کو بنظر غور دیکھے تو اسے دو حقیقتیں نمایاں نظر آئیں گی۔ ایک یہ کہ یہ کائنات برحق بنائی گئُ ہے۔ یہ کسی بچے کا کھیل نہیں ہے کہ محض دل بہلانے کے لیے اس نے ایک بے ڈھنگا سا گھروندا بنالیا ہو جس کی تعمیر اور تخریب دونوں ہی بے معنی ہوں۔ بلکہ یہ ایک سنجیدہ نظام ہے جس کا ایک ایک ذرہ اس بات پر گواہی دے رہا ہے کہ اسے کمال درجہ حکمت کے ساتھ بنایا گیا ہے، جس کی ہر چیز میں ایک قانون کار فرما ہے، جس کی ہر شے با مقصد ہے۔ انسان کا سارا تمدن اور اس کی پوری معیشت اور اس کے تمام علوم وفنون خود اس بات پر گواہ ہیں۔ دنیا کی ہر چیز کے پیچھے کام کرنے والے قوانین کو دریافت کر کے

[124] مودودی، تفہیم القران، ۳/ ۷۳۳

[125] مودودی، تفہیم القران، ۳/ ۷۳۴

اور ہر شے جس مقصد کے لیے بنائی گئی ہے اسے تلاش کر کے ہی انسان یہاں یہ سب کچھ تعمیر کر سکا ہے۔ ورنہ ایک بے ضابطہ اور بے مقصد کھلونے میں اگر ایک پتلے کی حیثیت سے اس کو رکھ دیا گیا ہوتا تو کسی سائنس اور کسی تہذیب و تمدن کا تصور تک نہ کیا جاسکتا تھا۔ اب آخر یہ بات تمہاری عقل میں کیسے سماتی ہے کہ جس حکیم نے اس حکمت اور مقصدیت کے ساتھ یہ دنیا بنائی ہے اور اس کے اندر تم جیسی ایک مخلوق کو اعلی درجہ کی ذہنی و جسمانی طاقتیں دے کر، اختیارات دے کر، آزادی انتخاب دے کر، اخلاق کی حس دے کر اپنی دنیا کا بیشمار سر و سمان تمہارے حوالہ کیا ہے، اس نے تمہیں بے مقصد ہی پیدا کر دیا ہو گا؟ تم دنیا میں تعمیر و تخریب اور نیکی و بدی، اور ظلم و عدل اور راستی و ناراستی کے سارے ہنگامے برپا کرنے کے بعد بس یونہی مر کر مٹی میں مل جاؤ گے اور تمہارے کسی اچھے یا برے کام کا کوئی نتیجہ نہ ہو گا؟ تم اپنے ایک ایک عمل سے اپنی اور اپنے جیسے ہزاروں انسانوں کی زندگی پر اور دنیا کی بیشمار اشیاء پر بہت سے مفید یا مضر اثرات ڈال کر چلے جاؤ گے اور تمہارے مرتے ہی یہ سارا دفتر عمل بس یونہی لپیٹ کر دریابرد نہیں کیا جائے گا؟

(۴) سورہ الروم کی آیت نمبر ۹ میں ارشادِ ربانی ہے:

"اَوَلَم یَسِیرُوا فِی الاَرضِ فَیَنظُرُوا کَیفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِینَ مِن قَبلِھِم کَانُوا اَشَدَّ مِنھُم قُوَّۃً وَّاَثَارُوا الاَرضَ وَعَمَرُوھَا اَکثَرَ مِمَّا عَمَرُوھَا وَجَآءَتھُم رُسُلُھُم بِالبَیِّنٰتِ فَمَا کَانَ اللہُ لِیَظلِمَھُم وَلٰکِن کَانُوا اَنفُسَھُم یَظلِمُونَ "[126]

”اور کیا یہ لوگ کبھی زمین میں چلے پھرے نہیں ہیں کہ انہیں ان لوگوں کا انجام نظر آتا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ وہ ان سے زیادہ طاقت رکھتے تھے، انہوں نے زمین کو خوب ادھیڑا تھا۔ اور اسے اتنا آباد کیا تھا جتنا انہوں نے نہیں کیا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں لے کر آئے۔ پھر اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔“

صاحبِ تفسیر اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

---

[126] القرآن، ۹:۳۰۔

"یہ آخرت کے حق میں تاریخی استدلال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آخرت کا انکار دنیا میں دوچار آدمیوں ہی نے تو نہیں کیا ہے۔ انسانی تاریخ کے دوران میں کثیر التعداد انسان اس مرض میں مبتلا ہوتے رہے ہیں۔ بلکہ پوری پوری قومیں ایسی گزری ہیں جنہوں نے یا تو اس کا انکار کیا ہے، اس سے غافل ہو کر رہی ہیں، یا حیات بعد الموت کے متعلق ایسے غلط عقیدے ایجاد کر لیے ہیں جن سے آخرت کا عقیدہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر تاریخ کا مسلسل تجربہ یہ بتاتا ہے کہ انکار آخرت جس صورت میں بھی کیا گیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اخلاق بگڑے، وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھ کر شتر بے مہار بن گئے، انہوں نے ظلم و فساد اور فسق و فجور کی حد کر دی، اور اسی چیز کی بدولت قوموں پر قومیں تباہ ہوتی چلی گئیں۔ کیا ہزاروں سال کی تاریخ کا یہ تجربہ، جو پے در پے انسانی نسلوں کو پیش آتا رہا ہے، یہ ثابت نہیں کرتا کہ آخرت ایک حقیقت ہے جس کا انکار انسان کے لیے تباہ کن ہے؟ انسان کشش ثقل کا اسی لیے تو قائل ہوا ہے کہ تجربے اور مشاہدے سے اس نے مادی اشیاء کو ہمیشہ زمین کی طرف گرتے دیکھا ہے"۔[127]

" انسان نے زہر کو زہر اسی لیے تو مانا ہے کہ جس نے بھی زہر کھایا وہ ہلاک ہوا۔ اسی طرح جب آخرت کا انکار ہمیشہ انسان کے لیے اخلاقی بگاڑ کا موجب ثابت ہوا ہے تو کیا یہ تجربہ یہ سبق دینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ آخرت ایک حقیقت ہے اور اس کو نظر انداز کر کے دنیا میں زندگی بسر کرنا غلط ہے؟ اصل میں لفظ اَثَارُوا الْاَرْضَ استعمال ہوا ہے۔ اس کا اطلاق زراعت کے لیے ہل چلانے پر بھی ہو سکتا ہے اور زمین کھود کر زمین پانی، نہریں، کاریزیں اور معدنیات وغیرہ نکالنے پر بھی"۔[128]

اس میں ان لوگوں کے استدلال کا جواب موجود ہے جو محض مادی ترقی کو کسی قسم کے صالح ہونے کی علامت سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جن لوگوں نے زمین کے ذرائع کو اتنے بڑے پیمانے پر استعمال (exploit) کیا ہے، جنہوں نے دنیا میں عظیم الشان تعمیری کام کیے ہیں اور ایک شاندار تمدن کو جنم دیا ہے، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کا ایندھن بنا دے۔ قرآن اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ یہ "تعمیری کام" پہلے بھی بہت سی قوموں نے بڑے پیمانے پر کیے ہیں، پھر کیا تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا

---

[127] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۷۵۳

[128] ایضاً۔

کہ وہ قومیں اپنی تہذیب اور اپنے تمدن سمیت پیوند خاک ہو گئیں اور ان کی "تعمیر" کا قصر فلک بوس زمین پر آرہا؟ جس خدا کے قانون نے یہاں عقیدہ حق اور اخلاق صالحہ کے بغیر محض مادی تعمیر کی یہ قدر کی ہے، آخر کیا وجہ ہے کہ اسی خدا کا قانون دوسرے جہان میں انہیں واصل جہنم نہ کرے؟ یعنی ایسی نشانیاں لے کر آئے جو ان کے نبی صادق ہونے کا یقین دلانے کے لیے کافی تھیں۔ اس سیاق وسباق میں انبیاء کی آمد کے ذکر کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف انسان کے اپنے وجود میں، اور اس سے باہر ساری کائنات کے نظام میں، اور انسانی تاریخ کے مسلسل تجربے میں آخرت کی شہادتیں موجود تھیں، اور دوسری طرف پے در پے ایسے انبیاء بھی آئے جن کے ساتھ ان کی نبوت کے برحق ہونے کی کھلی کھلی علامتیں پائی جاتی تھیں اور انہوں نے انسانوں کو خبردار کیا کہ فی الواقع آخرت آنے والی ہے۔ یعنی اس کے بعد جو تباہی ان قوموں پر آئی وہ ان پر خدا کا ظلم نہ تھا بلکہ وہ ان کا اپنا ظلم تھا جو انہوں نے اپنے اوپر کیا۔ جو شخص یا گروہ نہ خود صحیح سوچے اور نہ کسی سمجھانے والے کے سمجھانے سے صحیح رویہ اختیار کرے اس پر اگر تباہی آتی ہے تو وہ آپ ہی اپنے برے انجام کا ذمہ دار ہے۔ خدا پر اس کا الزام عائد نہیں کیا جا سکتا۔ خدا نے تو اپنی کتابوں اور اپنے انبیاء کے ذریعہ سے انسان کو حقیقت کا علم دینے کا انتظام بھی کیا ہے، اور وہ علمی و عقلی وسائل بھی عطا کیے ہیں جن سے کام لے کر وہ ہر وقت انبیاء اور کتب آسمانی کے دیے ہوئے علم کی صحت جانچ سکتا ہے۔ اس رہنمائی اور ان ذرائع سے اگر خدا نے انسان کو محروم رکھا ہوتا اور اس حالت میں انسان کو غلط روی کے نتائج سے دوچار ہونا پڑتا تب خدا پر ظلم کے الزام کی گنجائش نکل سکتی تھی۔"[129]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ حق کے اثبات میں سوال فرما رہے ہیں کہ تم لوگ زمین میں چل پھر کر دیکھو ہم نے ایسی اقوام بھی پیدا فرمائیں تھیں جو تم میں طاقت و قوت، مال و دولت کے لحاظ سے تم سے بہت بہتر تھیں مگر انہوں نے ہماری نافرمانی کی تو ہم نے انکو عذاب سے دوبار کر دیا اور اب دیکھا انکا نشان تک نہیں ہے ایسے ہی ہم ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔

(۵) سورہ السجدہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

---

[129] مودودی، تفہیم القرآن، ۳/ ۷۳۵

"وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعۡرَضَ عَنۡهَا ؕ اِنَّا مِنَ الۡمُجۡرِمِيۡنَ مُنۡتَقِمُوۡنَ "[130]

"اور اُس سے بڑا ظالم کون ہو گا جسے اس کے ربّ کی آیات کے ذریعہ سے نصیحت کی جائے اور پھر وہ ان سے منہ پھیر لے۔ ایسے مجرموں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"رب کی آیات "یعنی اس کی نشانیوں کے الفاظ بہت جامع ہیں جن کے اندر تمام اقسام کی نشانیاں آجاتی ہیں۔ قرآن مجید کے جملہ بیانات کو نگاہ میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانیاں حسب ذیل چھ قسموں پر مشتمل ہیں۔"

1. وہ نشانیاں جو زمین سے لے کر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائی جاتی ہیں۔
2. وہ نشانیاں جو انسان کی اپنی پیدائش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہے۔
3. وہ نشانیاں جو انسان کے وجدان میں، اسکے لاشعور میں، اور اس کے اخلاقی تصورات میں پائی جاتی ہیں۔
4. وہ نشانیاں جو انسانی تاریخ کے مسلسل تجربات میں پائی جاتی ہیں۔
5. وہ نشانیاں جو انسان پر آفات ارضی و سماوی کے نزول میں پائی جاتی ہیں۔
6. اور ان سب کے بعد وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بھیجیں تاکہ معقول طریقے سے انسان کو انہی حقائق سے آگاہ کیا جائے جن کی طرف اوپر کی تمام نشانیاں اشارہ کر رہی ہیں۔ یہ ساری نشانیاں پوری ہم آہنگی اور بلند آہنگی کے ساتھ انسان کو یہ بتارہی ہیں کہ تو بے خدا نہیں ہے، نہ بہت سے خداؤں کا بندہ ہے، بلکہ تیرا خدا صرف ایک ہی ہے جس کی

[130] القرآن، ۳۲:۲۲

عبادت و اطاعت کے سوا تیرے لیے کوئی دوسرا راستہ صحیح نہیں ہے۔ تو اس دنیا میں آزاد و خود مختار اور غیر ذمہ دار بنا کر نہیں چھوڑ دیا گیا ہے بلکہ تجھے اپنا کارنامۂ حیات ختم کرنے کے بعد اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو کر جواب دہی کرنی ہے اور اپنے عمل کے لحاظ سے جزا اور سزا پانی ہے۔ پس تیری اپنی خیر اسی میں ہے کہ تیرے خدا نے تیری رہنمائی کے لیے اپنے انبیاء اور اپنی کتابوں کے ذریعہ سے جو ہدایت بھیجی ہے اس کی پیروی کر اور خود مختاری کی روش سے باز آ جا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جس انسان کو اتنے مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا ہو، جس کی فہمائش کے لیے طرح طرح کی اتنی بیشمار نشانیاں فراہم کی گئی ہوں، اور جسے دیکھنے کے لیے آنکھیں سننے کے لیے کان، اور سوچنے سمجھنے کے لیے دل کی نعمتیں بھی دی گئی ہوں، وہ اگر ان ساری نشانیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، سمجھانے والوں کی تذکیر و نصیحت کے لیے بھی اپنے کان بند کر لیتا ہے، اور اپنے دل و دماغ سے بھی اوندھے فلسفے ہی گھڑنے کا کام لیتا ہے، اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ پھر اسی کا مستحق ہے کہ دنیا میں اپنے امتحان کی مدت ختم کرنے کے بعد جب وہ اپنے خدا کے سامنے حاضر ہو تو بغاوت کی بھرپور سزا پائے۔"[131]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بطور انذار کے سوال فرما رہے ہیں کہ اس سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے جو ہماری آیات کو دیکھتے کر جان بوجھ کر آخرت کو انکار کرتا ہے۔ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن ضرور بالضرور سزا دی جائے گی۔

(٦) سورہ السجدہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اَوَلَمۡ يَهۡدِ لَهُمۡ كَمۡ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ يَمۡشُوۡنَ فِىۡ مَسٰكِنِهِمۡ ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ ‌ؕ اَفَلَا يَسۡمَعُوۡنَ "[132]

---

[131] مودودی، تفہیم القرآن، ۴۸/۵

[132] القرآن، ۲۶:۳۲

"اور کیا ان لوگوں کو (اِن تاریخی واقعات میں) کوئی ہدایت نہیں ملی کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کی جگہوں میں آج یہ چلتے پھرتے ہیں؟ اس میں بڑی نشانیاں ہیں، کیا یہ سُنتے نہیں ہیں؟"

نیز فرمایا:

"وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ "[133]

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ فیصلہ کب ہو گا اگر تم سچے ہو؟"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یعنی کیا تاریخ کے اس مسلسل تجربے سے ان لوگوں نے کوئی سبق نہیں لیا کہ جس قوم میں بھی خدا کا رسول آیا ہے اس کی قسمت کا فیصلہ اس رویے کے ساتھ معلق ہو گیا ہے جو اپنے رسول کے معاملہ میں اس نے اختیار کیا۔ رسول کو جھٹلا دینے کے بعد پھر کوئی قوم بچ نہیں سکی ہے۔ اس میں سے بچے ہیں تو صرف وہی لوگ جو اس پر ایمان لائے۔ انکار کر دینے والے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سامان عبرت بن کر رہ گئے۔ تمام اقوام میں رسول بھیجنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ انکو سیدھے راستے کی پیروی کا حکم دیا جائے اور آخرت کے عذاب سے ڈرایا جائے۔ پھر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قیامت کب ہو گی ہمیں کوئی نشانی دکھلائی جائے تو ہم پھر ایمان لائیں گے مگر یہ اتنے بڑے بڑے معجزات دیکھنے کے باوجود بھی ایمان نہیں لاتے تو قیا۔ت کو دیکھ کر بھی انکا ہی کریں گے"۔[134]

اس آیت میں اللہ پاک بطور حیرت کے سوال فرما رہے ہیں کہ کیا یہ گزشتہ اقوام کے حالات و واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ہم نے ان کو کس طرح ہر نعمت سے مالامال کیا ہوا تھا ہر طرح کی آسائشیں فراہم کی ہوئیں تھیں پھر بھی ان آسائشوں کے باوجود انہوں نے خدائے برحق کو جھٹلایا تو ان پر ہمارا عذاب ایسے آیا کہ کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئی اور کوئی بھی ذی روح نہ بچ سکا جو انسان بھی اللہ تبارک و تعالی کی نافرمانی کرتا ہے ہے اللہ پاک اسے ایسے ہی عذاب سے دوچار فرماتے ہیں یہ اللہ تعالی کا

[133] ایضاً:۲۸

[134] مودودی، تفہیم القران، ۴/۵۰,۵۱

قانون ہے کہ جو انسان اچھے کام کرے گا اسی کے مطابق اجر دیا جائے گا جو انسان برے اعمال کرے گا، اسی کے موافق اس کو قیامت کے دن دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

(۷) سورہ فاطر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ أَوَلَمْ نُعَمِّرْكُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ"[135]

"وہ وہاں چیخ چیخ کر کہیں گے کہ "اے ہمارے ربّ، ہمیں یہاں سے نکال لے تاکہ ہم نیک عمل کریں اُن اعمال سے مختلف جو پہلے کرتے رہے تھے۔" (انہیں جواب دیا جائے گا) "کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی جس میں کوئی سبق لینا چاہتا تو سبق لے سکتا تھا؟ اور تمہارے پاس متنبّہ کرنے والا بھی آچکا تھا۔ اب مزا چکھو۔ ظالموں کا یہاں کوئی مددگار نہیں ہے۔"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اس سے مراد ہر وہ عمر ہے جس میں آدمی اس قابل ہو سکتا ہو کہ اگر وہ نیک و بد اور حق و باطل میں امتیاز کرنا چاہے تو کر سکے اور گمراہی چھوڑ کر ہدایت کی طرف رجوع کرنا چاہے تو کر سکے۔ اس عمر کو پہنچنے سے پہلے اگر کوئی شخص مر چکا ہو تو اس آیت کی رو سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔ البتہ جو اس عمر کو پہنچ چکا ہو وہ اپنے عمل کے لیے لازماً جواب دہ قرار پائے گا، اور پھر اس عمر کے شروع ہو جانے کے بعد جتنی مدت بھی وہ زندہ رہے اور سنبھل کر راہ راست پر آنے کے لیے جتنے مواقع بھی اسے ملتے چلے جائیں اتنی ہی اس کی ذمہ داری شدید تر ہوتی چلے جائے گی، یہاں تک کہ جو شخص بڑھاپے کو پہنچ کر بھی سیدھا نہ ہو اس کے لیے کسی عذر کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔[136]

اس آیت میں قیامت کے دن کی منظر کشی کی گئی ہے کہ جہنم والے اس دن فریاد کریں گے کہ اے ہمارے رب! ہمیں اس جہنم سے نکال دے اب ہم تیری فرمانبرداری کریں گے اور نیک اعمال کریں

---

[135] القرآن،۳۵:۳۷

[136] مودودی، تفہیم القرآن،۴/ ۹۰

گے۔ اللہ پاک ان سے معلومات کو یقینی بنانے کے لیے سوال فرمائیں گے کہ کیا ہم نے تم کو لمبی عمر نہ دی تھی؟ کیا ہم نے تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں بھیجا تھا؟ اگر تم چاہتے تو نصیحت حاصل کر سکتے تھے مگر تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی نے تمکو ایسا نہیں کرنے دیا سو اب تم عذاب کا مزہ چکھو۔

(۸) سورہ الزمر میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَفَمَن حَقَّ عَلَيهِ كَلِمَةُ العَذَابِ اَفَاَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ "[137]

"(اے نبیؐ) اُس شخص کو کون بچا سکتا ہے جس پر عذاب کا فیصلہ چسپاں ہو چکا ہو؟

کیا تم اُسے بچا سکتے ہو جو آگ میں گر چکا ہوِ"

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"جس انسان نے اپنے آپ کو خدا کے عذاب کا مستحق بنالیا ہو اور اللہ نے فیصلہ فرما دیا ہو کہ اسے اب سزا دینی ہے۔ اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالی فرمارہے ہیں کہ اے نبی جس کے بارے میں ہم عذاب کا فیصلہ کر چکے ہوں آپ بھی کچھ نہیں کر سکتے کیونکہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے لوگوں کے لئے چاہتے تھے کہ وہ ایمان لے آئیں کہ مگر اللہ تبارک تعالی نے نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دیا تھا کہ اے نبی آپ کا کام صرف نصیحت کرنا ہے باقی ایمان لانا اللہ پاک کی توفیق سے ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی گناہ گار شخص جس کے لئے اللہ تبارک وتعالی عذاب کا فیصلہ اس کے برے اعمال کی بدولت ہو تو اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش بھی قبول نہیں کی جائے گی اس لیے اللہ تبارک وتعالی لوگوں کو ترغیب دینے کے لیے سوال فرمارہے ہیں کہ جو لوگ ساری زندگی بھی برے اعمال کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور قیامت کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سفارش فرمائیں گے تو ان کے اس قول کی تردید کی جارہی ہے کیونکہ سفارش بھی قابل قبول ہوتی ہے جب انسان اللہ پر یقین رکھتا ہے اسی پر بھروسہ رکھتا ہے اور اسی کو کارساز حقیقی سمجھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بھی یہی فرمایا تھا کہ اے فاطمہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تو نبی کی بیٹی ہے تو تیری بخشش ہو جائے گی بلکہ ہر انسان اپنے اعمال کے کے بل بوتے پر پر سزا یا جزا کا مستحق قرار پائے

[137] القرآن، ۱۹:۳۹

گا کہ اس سے ثابت ہوا کہ کسی انسان کو نبی امت کے دن کوئی بھی قرابتداری میری یانسبت فائدہ نہیں دے گی ان جو کچھ دنیا میں بوئے گا وہی آخرت میں کاٹے گا دنیا آخرت کی کھیتی ہے ہر انسان کو کو اس کے اعمال حسنہ کے بدلے میں جنت اور ہمارے سیئہ عمل کے بدلے دوزخ کا سامنا کرنا ہو گا"۔[138]

اس آیت میں بطور زجر و توبیخ کے اللہ پاک سوال فرما رہے ہیں کہ اللہ پاک جس کے لیے عذاب کا فیصلہ فرمادیں تو اس کو اس فیصلے کو کوئی روکنے والا نہیں ہے، کوئی بھی اس شخص کی مدد نہ کر سکے گا جس کے بارے میں اس کے برے اعمال کی بدولت عذاب دینے کا فیصلہ کر دیا جائے۔

(۹) سورہ ق میں ارشاد الٰہی ہے:

"اَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ "[139]

"کیا پہلی بار کی تخلیق سے ہم عاجز تھے؟ مگر ایک نئی تخلیق کی طرف سے یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے ہیں۔"

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"یہ آخرت کے حق میں عقلی استدلال ہے۔ جو شخص خدا کا منکر نہ ہو اور حماقت کی اس حد تک نہ پہنچ گیا ہو کہ اس منظم کائنات اور اس کے اندر انسان کی پیدائش کو محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے لگے، اس کے لیے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں ہے کہ خدا ہی نے ہمیں اور اس پوری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اب یہ امر واقعہ کہ ہم اس دنیا میں زندہ موجود ہیں اور زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، اب یہ اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ خدا ہمیں اور اس کائنات کو پیدا کرنے سے عاجز نہ تھا۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ قیامت برپا کرنے کے بعد وہی خدا ایک دوسرا نظام عالم نہ بنا سکے گا، اور موت کے بعد وہ ہمیں دوبارہ پیدا نہ کر سکے گا، تو وہ محض ایک خلاف عقل بات کہتا ہے۔ خدا عاجز ہوتا تو پہلے ہی پیدا نہ کر سکتا۔ جب وہ پہلے پیدا کر چکا ہے اور اسی تخلیق کی بدولت ہم خود وجود میں آئے بیٹھے ہیں، تو یہ فرض کر لینے کے لیے آخر کیا معقول بنیاد ہو سکتی ہے کہ اپنی ہی بنائی ہوئی چیز کو توڑ کر پھر بنا دینے

---

[138] مودودی، تفہیم القرآن، ۵/ ۱۰۲۔

[139] القرآن، ۵۰:۱۵

سے وہ عاجز ہو جائے گا؟"۔[140]

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ کے اثبات کے بارے میں سوال فرمارہے ہیں کہ ہم انسان کو پہلی دفعہ بناسکتے ہیں تو دوسری بار بنانا بھی ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔جب یہ کائنات ختم ہو جائے گی تو اس کی جگہ ایک دوسرا نظام لے لے گا۔اور دنیا کے نظام کا بننا اور اس کا ختم ہونا، آخرت کے نظام کے اس کی جگہ لے لینا یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے لیکن ایسی ذات موجود ہے جو ان نظاموں کو کنٹرول کر رہی ہے۔اور ان نظاموں میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں ہے جو خدا کی قدرت سے ماورا ہو۔ تمام نظام اللہ کی قدرت کے ماتحت چل رہے ہیں اور خدا کسی بھی نظام کو بنانے یا چلانے سے عاجز نہیں ہے۔

(۱۰)سورہ طور میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَفَسِحرٌ هٰذَآ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ "[141]

"اب بتاؤ یہ جادو ہے یا تمھیں سُوجھ نہیں رہا ہے؟"

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"دنیا میں جب رسول تمہیں اس جہنم کے عذاب سے ڈراتے تھے تو تم کہتے تھے کہ یہ محض الفاظ کی جادوگری ہے جس سے ہمیں بیوقوف بنایا جارہا ہے۔اب بولو، یہ جہنم جو تمہارے سامنے ہے یہ اسی جادو کا کرشمہ ہے یا اب بھی تمہیں نہ سوجھا کہ واقعی اسی جہنم سے تمہارا پالا پڑ گیا ہے جس کی خبر تمہیں دی جارہی تھی؟یہ ہے وہ حقیقت جس پر ان پانچ چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے۔رب کے عذاب سے مراد آخرت ہے۔چونکہ یہاں اس پر ایمان لانے والے مخاطب نہیں ہیں بلکہ اس کا انکار کرنے والے مخاطب ہیں، اور ان کے حق میں اس کا آنا عذاب ہی ہے، اس لیے اس کو قیامت یا آخرت یا روز جزا کہنے کے بجائے "رب کا عذاب" کہا گیا ہے۔اب غور کیجیے کہ اس کے وقوع پر وہ پانچ چیزیں کس طرح دلالت کرتی ہیں جن کی قسم کھائی گئی ہے۔[142]

---

[140] مودودی، تفہیم القرآن،۵/ ۱۱۴

[141] القرآن،۵۲:۱۵

[142] مودودی، تفہیم القرآن،۵/ ۱۶۵۔

طور وہ جگہ ہے جہاں ایک دبی اور پسی ہوئی قوم کو اٹھانے اور ایک غالب و قاہر قوم کو گرانے کا فیصلہ کیا گیا، مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل جیسی ایک بے بس قوم کا اٹھایا جانا اور فرعون جیسے ایک زبردست فرمانروا کا اپنے لشکروں سمیت غرق کر دیا جانا، جس کا فیصلہ ایک سنسان رات میں کوہ طور پر کیا گیا تھا، انسانی تاریخ میں اس امر کی ایک نمایاں ترین مثال ہے کہ سلطنت کائنات کا مزاج کس طرح انسان جیسی ایک ذی عقل و ذی اختیار مخلوق کے معاملہ میں اخلاقی محاسبے اور جزائے اعمال کا تقاضا کرتا ہے، اور اس تقاضے کی تکمیل کے لیے ایک ایسا یوم الحساب ضروری ہے جس میں پوری نوع انسانی کو اکٹھا کر کے اس کا محاسبہ کیا جائے۔ کُتُب مُقدَّسہ کے مجموعے کی قسم اس بنا پر کھائی گئی ہے کہ خداوند عالم کی طرف سے دنیا میں جتنے بھی انبیاء آئے اور جو کتابیں بھی وہ لائے، ان سب نے ہر زمانے میں وہی ایک خبر دی ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دے رہے ہیں، یعنی یہ کہ تمام اگلے پچھلے انسانوں کو ایک دن از سر نو زندہ ہو کر اپنے خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا پانی ہے۔ کوئی کتاب آسمانی کبھی ایسی نہیں آئی ہے جو اس خبر سے خالی ہو، یا جس نے انسان کو یہ اطلاع دی ہو کہ زندگی جو کچھ بھی ہے بس یہی دنیا کی زندگی ہے، اور انسان بس مر کر مٹی ہو جانے والا ہے جس کے بعد نہ کوئی حساب ہے نہ کتاب۔ بیت المعمور کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ خاص طور پر اہل عرب کے لیے اس زمانے میں خانہ کعبہ کی عمارت ایک ایسی کھلی نشانی تھی جو اللہ کے پیغمبروں کی صداقت پر اور اس حقیقت پر کہ اللہ جل شانہ کی حکمت بالغہ وقدرت قاہر ان کی پشت پر ہے، صریح شہادت دے رہی تھی۔[143]

اس آیت میں اللہ پاک کافروں سے بطور استہزاء کے سوال فرمائیں گے کی تم نبی کریم کو جھوٹا اور جادوگر کہتے تھے کیا آج یہ تمہیں عذاب کا دیا جانا بھی جادو ہے بلکہ حقیقت ہے یہ تمہارے مونہوں کی باتیں تھیں۔ اس کے علاوہ اس آیت میں اونچی چھت (آسمان) اور موجزن سمندر کی قسم اس لیے کھائی گئی ہے کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی حکمت اور اس کی قدرت پر دلالت کرتی ہیں اور اسی حکمت وقدرت سے آخرت کا امکان بھی ثابت ہوتا ہے اور اس کا وقوع و وجوب بھی۔ لہذا جو شخص بھی ان میں غور کرے گا اس کا دل یہ گواہی دے گا کہ زمین پر پانی کے اتنے بڑے ذخیرے کا فراہم ہو جانا ایک ایسی کاریگری ہے

---

[143] مودودی، تفہیم القرآن،۵/ ۱۶۵،۱۶۶

جو کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے ساتھ اتنی بیشمار حکمتیں وابستہ ہیں کہ اتفاقاً ایسا حکیمانہ نظام اتفاقاً قائم ہو جانا ممکن نہیں ہے۔ جس قادر مطلق نے اس عظیم الشان سمندر کی تخلیق کی ہے، جس نے طرح طرح کی ان گنت مخلوقات اس میں پیدا کی ہیں اور ان سب کی رزق رسانی کا انتظام اسی کے اندر کر دیا ہے وہ انسان کا ایک دفعہ پیدا کر دینے کے بعد پھر سے پیدا کرنا چاہے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔

(۱۱) سورہ القیامہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَیَحسَبُ الاِنسَانُ اَلَّن نَّجمَعَ عِظَامَهٗ "[144]

"کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیوں کو جمع نہ کر سکیں گے؟"۔

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"اوپر کی دو دلیلیں، جو قسم کی صورت میں بیان کی گئی ہیں، صرف دو باتیں ثابت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا کا خاتمہ (یعنی قیامت کا پہلا مرحلہ) ایک یقینی امر ہے۔ دوسرے یہ کہ موت کے بعد دوسری زندگی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر انسان کے ایک اخلاقی وجود ہونے کے منطقی اور فطری تقاضے پورے نہیں ہو سکتے، اور یہ امر ضرور واقع ہونے والا ہے کیونکہ انسان کے اندر ضمیر کی موجودگی اس پر گواہی دے رہی ہے۔ اب یہ تیسری دلیل یہ ثابت کرنے کے لیے پیش کی گئی ہے کہ زندگی کے بعد موت ممکن ہے۔ مکہ میں جو لوگ اس کا انکار کرتے تھے وہ بار بار یہ کہتے تھے کہ آخر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو مرے ہوئے سینکڑوں ہزاروں برس گزر چکے ہوں، جن کے جسم کا ذرہ ذرہ خاک میں مل کر پراگندہ ہو چکا ہو، جن کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو کر نہ معلوم زمین میں کہاں کہاں منتشر ہو چکی ہوں جن میں سے کوئی جل مرا ہو، کوئی درندوں کے پیٹ میں جا چکا ہو، کوئی سمندر میں غرق ہو کر مچھلیوں کی غذا بن چکا ہو، ان سب کے اجزائے جسم پھر سے جمع ہو جائیں اور ہر انسان پھر وہی شخص بن کر اٹھ کھڑا ہو جو دس بیس ہزار برس پہلے بھی وہ تھا؟ اس کا نہایت معقول اور انتہائی پر زور جواب اللہ تعالیٰ نے اس مختصر سے سوال کی شکل میں دے دیا ہے "کیا انسان یہ سمجھ رہا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کبھی جمع نہ کر سکیں گے؟" یعنی اگر

[144] القرآن، ۷۵:۳

تم سے یہ کہا گیا ہوتا کہ تمہارے یہ منتشر اجزائے جسم کسی وقت آپ سے آپ جمع ہو جائیں گے اور تم آپ سے آپ اسی جسم کے ساتھ اٹھو گے، تو بلا شبہ تمہارا اس کو ناممکن سمجھنا بجا ہوتا۔ مگر تم سے تو کہا یہ گیا ہے کہ یہ کام خود نہیں ہو گا بلکہ اللہ تعالیٰ ایسا کرے گا۔ اب کیا تم واقعی یہ سمجھ رہے ہو کہ کائنات کا خالق، جسے تم خود بھی خالق مانتے ہو، اس کام سے عاجز ہے؟ یہ ایسا سوال تھا جس کے جواب میں کوئی شخص جو خدا کو خالق کائنات مانتا ہو، نہ اس وقت یہ کہہ سکتا تھا اور نہ آج یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا بھی یہ کام کرنا چاہے تو نہیں سکتا۔ اور اگر کوئی بیوقوف ایسی بات کہے تو اس سے پوچھا جا سکتا ہے کہ تم جس جسم میں اس وقت موجود ہو اس کے بیشمار اجزاء کو ہوا اور پانی اور مٹی اور نہ معلوم کہاں کہاں سے جمع کر کے اسی خدا نے کیسے یہ جسم بنا دیا جس کے متعلق تم یہ کہہ رہے ہو کہ وہ پھر ان اجزا کو جمع نہیں کر سکتا؟"[145]

اس آیت میں اللہ پاک اپنی قدرت کاملہ کے اثبات کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ ہمارے لئے تمہاری ہڈیوں کا جمع کرنا اور ان پر جلد چڑھانا بالکل بھی مشکل نہیں ہے کیونکہ خالق انہیں پہلی بار تخلیق کرنے پر قادر ہے، پھر تمہیں زندگی دیتا ہے اور زندگی مکمل کرنے کے بعد اسی کی طرف لوٹتا ہے تو وہ انسانوں کو دوبارہ زندہ کر کے ان سے ان کے اعمال کا جواب ضرور طلب کرے گا، وہ اس سارے نظام پر قادر ہے۔

(۱۲) سورہ النازعات میں ارشادِ خداوندی ہے:

"ءَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ خَلۡقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا "[146]

'اور کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے اُس کو بنایا۔"۔

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

"اب قیامت اور حیات بعد الموت کے ممکن اور مقتضائے حکمت ہونے کے دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ تخلیق سے مراد انسانوں کی دوبارہ تخلیق ہے اور آسمان سے مراد وہ پورا عالم بالا ہے جس میں بیشمار ستارے اور سیارے، بے حد و حساب شمسی نظام اور ان گنت کہکشاں پائے جاتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم جو موت کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو کوئی بڑی ہی امر محال سمجھتے ہو، اور بار بار کہتے ہو کہ بھلا یہ کیسے

---

[145] مودودی، تفہیم القرآن، ۶/ ۱۷۴

[146] القرآن، ۷۹:۲۷

ممکن ہے کہ جب ہماری ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی ہوں گی اس حالت میں ہمارے پراگندہ اجزائے جسم پھر سے جمع کر دیے جائیں اور ان میں جان ڈال دی جائے، کبھی اس بات پر بھی غور کرتے ہو کہ اس عظیم کائنات کا بنانا زیادہ سخت مشکل کام ہے یا تمہیں ایک مرتبہ پیدا کر چکنے کے بعد دوبارہ اسی شکل میں پیدا کر دینا؟ جس خدا کے لیے وہ کوئی مشکل کام نہ تھا اس کے لیے (آخر یہ کیوں ایسا مشکل کام ہے کہ وہ اس پر قادر نہ ہو سکے؟ حیات بعد الموت پر یہی دلیل قرآن مجید میں متعدد مقامات پر دی گئی ہے"۔[147] مثلاً سورۃ یسین میں ہے:

اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى وَهُوَ الۡخَـلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ ۔[148]

"اور کیا وہ جس نے آسمان اور زمین کو بنایا اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو (پھر سے) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہ تو بڑا زبردست خالق ہے، تخلیق کے کام کو خوب جانتا ہے"۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی انسان کو تجسس دلانے کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! ہم نے آسمان کو بنایا اور تمہیں بنایا اب دیکھو تمہیں بنانا مشکل کام ہے یا آسمان کو بنانا؟ تم آسمان کی طرف دیکھو کہ بغیر ستون کے اسے بنایا گیا ہے اور کسی قسم کا بھی کوئی شگاف نہیں پایا جاتا اس کو اللہ کی ذات تھامے ہوئے ہے انسان لاکھ کوشش کرے وہ بغیر سہارے کے چھت بنا ہی نہیں سکتا اگر دنیا کے تمام لوگوں کو ساتھ بھی ملالے پھر بھی ایسا کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۱۳) سورہ الغاشیۃ میں اللہ فرماتے ہیں:

"هَلۡ اَتٰٮكَ حَدِيۡثُ الۡغَاشِيَةِ"[149]

"کیا تمہیں اُس چھا جانے والی آفت کی خبر پہنچی ہے؟"

مولانا مودودی اس آیت کی وضاحت یوں فرماتے ہیں:

---

[147] مودودی، تفہیم القرآن، ۶/ ۱۸۵۔

[148] القرآن، ۳۶: ۸۱۔

[149] القرآن، ۸۸: ۱۔

"مراد ہے قیامت، یعنی وہ آفت جو سارے جہاں پر چھا جائے گی۔ اس مقام پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں بحیثیت مجموعی پورے عالم آخرت کا ذکر ہو رہا ہے جو نظام عالم کے درہم برہم ہونے سے شروع ہو کر تمام انسانوں کے دوبارہ اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی عدالت سے جزا و سزا پانے تک تمام مراحل پر حاوی ہے۔ یعنی اگر یہ لوگ آخرت کی یہ باتیں سن کر کہتے ہیں کہ آخر یہ سب کچھ کیسے ہو سکتا ہے تو کیا خود اپنے گردو پیش کی دنیا میں نظر ڈال کر انہوں نے کبھی نہ سوچا کہ یہ اونٹ کیسے بن گئے؟ آسمان کیسے بلند ہو گیا؟ یہ پہاڑ کیسے قائم ہو گئے؟ یہ زمین کیسے بچھ گئی؟ یہ ساری چیزیں اگر بن سکتیں تھیں اور بنی ہوئی ان کے سامنے موجود ہیں تو قیامت کیوں نہیں آسکتی؟ آخرت میں ایک دوسری دنیا کیوں نہیں بن سکتی؟ دوزخ اور جنت کیوں نہیں ہو سکتیں؟ اگر عقل ہے تو اسے سوچنا چاہیے کہ جو کچھ موجود ہے یہ آخر کیسے وجود میں آگیا؟ یہ اونٹ ٹھیک ان خصوصیات کے مطابق کیسے بن گئے جن خصوصیات کے جانور عرب کے صحراء میں رہنے والے انسانوں کو ضرورت تھی؟ یہ آسمان کیسے بن گیا جس کی فضا میں سانس لینے کے لیے ہوا بھری ہوئی ہے، جس کے بادل بارش لے کر آتے ہیں، جس کا سورج دن کو روشنی اور گرمی فراہم کرتا ہے، جس کے چاند اور تارے رات کو چمکتے ہیں؟ یہ زمین کیسے بچھ گئی جس پر انسان رہتا اور بستا ہے، جس کی پیداوار سے اس کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں، جس کے چشموں اور کنوؤں پر اس کی زندگی کا انحصار ہے؟ یہ پہاڑ زمین کی سطح پر کیسے ابھر آئے جو رنگ برنگ کی مٹی اور پتھر اور طرح طرح کی معدنیات لیے ہوئے جمے کھڑے ہیں؟ کیا یہ سب کچھ کسی قادر مطلق صانع حکیم کی کاریگری کے بغیر ہو گیا ہے؟ کوئی سوچنے اور سمجھنے والا دماغ اس سوال کا جواب نفی میں نہیں دے سکتا۔ وہ اگر ضدی اور ہٹ دھرم نہیں ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ ان میں سے ہر چیز ناممکن تھی اگر کسی زبردست قدرت اور حکمت والے نے اسے ممکن نہ بنایا ہوتا۔ اور جب ایک قادر کی قدرت سے دنیا کی ان چیزوں کا بننا ممکن ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جن چیزوں کے آئندہ وجود میں آنے کی خبر دی جارہی ہے ان کو بعید از مکان سمجھا جائے۔"[150]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ باطل کے رد کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ جو قیامت (ڈھانپنے والی) کا تم سے

[150] مودودی، تفہیم القرآن، ۶/ ۱۹۰۔

وعدہ کیا جارہاہے وہ ضرور آکر رہے گی تم چاہے جتنا بھی انکار کرو۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے اندر عالمِ آخرت کو بیان کرتے ہوئے اس کے اثبات کے دلائل بیان کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ جو لوگ آخرت کے منکر ہیں وہ اپنے ارد گرد کے ماحول پر نظر ڈالیں تو انہیں ایسی نشانیاں ضرور نظر آئیں گی جو وقوع آخرت کو ثابت کرتی ہیں۔ دنیا کی تمام چیزیں اللہ کی کاریگری کا نتیجہ ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ اتنی بڑی کائنات اور اس کا مربوط و منظم انتظام کسی اتفاقی امر کا نتیجہ ہو بلکہ اس نظام کو اللہ نے پیدا کیا ہے اور وہی اس نظام کو چلارہاہے۔ لہذا جو ذات اس نظام کو پیدا کرنے اور منظم انداز سے چلانے پر قادر ہے کیا وہ اس نظام کو ختم کرنے پر قادر نہیں؟ کیا وہ اس نظام کی جگہ کوئی دوسرا نظام لانے پر قادر نہیں ہے؟ یقینا اگر اہل عقل اس بات میں غور و فکر کریں تو انہیں قیامت کے قیام کے دلائل ضرور نظر آئیں گے۔

خلاصہ بحث

آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وفات کے بعد سے لے کر جنت یا جہنم میں داخل ہونے کے بارے میں قرآن اور حدیث میں میں تمام احکامات کی تصدیق کرنا اور اس پر یقین رکھنا کیونکہ کہ عقیدہ آخرت شرط ارکان ایمان کا اہم جز ہے اور اس پر ایمان لائے بغیر مکمل مومن نہیں ہو سکتے، اس لیے اسلام میں عقیدہ آخرت کی بہت اہمیت ہے۔ اس فصل میں تفسیر تفہیم القرآن قرآن کی روشنی میں آیت استفہام اور عقیدہ آخرت کی وضاحت کی گئی ہے جو کہ درج ذیل آیات ہیں:

سورۃ الرعد آیت نمبر ۵، سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۱۹، ۲۰، سورۃ الروم آیت نمبر ۸۹، سورۃ السجدہ آیت نمبر ۲۲، ۲۶، ۲۸،، سورہ فاطر آیت نمبر ۳۷، سورۃ الزمر آیت نمبر ۱۹، سورۃ ق آیت نمبر ۱۵، سورۃ الطور آیت نمبر ۱۵، سورۃ القیامہ آیت نمبر ۳، سورۃ النازعات آیت نمبر ۲۷، سورۃ الغاشیہ آیت نمبر ا۔

باب سوم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر معارف القرآن کا کردار

فصل اول: مفتی محمد شفیعؒ کا تعارف وحالات زندگی

اسلامی تاریخ پر نظر دوڑائیں ایسی شخصیات میسر آتیں ہیں جو اپنے اپنے وقت میں اہل ذوق و اہل علم کی سر پرستی کرتے ہوئے نظر آئیں برصغیر اس حوالہ سے خوش نصیب خطہ ہے کہ اس میں نامور شخصیت نے جنم لیا۔ ذیل میں مفتی محمد شفیع کا علمی و دینی تعارف پیش کیا جارہا ہے۔

مفتی محمد شفیعؒ

مفتی شفیعؒ کا آبائی وطن دیوبند ہے، جو ضلع سہارنپور یوپی میں برصغیر کا مشہور ترین قصبہ ہے یہیں آپ کی ولادت ۱۳۱۴ھ میں ہوئی شمسی حساب سے یہ جنوری ۱۸۹۷ء تھا آپ کے والد محمد یسین بہت بڑے عالم دین تھے آپ کے دادا نے آپکا نام محمد مبین رکھا لیکن آپ کے والد بزرگوار محمد یسین نے ولادت کی اطلاع کا خط اپنے شیخ گنگوہیؒ کو لکھا تو انہوں نے جواب میں نام محمد شفیع تجویز کیا۔

تعلیم وتربیت

”قرآن کی تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم ہی میں خط و املاء کی مشق اور فارسی کی تمام مروجہ کتابوں کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی حساب اور فنون ریاضی اقلیدس وغیرہ اپنے چچا منشی منظور احمدؒ سے پڑھے عربی نحو و صرف اور فقہ کی ابتدائی کتابیں بھی فصول اکبری، ہدایۃ النحو اور منیۃ المصلی اپنے والد سے ہی پڑھیں اس طرح تعلیم قرآن کے بعد تقریباً پانچ سال فارسی، ریاضی وغیرہ کی پوری تعلیم اور عربی کی ابتدائی کتب میں صرف ہوئے۔“[151]

۱۳۳۰ھ میں سولہ سال کی عمر میں اصول فقہ اور ادب کی کتابیں دارالعلوم کے درجہ عربی میں باقاعدہ داخلہ لے کر شروع کیں۔

شیخ الہند سے استفادہ اور اصلاحی تعلق

مفتی شفیع اپنے والد کے ساتھ بچپن سے ہی ان کو خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

انور شاہ کشمیری سے استفادہ اور دورہ حدیث

[151] عثمانی، مفتی رفیع، حیات مفتی اعظم، ادارہ معارف کراچی، ۲۰۱۱ء، ص ۳۳۔

۱۳۳۵ھ میں مفتی شفیعؒ نے دورہ حدیث انور شاہ کشمیریؒ کے سامنے کیا فلسفہ کی بعض کتابیں بھی انہی سے پڑھیں رد قادیانیت کا جو کام شاہ صاحب نے شروع کیا اس میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسی موضوع پر کئی کتابیں ختم نبوت مسیح وموعود کی پہچان بھی تالیف کیں طالب علمی کے بعد تدریس و تصنیف میں بھی شاہ صاحب سے استفادہ لیا۔

تحصیل علوم سے فراغت اور مشغلہ تدریس

۱۳۳۵ھ میں دورہ حدیث کیا کچھ فن کی کتابیں بھی پڑھیں ۱۳۳۶ھ میں درس نظامی کی مکمل تعلیم سے فارغ ہو گئے اسی سال کچھ اسباق پڑھانے کا بھی موقع ملا۔

تدریسی کارنامے

دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا سلسلہ ابتدائی کتابوں سے شروع کیا پھر سالہاسال سب درجات کے علوم وفنون پڑھائے حدیث کے حوالے سے اور اس مدرسہ میں پہلے موطا امام مالکؒ کا درس دیا پھر حدیث کی دوسری کتابیں بھی پڑھائیں۔

تلامذہ

مفتی شفیعؒ کے مشہور تلامذہ سید محمد یوسف بنوری، مسیح اللہ خان، مولانا عبد الحق، قاری فتح، محمد پانی پتی مفتی، رشید احمد لدھیانوی، سید نور الحسن، بخاری قاری، رعایت اللہ، غلام محمد، تقی عثمانی، مفتی محیی الدین رحمتہ اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں۔

اساتذہ

مفتی اعظم ہند، مفتی عزیز الرحمن عثمانی، غلام بشیر احمد عثمانی اور مولانا اعزاز علیؒ شامل ہیں اور دورہ حدیث میں آپکے اساتذہ انور شاہ کشمیری غلام رسول ہزاروی تھے اور مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

فتوی کی ذمہ داریاں

افتاء کا منصب علمی سلسلوں میں سب سے مشکل سمجھا جاتا ہے فقہ کے لاکھوں ملتے جلتے مسائل کا تھوڑے تھوڑے فرق سے حکم بدل جاتا ہے۔ بہت سے احکام اور حالات کے تغیر سے بھی بدلتے ہیں دار العلوم دیو بند میں تدریس کا جب آغاز کیا تو اس وقت دارالعلوم کے صدر مفتی حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ تھے

۱۳۴۴ھ میں مفتی اعظم ہند جب دارالعلوم سے مستعفی ہو گئے تو مفتی شفیعؒ کو منصب افتاء کی پیش کش ہوئی جو انہوں نے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشورے سے قبول کرلی۔ اور ۱۳۵۰ھ کو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے آپ کو منصب افتاء پر بحیثیت صدر مفتی فائز کر دیا۔

فتوی سے تدریس کی طرف منتقلی

بزرگوں کے حکم پر فتوی کی ذمہ داری کو قبول تو فرمالیا مگر بعد میں تدریس میں واپس چلے جانے کی اجازت چاہی لیکن اجازت نہ ملی آپ کے دوبارہ اصرار پر ۱۳۵۴ھ میں دارالعلوم کی مجلس شوری نے یہ مشکل فیصلہ بھی کر دیا کہ فتویٰ سے تدریس کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

سیاسیات میں فکری و عملی حصہ

طبعاً ہنگاموں اور جلوسوں سے الگ رہنا پسند کرتے تھے لیکن جب بھی دین اسلام اور مسلمانوں کی کسی اہم دینی ضرورت نے سیاست میں حصہ لینے کا تقاضا کیا تو آپ اس میں شریک ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم کے اواخر میں جب مجاہدین بلقان ہر طرف سے کفر والحاد کے نرغہ میں تھے تو آپ نے چندہ کی مہم چلائی۔[152]

تحریک پاکستان کی خاطر دارالعلوم دیوبند سے استعفاء

دارالعلوم میں رہتے ہوئے اس اختلاف کا مسلسل اظہار نظم دارالعلوم کیلیے مناسب نہ تھا۔ اس لیے مولانا اشرف علی تھانوی کے مشورے سے دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرلی۔ دارالعلوم سے استعفاء کے بعد آپ نے پوری طرح کھل کر اس موضوع پر لکھنا شروع کیا۔ اور کچھ روز بعد قیام پاکستان کی جدوجہد ہی شب وروز کا مشغلہ بن گئی۔

بورڈ آف تعلیمات اسلام کی رکنیت

۱۹۴۹ء میں دستور ساز اسمبلی نے آئین سازی کا کام باقاعدہ طور پر شروع کیا تو قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم نے ایک "اسلامی مشاورتی بورڈ" بنایا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اسلامی دستور کا خاکہ تیار کر کے پیش کرے اور پھر اس کی روشنی میں دستور ساز اسمبلی پاکستان کا آئین تیار کرے۔

---

[152] عثمانی، مفتی رفیع، حیات مفتی اعظم، ص ۱۴۰۔

”یہ بورڈ ۹ اگست ۱۹۴۹ء سے اپریل ۱۹۵۴ء تک تقریباً ساڑھے چار سال قائم رہا اور مفتی شفیعؒ شروع سے آخر تک اس کے ممتاز رکن رہے۔“[153]

درس قرآن حکیم

۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں مسجد باب الاسلام میں تمام فہم درس قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا جو روزانہ بعد نماز فجر ایک گھنٹہ کے عمل سے سات سال میں پورا ہوا۔

سرکاری دارالعلوم کمیٹی کی رکنیت

حکومت پاکستان نے قائد اعظم مرحوم کی تین یادگاریں قائم کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔(۱) ان کا مزار (۲) ایک جامع مسجد، (۳) ایک دینی دارالعلوم۔ دارالعلوم قائم کرنے کے لیے جو کمیٹی سردار اعبد الرب نشتر کی قیادت میں بنی تھی اس کے رکن رہے۔

ریڈیو سے درس معارف القرآن

۱۹۵۴ء میں ریڈیو پاکستان کے ایک ہفتہ واری درس بنام معارف القرآن جاری کرنے کی تجویز پیش کی جس کو مفتی شفیعؒ نے ایک شرط کے ساتھ قبول فرمالیا۔

خدمت فتویٰ

۳۵ سال کی عمر سے فتوی کی عظیم ذمہ داری جزو زندگی بنی رہی اور آخری دور میں یہ زیادہ ہمہ گیر رہی دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا تھا۔

تعداد فتویٰ

دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء سے آپ کے زمانہ میں چھتیس ہزار بیاسی فتاوی جاری ہوئے اس کے بعد دارالعلوم کراچی کے قیام تک ہزاروں فتاوٰی تحریر فرمائے جن کی نقل محفوظ نہ کی جاسکی صرف ۴۰۱ منتخب فتاوٰی آپ نے خود نقل فرمائے تھے۔ جواب امداد المفتین کا جز بنادیے گئے ہیں دارالعلوم کراچی میں ۱۸ شعبان ۱۳۷۰ھ سے آپ کی وفات تک کل ۵،۹۰۴،۷ فتاوی کی نقل محفوظ کی گئی جو مفتی شفیعؒ ہی کے تحریر کردہ ہیں اور وہ فتاوی ان کے علاوہ ہیں جن پر آپ کے تصدیقی دستخط ہیں اور آپ کے زبانی

[153] عثمانی، مفتی رفیع، حیات مفتی اعظم، ص ۱۷۳۔

فتاوی کی تعداد تحریری فتاوی سے کئی گناہ زیادہ ہے۔

تربیت افتاء

۱۳۷۹ھ میں مفتی شفیع نے دارالعلوم میں فتوی نویسی کی باقاعدہ تربیت دینے کا بھی ایک شعبہ قائم کیا "تخصیص فی الافتاء" کے نام سے جواب بھی قائم ہے اور اس میں تربیت کا سب کام خود ہی سرانجام دیتے۔

تصانیف

مفتی شفیعؒ کی تصانیف اردو اور عربی دونوں زبانوں میں ہیں اور ان کی کل تعداد ایک سو باسٹھ ۱۶۲ اور صرف فقہی موضوعات پر (۹۵) پچانوے تصانیف ہیں دیگر تصانیف یہ ہیں۔

تفسیر

۱۔ تفسیر معارف القرآن کامل: یہ تفسیر آٹھ جلدوں میں ہے اور ۵۷۱۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

۲۔ احکام القرآن۔(عربی) دو جلدوں میں از سورۃ شعراء تا سورۃ حجرات یہ ۵۳۸ صفحات پر مشتمل ہے۔

تفسیر معارف القرآن کا تعارف و منہج

"تفسیر معارف القرآن جو کہ اردو میں ہے۔ مفتی شفیع نے اس کا نام "خلاصہ تفسیر بھی نقل کیا ہے۔یعنی اس تفسیر میں جہاں اصطلاحی اور مشکل الفاظ آئے ہیں ان کو آسان لفظوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

اور اگر کوئی مضمون مشکل تھا۔ تو اس کو بھی یہاں سے الگ کر کے معارف و مسائل میں آسان لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ تاکہ اگر کوئی آدمی زیادہ دیکھ نہ سکے تو اس خلاصہ تفسیر سے کم از کم قرآن کا مفہوم سمجھ سکے۔ اس کے علاوہ معارف و مسائل پر اگر غور کیا جائے تو عبارت صرف ان کی اپنی ہے۔ لیکن مضامین سارے علماء سلف کی کسی تفسیر سے لیے گیے ہیں۔

جس کے حوالے ساتھ ہر جگہ لکھ دیئے ہیں، علماء کے لیے تفسیر قرآن میں سب سے پہلا اور اہم کام لغات کی تحقیق نحوی ترکیب، فن بلاغت کے نکات اور قرات کے اختلاف پر بحثیں ہیں جو ہر اہل علم کے لیے قرآن کو سمجھنے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے زریعے قرآن کے صحیح مفہوم کو سمجھا جاسکتا ہے۔ لیکن عوام کے علاوہ بہت سے اہل علم بھی ان تفصیلات میں الجھے ہوتے ہیں۔ حالانکہ قرآن کا اہم

مقصد صرف رب رحیم کے ساتھ مضبوط تعلق ہے۔ اور اس کے نتیجے میں مادی تعلقات اعتدال پر آجائیں اور دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر پیدا ہو۔

تفسیر "معارف القرآن" میں عوام کی سہولت کے پیش نظر ان بحثوں کی تفصیل نہیں لکھی گئی ہے۔ بلکہ آئمہ تفسیر کے اقوال سے جو جمہور کے نزدیک راجح ہے۔ اس کے مطابق تفسیر لی ہے اور اس میں ایسے مباحث علمیہ کو بھی چھوڑ دیا گیا ہے۔ جو عوام کے لیے غیر ضروری ہے۔ اور دوسری مستند و معتبر تفاسیر سے بہت سے ایسے مضامین کو بھی نقل کیا ہے۔ جو انسان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول ؐ کی محبت اور قرآن کی عظمت کو بڑھائیں اور نیک اعمال کی طرف راغب کریں۔ اس پر تو ہر مومن کا ایمان ہے کہ قرآن کریم قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے۔ اور روز اول تا قیامت تمام مسائل کا حل اس میں موجود ہے۔ بشرطیکہ قرآن کو نبیؐ کے بیان کردہ تشریح کی روشنی میں دیکھا اور پڑھا جائے۔ اسی وجہ سے ہر زمانے کے مفسرین نے اپنی تفسیروں میں ان مسائل پر زور دیا جو ان کے زمانے میں پیدا ہوئے مفتی شفیعؒ نے بھی اسی اصول کے تحت ایسے ہی مسائل کو اور بحثوں کو اہمیت دی ہے۔ جو یا تو زمانے کے پیدا کردہ ہیں یا پھر اس زمانے کے ملحدین یہود اور نصاریٰ مشرکین نے مسلمان کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لیے کھڑے کر دیے۔ اور جدید مسائل کے حل کے لیے یہ بھی کوشش بھی کی کہ قرآن و سنت یا فقہا کے اقوال سے ان کے متعلق کوئی ثبوت ملے یا کوئی مثال ملے تو اس سے استفادہ کیا ہے۔ اور دوسرے علمائے عصر سے ان مسائل میں مشاورت کا بھی التزام کیا ہے۔ اس میں قرآن مجید کے دو مستند ترجموں ایک شیخ الہند کا اور دوسرا حکیم الامت تھانویؒ کا ہے اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

یہ تفسیر قرآن کا خلاصہ ہے جو کم وقت میں قرآن کو سمجھنے کا مستند ذریعہ ہے۔ مفتی شفیع کے بقول اس تفسیر میں تمام باتیں سلف صالحین اور اسلاف امت سے لی گئی مفتی شفیع کی ذاتی رائے شامل نہیں ہے۔

خصوصیات تفسیر معارف القرآن

تفسیر معارف القرآن کا منہج واسلوب اور مضامین فقہی تفسیر:

تفسیر معارف القرآن بر صغیر پاک وہند کے مسلمانوں کے لیے خاص طور پر اور پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے بالعموم کن علمی اور قانونی ضروریات کا احاطہ کرتی ہے؟ یہ تفسیر اس خطہ میں اردو زبان میں فقہی تفاسیر کی جدید اور طویل ترین کاوش ہے۔ اس تفسیر میں مشہور فقہی مذاہب کے اقوال جمع کیے گئے ہیں

اور پرانے فقہی مذاہب کے ائمہ کرام جیسے ابو العالیہ، لیث، ثوری ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی اور عثمان الیثی کے قول جمع کیے گئے ہیں۔

فقہی مذہب کے اقوال

اس تفسیر لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی جس کا ذکر عبد الفتاح ابو غدہ نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں برصغیر پاک وہند میں حنفی اور سلفی مسلک کے علماء کرام کی مسلکی کشمکش حد سے بڑھ گئی تھی ان کے درمیان مناقشوں، مناظروں اور مجادلوں کا سلسلہ عروج پر تھا۔ علماء اہل حدیث سے نالاں تھے مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیر نگرانی حنفی کے دلائل کی جمع، ترتیب و تبویب اور تشریح کا کام مولانا ظفر احمد عثمانی کے ہاتھوں پائے تکمیل کو پہنچا۔ مولانا ظفر عثمانی نے اپنے سرپرست اوراستاد کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے کہ اس سے حضرت شاہ ولی اللہ کی وہ بات پوری ہوتی ہے جس کا انہوں نے فیوض الحرمین میں کبریت احمر واکسیر اعظم بتلایا ہے[154]۔ حضرت شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور کریم ﷺ نے بتلایا کہ مذہب حنفی میں ایک طریقہ بڑا عمدہ ہے جو اس طریق سنت کے بہت زیادہ قریب ہے جو بخاری اور ان اصحاب کے دور میں موجود بھی ہے۔ وہاں کے ائمہ ثلاثہ: ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کیا جو اس مسئلے میں سب سے زیادہ حدیث کے قریب ہو۔ مولانا حضرت اشرف علی تھانوی کے عنوانات و موضوعات کا انتخاب اور صحیح اسلوب کا متعین کرنے، ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ، مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ اور مقدمہ خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے ذمے لگایا۔[155]

تصوف کے مسائل

اس تفسیر میں اسلامی تصوف کے مسائل کا مطالعہ کیا گیا ہے یہ ایک بہت اچھی کاوش ہے جو اس سے پہلے اس طرح کی تفسیر میں ظہور پذیر نہیں ہوئی تمام اہل روایت کا یہ خیال تھا کہ فن سلوک اور اس کے مسائل نصوص سے ثابت نہیں اور یہ اعتراض صدیوں سے قائم تھا۔ مفسرین نے اس طرف توجہ کی اور

---

[154] سید سلمان ندوی، حکیم الامت کے آثار علمی مشمولہ مجلہ الحسن، اشاعت خاص اکتوبر دسمبر 1987، 1/123۔

[155] وکیل احمد شیر انوی، اشرف المقالات، لاہور مجلس صیانۃ المسلمین 1416ھ-1995م 2/178-179۔

اس میں متفرق طور پر کچھ کام کیا لیکن اس کام کی حیثیت کسی فن کی نہیں اور اس میں عام طور پر ضعیف دلائل سے کام لیا گیا ہے۔

سماجی، ثقافتی، معاشرتی نظریات کی عکاسی احکام القرآن، نئے دور کی وہ تفسیر ہے جس میں اس دور کے مذہبی، فکری، سماجی، ثقافتی اور معاشرتی آراء و نظریات اور مدارس کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔

تحقیق بجائے تقلید

یہ اس تفسیر میں احناف کے اصول و فروع کے بھی استناد کا بیان تھا اس لیے اس کتاب میں عموماً اصول و فروع میں مسلک حنفی کی ترجمانی کی گئی ہے لیکن اختلافی مسائل میں تقابلی جائزہ لیا گیا اور تحقیق پر مبنی دلیل اور رائے کو اختیار کیا گیا ہے۔ اور تفسیر معارف القرآن میں بیان شدہ بیشتر مسائل میں تقلید کی بجائے تحقیق نظر آتی ہے۔

تفسیر معارف القرآن میں لاپتہ شوہر، ظالم، مفلس اور مخصوص بیماریوں میں مبتلا خاوند کے بارے میں مالکیہ کے اقوال پر فتوی دیا گیا ہے۔

اس تفسیر میں علماء کرام اپنے امام کے اقوال جو کہ نصوص کے خلاف ہوں ترک کر دیتے ہیں۔ اور ان کی جگہ دیگر اصحاب حنفیہ کے اقوال کو اختیار کرتے ہیں جن ائمہ کے اقوال کی دلیل ان کو مضبوط لگے ان ائمہ کرام کے اقوال پر بھی فتوی دے دیتے ہیں۔ اس تفسیر کی اہم بات یہ ہے کہ تعصب کی بنیاد پر کسی مذہب والے کے قول پر اڑے نہیں رہتے تفسیر معارف القرآن میں اس طرح کی وسعت پسندی کا یہ رجحان جابجا نظر آتا ہے۔

تفسیر معارف القرآن اور علوم الحدیث

علوم حدیث

فقہ حنفی پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ وہ حدیث کے معاملہ میں انصاف سے کام نہیں لیتے لیکن بات یہ ہے کہ خبر واحد کو صحیح اور ضعیف قرار دینے میں جو اختلاف محدثین کا ہے اس طرح فقہ حنفی میں کچھ مقامات پر محدثین سے فروعی اختلاف ہے مثال کے طور پر فقہ حنفی کے نزدیک خبر واحد کی قیمت کے لیے

یہ بھی ضروری شرط ہے کہ وہ اصول مشہورہ کے خلاف نہ ہو۔[156]

یہ اصل قیاس نہیں بلکہ قرآن کی نصوص اور احادیث مشہورہ سے ماخوذ ہے۔ اور امت کے نزدیک مسلمہ ہے اس اصول کی وجہ سے حنفیہ بعض مرتبہ ضعیف حدیث کو صحیح پر مقدم کرتے ہیں۔

تفسیر معارف القرآن میں حدیث مرسل کو کام میں لا کر احکام استنباط کیا گیا ہے فقہ حنفی کے نزدیک حدیث کی تقسیم ثلاثی ہے جب کہ محدثین کے مطابق ثنائی ہے اس وجہ سے تفسیر معارف القرآن میں خبر مشہور اور الخبر المتلقی بالقبول (ایسی حدیث جس کو امت میں درجہ شہرت اور قبولیت حاصل ہو جائے) کی بنیاد پر مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔ فقہاء احناف کا کسی بھی حدیث سے استدلال اس حدیث کے حجت پر دلالت کرتا ہے اگر ان کا کوئی قول بخاری یا مسلم کی حدیث سے متعارض ہو تو اس کے رد کرنے کی دلیل نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں کتابیں یا تمام صحاح ستہ کی تمام صحیح احادیث کا احاطہ نہیں کرتیں بلکہ احادیث ان صحاح ستہ کے علاوہ دیگر احادیث کی کتب میں بھی ملتی ہیں۔

خلاصہ بحث

فقہی اور قانونی فکر کے حوالے سے مسلم تمدن جس انتشار کا شکار ہے اس کے سدباب کے لیے اہل علم کو فروعی مسائل میں الجھنے کی بجائے مسالک کو قریب کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے۔

ڈاکٹر غزالی "احکام القرآن" کے بارے میں کہتے ہیں کہ حنفی فقہی روایت کی شان و شوکت یہ تفسیر ہے۔ البتہ یہاں ایک اہم سوال ہے کہ احکام قرآن پر جتنی بھی تفاسیر لکھی گئیں۔ ان کا بڑا ہدف اور مقصد اپنے مسلک کی نگہبانی کرنا ہے اسی وجہ سے فقہی تفسیر اپنی علمیت اور موضوعیت کھو بیٹھی۔ دراصل مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ تفسیر عالم اسلام کے اطراف سے اٹھنے والی ایک مخلص صدا کا ایک سلسلہ ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اسلامی فقہی مسالک و مذاہب سے بیزاری مسائل کا حل نہیں اور ان لوگوں کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو فقہی مدارس کو فرقہ واریت کا سبب قرار دیتے ہیں۔ ان کو اس ملک سے نکال دینا چاہیے کیونکہ امت کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی تجویز میں ہر دور میں غلطی ہوئی ہے۔

---

[156] عبدالشکور ترمذی، احکام القرآن 3/299۔

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات

دین کی اصل توحید ہے قرآن کے مطلوب انسان کی زندگی ایک اللہ کی وفادار ہوتی ہے اس کا ہر سجدہ، ہر امید، ہر اندیشہ، ہر محبت، ہر خوف، ہر دعا، ہر عبادت صرف اور صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے وہ اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اللہ کے سوا کوئی رب نہیں ہے وہ واحد و یکتا ہے وہی معبود برحق ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ"۔[157]

"بیشک الہ تم سب کا ایک ہے"۔

قرآن میں بہت سے مقامات پر ہمیں توحید کا بیان ملتا ہے۔ اس آیت میں الہ کی بنیادی نوعیت یہ ہے کہ معبود حقیقی سب کا ایک ہی ہے۔ اس میں تعدد کا احتمال نہیں ہے یہ خدائی اور معبودی ہے نہ اس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی اور سے خیر کی توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ توحید ہی سب سے پہلی اور سب سے بڑی چیز ہے جو ملت ابراہیم علیہ السلام کی وراثت کی حیثیت سے اس امت مسلمہ کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں یکتا و یگانہ ہے کوئی اس کی برابری کرنے والا نہیں ہے کوئی اسکا ہمسر مسلمان ہونے کے لیے ان تمام عقائد پر ایمان لانا ضروری ہے جن کو ہمیں قرآن میں حکم دیا گیا ہے۔

ارکان "رکن" کی جمع ہے اور رکن کسی بھی چیز کا اہم جز ہوتا ہے جس کے بغیر وہ مکمل نہیں ہو سکتی ایمان کے چھ ارکان ہیں لہذا اگر ایمان کا ایک رکن بھی ساقط ہو جائے تو انسان مومن نہیں رہتا خواہ وہ لاکھ ایمان کے دعوے کرتا رہے جیسے عمارت اپنے ستونوں پر ہی قائم رہ سکتی ہے اسی طرح ایمان بھی اپنے تمام ارکان مثلاً اللہ پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آسمانی کتابوں پر ایمان، انبیاء کرام پر ایمان، آخرت کے دن پر ایمان اور اچھی، بری تقدیر پر ایمان کے ذریعے سے ہی مکمل ہو سکتا ہے۔

معاشرے اور افراد کو صحیح راستے پر چلانے اور راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے عقائد کی ضرورت پیش آتی ہے دین اسلام میں ایمان کی بہت زیادہ اہمیت ہے جب کی ایمانیات میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی

---

[157] القرآن، ۴:۳۷۔

ہے کہ اس کے ماننے والوں میں حسن نیت اور خلوص کس قدر ہے اور وہ اپنے کردار اور طرز عمل سے کس طرح اپنے عقائد و نظریات (ایمانیات) کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی تائید کرتے ہیں۔ ایمان لانے والوں کے پیش نظر ہمیشہ یہ بات یاد رہے کہ بروز قیامت انہی لوگوں کے نیک اعمال مقبول ہونگے جو خلوص دل سے ایمان لانے کے بعد صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے کئے گئے ہونگے جبکہ کفار و مشرکین کو ان کے نیک اعمال کا اجر دنیا میں ہی دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایمان باللہ ہی عقیدہ اسلامیہ کی اساس اور لب لباب ہے اور یہی اصل ہے اسکے علاوہ باقی ارکان اس کے تابع ہیں"۔[158]

ایمان باللہ ہی توحید ہے اور توحید میں شرک کی نفی ہے تمام کائنات صرف اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی تدبیر کے مطابق چل رہی ہے۔ ایک خدا کے علاوہ اس کائنات کا کوئی بھی مدبر، مالک، منتظم، خالق، پروردگار، حاکم و آقا، معبود اور الہ نہیں ہے کوئی بھی ہستی اسکے ذات وصفات میں شریک نہیں ہے اور یہ توحید ہی تمام نیکیوں کی بنیاد ہے اور اسکے برعکس مشرک کی بخشش نہیں ہوگی۔

تفسیر معارف القرآن کے روشنی میں ایمانیات سے متعلقہ موضوع پر آیات استفہام ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں۔

ا- سورۃ الانعام میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ "۔[159]

"پوچھ کہ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں کہہ دے اللہ کا ہی، اس نے لکھی ہے اپنے ذمہ مہربانی البتہ تم کو اکٹھا کر دے گا قیامت کے دن تک کہ اس میں کوئی شک نہیں جو لوگ نقصان میں ڈال چکے اپنی جانوں کو وہی ایمان نہیں لاتے"۔

اس آیت میں نبی کریم کو حکم دیا جا رہا ہے کی توحید کے اثبات کے بعد ان سے یہ کہیے کہ کیا میں ایسے اللہ

---

[158] انصاری، حافظ عمران ایوب، الکتاب انٹرنیشنل، دہلی، نومبر ۲۰۱۰ء، ص۸۹۔

[159] القرآن، ۶:۱۲

کے سوا کسی کو اپنا دوست اور معبود ٹھہراؤں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کسی اور کو اپنا معبود اور کارساز ٹھہراؤں اور وہ اللہ ہی سب کو روزی دیتا ہے اور اس کو روزی نہیں دی جاتی یعنی وجود اور سامان بقاء میں سب اسی کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں پس ایسی ذات کو چھوڑ کر جو سب کو روزی دیتا ہے اور ادنی سے ادنی چیز میں کسی چیز کا وہ محتاج نہیں۔ اور آپ کہہ دیجئے کہ مجھ کو خدا کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ خدائے واحد کا میں پہلا فرمانبردار بنوں کہ بلاشرکت غیر اس کے سامنے گردن ڈال دوں اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تو ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہونا اے نبی! آپ ان مشرکوں سے کہہ دیجئے کہ اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھ کو ایک بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہونے کا ڈر ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھ کو یہ حکم دیا ہے کہ میں اس کا پہلا فرمانبردار بنوں اور مشرکوں کے گروہ میں شامل نہ ہوں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کفار سے سوال فرما رہے ہیں کہ آسمان وزمین اور تمام کائنات کا مالک کون ہے؟ پھر خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ جواب ارشاد فرمایا کہ سب کا مالک اللہ ہے کفار کے جواب کا انتظار کرنے کی بجائے خود ہی جواب دینے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جواب کفار مکہ کے نزدیک بھی مسلم ہے اگرچہ وہ بت پرستی میں ہیں مبتلا تھے مگر آسمان وزمین اور کل کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں:

"گذشتہ آیت میں توحید کا بیان تھا اب پھر اس کی طرف عود فرماتے ہیں اور توحید کا اثبات اور شرک کا ابطال کرتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ سب کون ومکان اور زمین وزمان سب اسی کی ملک ہیں چناچہ فرماتے ہیں اے نبی کریم آپ ان معاندین سے بطور الزام واتمام حجت یہ پوچھیے کہ کس کی ملک ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اول تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے کہ یہ سب اللہ کی ملک ہے۔ جس سے توحید ثابت ہو جائے گی جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔[160] اگر بالفرض وہ کسی خوف اور ڈر کی بناء پر یا شرم اور حیا کی بناء پر اس کا جواب نہ دیں تو آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کی ملک ہے اور تمہارے بت کسی چیز کے بھی مالک نہیں

[160] القرآن، ۲۳: ۸۴۔۸۵۔

اور ان سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ اللہ نے توبہ کرنے والوں کے لیے محض اپنے فضل وکرم سے اپنی ذات پر رحمت کو لکھ دیا یعنی لازم کر لیا ہے یہ نہیں کہ اس پر کسی کا زور اور دباؤ ہے وہ اپنی رحمت سے عقوبت میں جلدی نہیں کرتا اور توبہ اور انابت کو قبول کرتا ہے لہذا اگر تم کفر وکر و اور شرک سے توبہ کروگے اور اس کی طرف متوجہ ہوؤ گے تو وہ ارحم الراحمین تمہارے اگلے گناہ معاف کردے گا۔[161]

مطلب یہ ہے کہ جب توحید تمہارے اقرار سے ثابت ہوگئی اور حجت تم پر قائم ہوگی تو اس کا مقتضا یہ تھا کہ تم فورا ہلاک کر دیے جاتے لیکن اللہ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے اس لیے وہ عقوبت میں جلدی نہیں کرتا اللہ نے ایک تختی پر یہ لکھ کر میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے عرش پر آویزاں کر دیا ہے غرض یہ کہ ان سرکشوں کو اور باوجود حجت پوری ہو جانے کے اللہ کے ساتھ ہمسر بنانے پر خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حلم کی وجہ سے اگرچہ دنیا میں سزا نہیں دی مگر اللہ نے قسم کھائی ہے کہ وہ تم سب کو روز قیامت کی طرف اٹھائے گا جس میں ذرہ برابر کوئی شک نہیں اور اس وقت حساب وکتاب کے بعد تم کو سزا دی جائے گی جن لوگوں نے شرک اختیار کر کے اپنی جانوں کو گھاٹے میں رکھا وہ ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ ان کی تقدیر میں گھاٹا ہے جس سے وہ باہر نہیں نکل سکتے گذشتہ آیت میں یہ بتلایا کہ زمین اور آسمان یعنی ہر مکان اور ہر مکین اور تمام مکانیات کا وہی مالک ہے اور اس آیت میں یہ بتلایا کہ مکان کی طرح زمان لیل ونہار اور تمام اوقات اور تمام زمانیات بھی اسی کی مملوک ہیں اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور وہی ان باتوں کا سننے والا ہے اور ان کے دلوں اور حالات کا جاننے والا ہے۔[162]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ باطل کا رد کرنے کے لئے سوال فرما رہے ہیں۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ منکرین سے اگر آپ پوچھیں گے تو یہی کہیں گے مگر جب عمل کی باری آتی ہے تو اپنی اس بات سے انحراف کرتے ہیں اور قیامت کے دن ان کو انکے اعمال کی بدولت ہی بدلہ دیا جائے گا کیونکہ جو لوگ بھی باطل راستہ اختیار کرتے ہیں ان کو بروز قیامت ناکامی کا سامنا کرنا ہوگا اور یہ اٹل حقیقت ہے کیونکہ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

---

[161] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، جون ۲۰۰۵ء، ۳/ ۲۸۸

[162] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۳/ ۲۸۸

۲-سورۃ یونس میں ارشاد ربانی ہے:

"اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَن اَوحَينَا اِلىٰ رَجُلٍ مِّنهُم اَن اَنذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ اٰمَنُوا اَنَّ لَهُم قَدَمَ صِدقٍ عِندَ رَبِّهِم قَالَ الكٰفِرُونَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِينٌ " ۔

"اِنَّ رَبَّكُمُ اللهُ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ فِى سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ استَوٰى عَلَى العَرشِ يُدَبِّرُ الاَمرَ مَا مِن شَفِيعٍ اِلَّا مِنۢ بَعدِ اِذنِهٖ ذٰلِكُمُ اللهُ رَبُّكُم فَاعبُدُوهُ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ "۔[163]

"کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ وحی بھیجی ہم نے ایک مرد پر ان میں سے یہ کہ ڈر سنادے لوگوں کو اور خوشخبری سنادے ایمان والوں کو کہ ان کے لئے آگے سچائی ہے اپنے رب کے پاس، کہنے لگے کافر بیشک یہ تو واضح جادوگر ہے۔ بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے اور پھر عرش پر قائم ہوا تدبیر کرتا ہے کام کی، کوئی اسکی اجازت کے بغیر سفارش نہیں کر سکتا وہ اللہ تمہارا رب ہے پس اسی کی عبادت کرو، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟"

اس آیت میں مشرکین کے ایک شبہ اور اعتراض کا جواب ہے، شبہ کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے یہ قرار دے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول یا پیغمبر آئے وہ بشر یعنی انسان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے جب زمین پر بسنے والے لوگ انسان ہیں تو ان کی ہدایت کے لئے بھی تو انسان کا ہونا ضروری تھا تا کہ انکو کوئی اعتراض نہ رہے اگر فرشتہ ہوتا تا یہ لوگ کہتے کی انسان اور فرشتے کی ضروریات میں بہت فرق ہوتا ہے اس لئے ہم کس طرح انسان ہو کر ایک فرشتے کی طرح احکامات کو بجالا سکتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں مشرکین کے ایک شبہ اور اعتراض کا جواب ہے، شبہ کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی

[163] القرآن، ۲،۳:۱۰

جہالت سے یہ قرار دے رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول یا پیغمبر آئے وہ بشر یعنی انسان نہیں ہونا چاہیے۔ تو قرآن کریم نے ان کے اس لغو خیال کا جواب کئی جگہ مختلف عنوانات سے دیا ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا:

"قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا"۔

" اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کے لئے رسول بھی کسی فرشتہ ہی کو بناتے "

" جس کا حاصل یہ ہے کہ رسالت کا مقصد بغیر اس کے پورا نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کی طرف کوئی رسول بھیجا جائے ان لوگوں میں اور اس رسول میں باہمی مناسبت ہو، فرشتوں کی مناسبت فرشتوں سے اور انسان کی انسان سے ہوتی ہے، جب انسانوں کے لئے رسول بھیجنا مقصد ہے تو کسی بشر ہی کو رسول بنانا چاہئے۔ اس آیت میں ایک دوسرے انداز سے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ان لوگوں کا اس بات پر تعجب کرنا کہ بشر کو کیوں رسول بنایا گیا اور اس کو نافرمان انسانوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے اور فرمانبرداروں کو اس کے ثواب کی خوشخبری سنانے کا کام کیوں سپرد کیا گیا، یہ تعجب خود قابل تعجب ہے کیونکہ جنس بشر کی طرف بشر کو رسول بنا کر بھیجنا عین مقتضائے عقل ہے۔ اس آیت میں ایمان والوں کو خوشخبری ان الفاظ میں دی گئی اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ، اس لفظ قدم کے اصلی معنی تو وہی ہیں جو اردو میں سمجھے جاتے ہیں یعنی پاؤں، چونکہ انسان کی سعی و عمل اور اس کے سبب ترقی کا ذریعہ قدم ہوتا ہے، اس لئے مجازاً بلند مرتبہ کو قدم کہہ دیا جاتا ہے، اور لفظ قدم کی اضافت صدق کی طرف کر کے یہ بتلا دیا کہ یہ بلند مرتبہ جو ان کو ملنے والا ہے وہ حق اور یقینی بھی ہے اور قائم و باقی رہنے والا لازوال بھی، دنیا کے منصوبوں اور عہدوں کی طرح نہیں کہ کسی عمل کے نتیجہ میں اول تو ان کا حاصل ہونا ہی یقینی نہیں ہوتا اور حاصل بھی ہو جائے تو ان کا باقی رہنا یقینی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا فانی اور زائل ہونا یقینی ہے۔

" غرض لفظ صدق کے مفہوم میں اس کا یقینی ہونا بھی شامل ہے اور کامل مکمل لازوال ہونا بھی، اس لئے معنی جملہ کے یہ ہوئے کہ ایمان والوں کو یہ خوشخبری سنا دیجئے کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس بڑا درجہ ہے جو یقینی ملے گا اور لازوال دولت ہوگی۔ دل اور زبان دونوں سے سچائی کے ساتھ ایمان اختیار کر لیا جائے جس کا لازمی نتیجہ اعمال صالحہ کی پابندی اور برے اعمال سے پرہیز ہے "۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ سوال فرمارہے ہیں کہ کیا اہل مکہ کو اس بات سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک شخص جو بشر ہے اس پر وحی بھیج دی؟ قرآن نے مشرکین کے اس لغو بیان کا جواب دیا ہے کہ جن لوگوں میں کوئی رسول بھیجا جائے تو وہ رسول انکی باہمی مناسبت سے بھیجا جاتا ہے تاکہ انکو اچھے اعمال پر خوشخبری اور برے اعمال پر ڈرائے اور ایمان والوں کو اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ بلند مقام ان کو ملنے والا ہے وہ حق اور لازوال ہے۔ اگلی آیت میں توحید کو اس ناقابل انکار حقیقت کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین کو پیدا کرنے میں اور پھر پورے عالم کے کاموں کی تدبیر کرنے اور چلانے میں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو پھر عبادت و اطاعت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اللہ نے چھ دن میں آسمان اور زمین بنائے اور پھر عرش پر مستوی ہو گیا اس کے ہاں کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر جسے وہ اجازت دے اور وہی عبادت کا اصل مستحق ہے اور بشر بھی وہ جو تم میں ایک عمر رہ چکا ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے"۔[164]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ زمین و آسمان کی ہر چیز کا مشاہدہ تم اپنی کھلے آنکھوں سے کر چکے ہو پھر بھی نصیحت حاصل نہیں کرتے اور بشر کی طرف بشر کو رسول بنا کر بھیجنا عین مقتضائے عقل ہے۔

۳- سورۃ زمر میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰىهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ"۔[165]

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے اتارا آسمان سے پانی پھر چلایا وہ پانی چشموں میں زمین کے پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی کئی رنگ بدلتے اس پر پھر آئے تیاری پر تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد، پھر کر ڈالتا ہے اس کو چورا چورا، بیشک اس میں عقلمندوں

---

[164] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۴/ ۵۰۱,۵۱۳

[165] القرآن، ۳۹:۲۱

کے لئے نصیحت ہے"۔

اس آیت میں اللہ کی بہت بڑی نشانی کا بیان ہے کہ اے لوگو! کیا تم غور نہیں کرتے کہ کس طرح ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا اور اس سے مختلف اقسام کی کھیتی اگاتے ہیں اور مختلف قسم کی نباتات اگاتے ہیں اور ان کو یہ لوگ استعمال میں لاتے ہیں اور بہت سی کھیتوں کو ہم چورا چورا کر دیتے ہیں تو کیا اس بات میں غور نہیں کرتے کہ جو اللہ کی ذات اگانے اور سر سبز کرنے پر قادر ہے وہ اسے زرد کرنے اور ختم کرنے پر بھی قدرت رکھتی ہے تو یہ لوگ کہاں بھٹکے پھرتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"(اے مخاطب) کیا تو نے اس (بات) پر نظر نہیں کی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کو زمین کے سوتوں میں (یعنی ان قطعات میں جہاں سے پانی ابل کر کنوؤں اور چشموں کے ذریعہ نکلتا ہے) داخل کر دیتا ہے۔ پھر (جب وہ ابلتا ہے تو) اس کے ذریعہ سے کھیتیاں پیدا کرتا ہے جس کی مختلف قسمیں ہیں، پھر وہ کھیتی بالکل خشک ہو جاتی ہے سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر (اللہ تعالیٰ) اس کو چورا چورا کر دیتا ہے اس (نمونہ) میں اہل عقل کے لئے بڑی عبرت ہے۔ سو جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام (کے قبول کرنے) کے لئے کھول دیا اور وہ اپنے پروردگار کے (عطا کئے ہوئے) نور (یعنی ہدایت کے مقتضا) پر (چل رہا) ہے (یعنی یقین لا کر اس کے موافق عمل کرنے لگا اور جن لوگوں کے دل خدا کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے (یعنی ایمان نہیں لاتے) ان کے لئے (قیامت میں) بڑی خرابی ہے (اور دنیا میں) یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو آکر زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو انسان اس سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا۔ حالانکہ پانی اس کی زندگی کا مدار ایسی ضرورت ہے جس سے وہ ایک دن بھی مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے صرف اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب عجیب سامان فرما دیئے۔ کچھ تو زمین کے گڑھوں، حوضوں اور تالابوں میں محفوظ ہو جاتا ہے اور بہت بڑا ذخیرہ برف بنا کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر لاد دیا جاتا ہے۔ جس سے اس کے سڑنے اور خراب ہونے کا امکان نہیں رہتا۔ پھر وہ برف آہستہ آہستہ پگھل کر پہاڑی رگوں کے ساتھ زمین میں اتر

جاتا ہے اور جابجا ابلنے والے چشموں کی صورت میں خود بخود بغیر کسی انسانی عمل کے پھوٹ نکلتا ہے اور ندیوں کی شکل میں زمین میں بہنے لگتا ہے اور باقی پانی پوری زمین کی گہرائی میں چلتا رہتا ہے جس کو کنواں کھود کر ہر جگہ نکالا جا سکتا ہے"۔[166]

" قرآن کریم میں اس نظام آبپاشی کی پوری تفصیل کو سورۃ مومنون میں بیان کیا گیا ہے۔ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُہٗ۔ کھیتی کے اگنے کے وقت اور پکنے کے وقت اس پر مختلف رنگ آتے جاتے رہتے ہیں اور چونکہ ان رنگوں میں انقلاب ہے اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِاُولِي الۡاَلۡبَابِ، یعنی پانی اتارنے اور اس کو محفوظ کر کے انسان کے کام میں لگانے پھر اس سے قسم قسم کی نباتات اور درخت اگانے اور ان درختوں پر مختلف رنگ آنے کے بعد آخر میں زرد خشک ہو کر غلہ الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں بڑی نصیحت ہے عقل والوں کے لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کے دلائل ہیں۔ جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت کو بھی پہچان سکتا ہے جو ذریعہ ہو سکتی ہے اپنے خالق ومالک کے پہچاننے کا۔ آسمان سے پانی نازل کر دینا ہی ایک عظیم الشان نعمت ہے مگر اس نعمت کو زمین کے اندر محفوظ کر دینے کا انتظام نہ کیا جاتا تو انسان اس بارش سے صرف بارش کے وقت یا اس کے متصل چند دن تک فائدہ اٹھا سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے نازل کرنے پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ اس کے محفوظ کرنے کے عجیب سامان مثلاً گڑھوں، حوضوں، تالابوں اور برف کی صورت میں پہاڑوں پر جمع کر دیا جاتا ہے پھر اس کے ذریعے مختلف نباتات کا اگانے اور مختلف رنگ آنے کے بعد آخر زرد خشک ہو کر الگ اور بھوسہ الگ ہو جانے میں عقل والوں کے لیے بڑی نصیحت ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان قدرت و حکمت کے دلائل ہیں جن کو دیکھ کر انسان اپنی تخلیق کے معاملہ کی حقیقت کو بھی پہچان سکتا ہے"۔[167]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرمایا ہے کہ لوگ ہماری نشانیاں دیکھ کر بھی محو غفلت ہیں اور ایمان لانے سے گریزاں ہیں تو یہ تو تعجب کی بات ہے۔ لوگوں کو اللہ پاک اپنی آیات کے ذریعے سمجھا رہے ہیں اور مظاہر قدرت دیکھنے کے باوجود یہ لوگ غور و فکر نہیں کرتے سوچ و بچار

---

[166] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۵۴۹۔

[167] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۵۵۰۔

نہیں کرتے تو ان کی عقلوں پر تعجب ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں وہ اس پر ایمان ضرور لائیں گے۔
۴-سورۃ الرحمن میں ارشاد ربانی ہے:
"فَبِاَیِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ"۔[168]
"پھر کیا کیا نعمتیں اپنے رب کی جھٹلاؤ گے"
اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نعمتیں یاد دلائی ہیں کہ اے انسان! تجھے پیدا کرنے کے بعد ہم نے قوت گویائی عطا فرمائی سورج اور چاند کو تیرے فائدے کے لئے پیدا فرمایا سرسبز وشاداب درختوں کو اور مختلف قسم کے نباتات اور کھیتیاں انسان کی غذائی ضروریات پیدا کرنے کے لئے پیدا فرمائیں سمندروں میں تمہارے فائدے کے لئے کشتیاں چلا دیں تا کی تم ان سے فائدہ حاصل کر سکو اور تم میں سے ہی تمہاری اولاد پیدا فرمائیں تمہاری نسلیں چلائیں اور تم کثرت وعظمت نعم کے اللہ کی نعمتوں کے کیونکر منکر ہو جاؤ گے۔
سورۃ الرحمن میں اللہ تعالیٰ نے دنیوی اور اخروی نعمتوں کو بیان کیا ہے اس پوری سورت میں یہ جملہ اکتیس بار لایا گیا ہے۔
مفتی شفیع اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:
"رحمن کی بے شمار نعمتیں ہیں انسان کو پیدا فرمایا اسے بولنا سکھایا زمین و آسمان میں موجود ساری نعمتوں کو انسان کے فائدے کے لئے بنایا مختلف اقسام کی نباتات پیدا کیں پینے کے لئے پانی فراہم کیا اور ان سمندروں سے طرح طرح کے زیورات نکلتے ہیں سورج، چاند، ستارے اور مختلف موسم بنائے اور قیامت کے دن نیک لوگوں کے لئے باغات تیار کئے جو کہ ہر قسم کی آسائشوں سے بھرے ہوئے ہیں اور گنہگاروں کے انجام کو بیان کیا"۔[169]
اس سورت میں اللہ تعالیٰ انسان کے سامنے اپنی نعمتیں بیان فرما کر ترغیب دینے کی غرض سے اور

---

[168] القرآن، ۵۵:۱۳۔
[169] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۸/۲۴۰۔

معلومات کو دہرانے اور یقینی بنانے کے لیے سوال فرمایا کہ تم میری کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے ؟ لوگوں کو متنبہ کرنے اور شکر نعمت کی ترغیب دینے کے لیے یہ جملہ بار بار لایا گیا ہے۔اس سورت میں اللہ تعالیٰ اپنی بہت سی نعمتوں کا یاد دلا کر انسان سے پوچھتے ہیں کہ میں نے سب نعمتیں تجھے عطا فرمائی ہیں تو ان میں سے کسی ایک پر بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا کوئی بھی چیز تیرے قبضہ قدرت میں نہیں ہے تو بے بس ہے کیونکہ جو اللہ تجھے بنانے پر قادر ہے وہ تیری روح کو نکالنے پر بھی اسی طرح قدرت رکھتا ہے کہ تجھے ایک سیکنڈ کی مہلت بھی نہ مل سکے۔اگر حق واضح ہونے کے بعد بھی تم لوگ اپنی سابقہ ہٹ دھرمی پر قائم رہو گے تو تمہارے لئے سراسر خسارہ ہے۔

۵-سورۃ الملک میں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

"الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَا تَرٰی فِی خَلقِ الرَّحمٰنِ مِن تَفٰوُتٍ فَارجِعِ البَصَرَ هَل تَرٰی مِن فُطُورٍ "[170]

"جس نے بنائے سات آسمان تہ پر تہ، کیا تو دیکھتا ہے رحمٰن کے بنائے میں کوئی فرق؟ پھر دوبارہ نگاہ کر کہیں نظر آتی ہے تجھ کو دراڑ؟"

نیز فرمایا:

"اَوَلَم یَرَوا اِلَی الطَّیرِ فَوقَهُم صٰٓفّٰتٍ وَّیَقبِضنَ مَا یُمسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحمٰنُ اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیءٍۭ بَصِیرٌ"۔[171]

"اور کیا دیکھتے نہیں ہو اڑتے ہوئے پرندوں کو اپنے پر کھولے ہوئے اور پر جھپکتے ہوئے، ان کو کوئی نہیں تھام رہا سوائے رحمن کے اسکی نگاہ میں ہر چیز ہے"۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عظیم نشانی کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم نے سات آسمان اوپر تلے پیدا فرمائے یعنی ایک آسمان سے دوسرا آسمان فاصلے پر ہے اس کو اچھے طرح دیکھو کہ کیا تمہیں اس میں کوئی شگاف نظر آتا ہے بار بار نظر دوڑاؤ اور کوئی دراڑ ہی تلاش کر کے دکھاؤ۔لاکھ کوشش کے باوجود تمہاری

---

[170] القرآن،۶۷:۱۹۔

[171] القرآن،۶۷:۳،۱۴،۱۹۔

نظر ناکام و نامراد ہو کے واپس پلٹ آئے گی اور تم کوئی رخنہ بھی تلاش نہ کر سکو گے کیونکہ اللہ کی بنائی ہوئی ہر چیز مکمل ہے۔

اس سے آگے مزید آیت میں بھی یہی وضاحت کی جارہی ہے کہ تم آسمان پر اڑتے پرندوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے وہ ہواؤں میں اڑ رہے ہیں اور ایک نظم وضبط کے ساتھ وہ اڑتے چلے جاتے ہیں اور کون ہے جو ان کو ہوا میں اس طرح تھامے ہوئے ہیں انہیں گرنے نہیں دیتا انہیں تحفظ دیتا ہے تو یہ صرف اور صرف اللہ ہی کی ذات پاک ہے جس کے قبضہ اختیار میں ہر چیز ہے

ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے مفتی شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

" فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ، اس آیت سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا والے آسمان کو آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اور یہ ضروری نہیں کہ نیلگوں فضا جو دکھائی دیتی ہے یہی آسمان ہو بلکہ ہو سکتا ہے آسمان اس سے بہت اوپر ہو اور یہ نیلگوں رنگ ہوا اور فضا کا ہو جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں مگر اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ آسمان انسان کو نظر ہی نہ آئے، ہو سکتا ہے کہ یہ نیلگوں فضا شفاف ہونے کے سبب اصل آسمان کو جو اس سے بہت اوپر ہے دیکھنے میں مانع نہ ہو اور اگر کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جائے کہ دنیا میں رہتے ہوئے آسمان کو آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا تو پھر اس آیت میں رویت سے مراد رویت عقلی یعنی غر و فکر ہو گا(بیان القرآن) پھر بیان فرمایا کہ کیا وہ پرندوں کو اپنے سروں پر اڑتے ہوئے نہیں دیکھتے جو کبھی اپنے بازوؤں کو پھیلا دیتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان پرندوں جانوروں کو ایسی وضع پر بنایا ہے کہ وہ ہوا پر ٹھہر سکیں اور ہوا پر اپنے جسام کا بوجھ ڈالنے اور اس میں تیرتے ہوئے پھرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اس بظاہر بے عقل و شعور جانور کو یہ سلیقہ سکھا دیا ہے کہ وہ اپنے پروں کو پھیلانے اور سمیٹنے کے ذریعہ ہوا کو مسخر کر لیتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہوا میں یہ صلاحیت پیدا کرنا، پرندوں کے پروں کو اس وضع پر بنانا پھر ان کو اپنے پروں کے ذریعہ ہوا پر کنٹرول کرنے کا سلیقہ سکھانا یہ سب حق تعالیٰ ہی کی قدرت کاملہ ہے۔ یہاں تک ممکنات و موجودات کی مختلف اصناف کے حالات میں غور و فکر کے ذریعہ حق تعالیٰ کے وجود اور توحید اور بے نظیر علم وقدرت کے دلائل جمع فرمائے گئے جن میں ذرا بھی غور و فکر کرنیوالے کو حق تعالیٰ پر ایمان لانے کے سوا چارہ نہیں رہتا، منکرین اور بد عمل لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا ہے۔ پہلے اس پر تنبیہ کی گئی کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی قوم پر

عذاب نازل کرنا چاہیں تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو نہیں روک سکتی، تمہارے لشکر اور سپاہی اس سے تم کو نہیں بچاسکتے، ہر چیز کا وہ جاننے والا ہے اور ہر چیز اسکی نظر میں ہے ہر چیز سے باخبر ہے"۔[172]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی عظیم الشان نشانی آسمان کے بارے میں بیان فرمارہے ہیں کہ تم دیکھو کہ کیسے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے ہیں اور انکو بغیر ستونوں کے بنایا ہے اور انسان کو کہا گیا ہے انکو غور سے دیکھ اور کوئی شگاف تلاش کر کے دکھاؤ تمہیں کسی قسم کی کوئی دراڑ نظر نہیں آئے گی چاہے بار بار نظر دوڑالو۔اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت کے اثبات کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ دیکھو میری کاریگری کو میرے معجزات کو بھلا کون ہے میرے سوا جو ایسا کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ پھر کہا گیا ہے کہ آسمانوں پر اڑتے پرندوں کی طرف دیکھو وہ کیسے فضا میں اپنا وجود بر قرار رکھے ہوئے ہیں اور ایک منظم انداز میں اڑ رہے ہیں تو انکو یہ شعور دینے والی ذات کس کی ہے کون ہے جو ان کو یہ سکھائے ہوئے ہے ؟ کون ہے جو ان کو ہواؤں میں سہارا دیئے ہوئے ہے جو انکو تھامے ہوئے ہے ؟ یہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے جو ان تمام چیزوں پر اختیار رکھتا ہے اور وہی سب کا بنانے والا، ان کو شعور عطا فرمانے والا، اور انکو زندگی گزارنے کے لیے لائحہ عمل دینے والا مشفق رب ہے۔

٦-سورۃ الغاشیۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الاِ بِلِ كَيفَ خُلِقَت ، وَاِلَى السَّمَآءِ كَيفَ رُفِعَت ، وَاِلَى الجِبَالِ كَيفَ نُصِبَت ، وَاِلَى الاَرضِ كَيفَ سُطِحَت "[173]

"بھلا کیا نظر نہیں کرتے اونٹوں پر کہ کیسے بنائے ہیں؟ اور آسمان پر کہ کیسے اسکو بلند کیا ہے اور پہاڑوں پر کہ کیسے کھڑے کیے ہیں اور زمین پر کیسے بچھائی ہے ؟"۔

اس آیت میں اللہ پاک اپنی مختلف نشانیوں کا بیان فرمارہے ہیں کی دیکھو ہم نے کیسے اونٹوں کی تخلیق فرمائی ہے وہ صحرا میں رہتے ہیں تو ان کے آنکھوں پر اس قسم کا پردہ لگا دیا ہے کہ صحراؤں میں چلنے والے تیز طوفانوں کی مٹی سے ان کی آنکھوں کی حفاظت کی جاسکے وہ پردہ ان کی آنکھوں کو مٹی سے بچاتا ہے اور

[172] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن،۸ / ۵۱۰۔

[173] القرآن،۸۸:۲۰،۱۹،۱۸،۱۷۔

صحرا میں پانی کی کمی کی وجہ سے اونٹ میں یہ صلاحیت ودیعت کی گئی ہے کہ وہ اپنے اندر پانی کو ذخیرہ کر سکتا ہے اور بوقت ضرورت اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ اس میں عقل والوں کے لئے بہت بڑی نشانیاں ہیں۔ اسکے بعد کہا گیا کہ کس طرح ہم آسمان کو اٹھائے ہوئے ہیں جسے گرنے نہیں دیتے کوئی ستون بھی نہیں ہے کہ جس پر آسمان کو رکھا ہوا تو یہ کون ذات ہے جو اسکے بلند کئے ہوئے ہے؟ اور بلند و بالا پہاڑوں کو اتنے مضبوطی سے زمین میں گاڑ دیا گیا ہے کہ کوئی بھی انسان اپنی طاقت کے زور سے اس کو ہلا بھی نہیں سکتا اور زمین کو فرش بنا دیا کہ اتنا مضبوط جو کہ تمام چیزوں کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہے اور کبھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ زمین نے کبھی اس بوجھ کو اٹھانے سے انکار کیا ہو تو کون ہے جو اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے وہی خدائے برحق ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

" قیامت کے احوال اور اس میں مومن و کافر کی جزاء و سزا کا بیان فرمانے کے بعد ان جاہل معاندین کی ہدایت کی طرف توجہ فرمائی جو اپنی بے وقوفی سے قیامت کا انکار اس بناء پر کرتے ہیں کہ انہیں مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا بہت بعید بلکہ محال نظر آتا ہے ان کی ہدایت کے لئے حق جل شانہ نے اپنی قدرت کی چند نشانیوں میں غور کرنے کا ان آیتوں میں ارشاد فرمایا ہے اور اللہ کی قدرت کی نشانیاں تو آسمان و زمین میں بیشمار ہیں، یہاں ان میں سے ایسی چار چیزوں کا ذکر فرمایا جو عرب کے بادیہ نشین لوگوں کے مناسب حال ہیں کہ وہ اونٹوں پر سوار ہو کر بڑے بڑے سفر طے کرتے ہیں اس وقت ان کے سب سے زیادہ قریب اونٹ ہوتا ہے اوپر آسمان اور نیچے زمین اور دائیں بائیں اور آگے پیچھے پہاڑوں کا سلسلہ ہوتا ہے انہیں چاروں چیزوں میں ان کو غور کرنے کا حکم دیا گیا کہ دوسری آیات قدرت کو بھی چھوڑ و انہیں چار چیزوں میں غور کرو تو حق تعالیٰ کی ہر چیز پر قدرت کاملہ کا مشاہدہ ہو جائے گا۔ "

" جانوروں میں اونٹ کی کچھ ایسی خصوصیات بھی ہیں جو خاص طور سے غور کرنے والے کے لئے حق تعالیٰ کی حکمت و قدرت کا آئینہ بن سکتی ہیں۔ اول تو عرب میں سب سے زیادہ بڑا جانور اپنے ڈیل ڈول کے اعتبار سے اونٹ ہی ہے، ہاتھی وہاں ہوتا نہیں دوسرے حق تعالیٰ نے اس عظیم الجثہ جانور کو ایسا بنا دیا ہے کہ عرب کے بدو اور غریب مفلس آدمی بھی اس اتنے بڑے جانور کے پالنے رکھنے میں کوئی مشکل محسوس نہ کریں کیونکہ اس کو چھوڑ دیجئے تو یہ اپنا پیٹ خود بھر لیگا اونچے درختوں کے پتے توڑنے کی زحمت

بھی آپ کو نہیں کرنا پڑتی یہ خود درختوں کی شاخیں کھا کر گزارہ کرلیتا ہے۔ ہاتھی اور دوسرے جانوروں کی سی اس کی خوراک نہیں جو بڑی گراں پڑتی ہے۔ عرب کے جنگلوں میں پانی ایک بہت ہی کمیاب چیز ہے، ہر جگہ ہر وقت نہیں ملتا۔ قدرت نے اس کے پیٹ میں ایک ریزروٹینکی ایسی لگادی ہے کہ سات آٹھ روز کا پانی پی کر یہ اس ٹنکی میں محفوظ کرلیتا ہے اور تدریجی رفتار سے وہ اس کی پانی کی ضرورت کو پورا کردیتا ہے۔ اتنے اونچے جانور پر سوار ہونے کے لئے سیڑھی لگانا پڑتی مگر قدرت نے اس کے پاؤں کو تین تہہ میں تقسیم کردیا یعنی ہر پاؤں میں دو گھٹنے بنادیئے کہ وہ طے کرکے بیٹھ جاتا ہے تو اس پر چڑھنا اور اترنا آسان ہوجاتا ہے۔ محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے۔ عرب کے میدانوں میں دن کا سفر دھوپ کی وجہ سے سخت مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات بھر چلنے کا عادی بنادیا ہے۔ مسکین طبع ایسا ہے کہ ایک لڑکی بچی اس کی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لیجائے اس کے علاوہ اور بہت سی خصوصیات ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی قدرت و حکمت بالغہ کا سبق دیتی ہیں۔ آپ کا کام تبلیغ کرنے اور نصیحت کرنے کا ہے وہ کرکے آپ بے فکر ہوجائیں حساب کتاب اور جزا و سزا سب ہمارا کام ہے۔[174]

اس آیت میں اللہ پاک نے اپنی چار بڑی نشانیوں کا ذکر اس لئے فرمایا کہ عرب کے لوگ اونٹ پالتے تھے ان سے مال برداری کا کام لیتے تھے ہر طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے اونٹ میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ وہ اپنے پیٹ میں پانی ذخیرہ کرلیتا ہے اور میلوں سفر کرسکتا ہے محنت کش اتنا ہے کہ سب جانوروں سے زیادہ بوجھ اٹھالیتا ہے عرب کے میدانوں میں دن کا سفر مشکل ہے قدرت نے اس جانور کو رات دن چلنے کا عادی بنادیا ہے مسکین طبع اتنا ہے کہ ایک بچی اسکی مہار پکڑ کر جہاں چاہے لے جائے اللہ پاک لوگوں سے بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا تم میری تخلیق پر غور نہیں کرتے تو تعجب ہے کہ اس کے باوجود تم ایمان لانے میں ڈگمگارہے ہو اگر تم عقل رکھتے تو تم فوراً ایمان لے آتے۔

خلاصہ بحث

اسلام کے پورے اعتقادی اور عملی نظام میں پہلی اور بنیادی چیز ہی ایمان باللہ ہے باقی جتنے بھی اعتقادات اور ایمانیات ہیں اسی مرکز سے سب قوت حاصل کرتے ہیں اور یہاں جو کچھ بھی ہے اس کا مرجع خدا کی

---

[174] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۸/ ۳۰۷۔

ذات ہے۔ فرشتوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ خدا کے فرشتے ہیں اور مقدس کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہی انسانی ہدایت کے لئے نازل فرمائی گئیں ہیں رسولوں پر اس لئے ایمان ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ الغرض ہر چیز جو اسلام میں داخل ہے اس کا سر چشمہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے اقرار کا عقیدہ ہے اور اس ایک مرکز کے ہٹنے سے سارا نظام تباہی و برباد ہو جاتا ہے اور انسانی سعی و عملی کا سانچہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اسی طرح فرشتوں کی مقدس ہستیاں ہیں وہ پوشیدہ نورانی ہستیاں جدا کے تابع فرمان ہیں اور اس قدر مطیع ہیں کہ حکم الٰہی سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے اور یہ اپنے رب کے فرمان بجالاتے ہیں ان کو خود اپنے اختیار سے کرنے کی قدرت نہیں ہے ان کی اتنی مجال بھی نہیں کہ اللہ کے پاس کسی کی سفارش بھی کر دیں اور یہ ہر چیز اللہ کے حکم کے مطابق بجالاتے ہیں۔

اسی طرح کتابوں پر ایمان لانے کی تعلیم ہمیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے دی گئی کہ اللہ کے کتابیں جو اس نے اپنے انبیاء پر نازل کیں وہ سب انسانوں کی بھلائی کے لئے اتاری گئیں اور ان میں تمام احکامات حالات اور ضرورت کے مطابق ہوا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو زندگی گزارنے کے لئے صحیح تعلیمات دی جاسکیں۔

اس فصل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں آیات استفہام کی ایمانیات کے ضمن میں تفسیر پیش کی گئی ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں سے جو سوال فرمائے ہیں ان کے پیشِ نظر جو مقاصد ہیں انکو بیان کیا گیاہے اور درج ذیل آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲، سورۃ یونس آیت نمبر ۲,۳، سورۃ الزمر آیت ۲۱، سورۃ الرحمن آیت نمبر ۱۳، سورۃ الملک آیت نمبر ۱۴,۳,۱۹، سورۃ الغاشیۃ آیت نمبر ۱۷,۱۸,۱۹,۲۰۔

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات

ایمان لانے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کے ذریعے زندگی گزارنے کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ وہی معبود ہے اللہ تعالیٰ نے سورۃ ھود میں ارشاد فرمایا ہے:

"اَن لَّا تَعبُدُوا اِلَّا اللهَ اِنِّيٓ اَخَافُ عَلَيكُم عَذَابَ يَومٍ اَلِيمٍ"۔ [175]

"یہ کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بیشک میں تم پر دردناک عذاب کے بارے میں ڈرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی عبادت میں شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس آیت کی رو سے جو بھی اللہ کے سوا کسی اور کو معبود سمجھے گا وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گا اور ایسے شخص کے لئے دردناک عذاب ہے اللہ پاک ہی معبود برحق ہے انسان اشرف المخلوقات ہے اور اسے یہی حکم دیا گیا ہے کہ الہ واحد کی عبادت و بندگی کریں اور انسان اس بات کا پابند ہے اللہ تبارک وتعالیٰ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

"وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعبُدُوٓا اِلَّآ اِيَّاهُ"۔ [176]

"تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اسی کی"

سورہ القصص کی آخری آیت میں فرمایا گیا:

"وَلَا تَدعُ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ"۔ [177]

"اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کی ذات کے"۔

ان آیات میں واضح حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ کو معبود اور نفع و نقصان کی تمام قوتوں کا مالک تسلیم کرنا ہے

---

[175] القرآن،۲۶:۱۱۔

[176] القرآن،۱۷:۲۳۔

[177] القرآن،۲۸:۸۸۔

اس کا سر اللہ کے سوا دنیا کی کسی طاقت کے سامنے نہیں جھکتا۔ خدا ہونے کی حیثیت سے رکوع و سجود، قیام، شکر نعمت یا اعتراف برتری کے لئے نزر و نیاز اور قربانی، قضائے حاجات، رفع مشکلات، مصائب و مشکلات میں مدد کے لیے پکارنا اور تمام قسم کی پرستش، تعظیم و تمجید کے تمام صورتیں اللہ کے لئے خاص ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہر چیز دینے والی ذات صرف اللہ کی ہے تو پھر دوسروں کو مدد کے لئے پکارنا کہاں کا انصاف ہے۔ اس لئے عبادت صرف اللہ ہی کی جائز ہے۔

مولانا مودودی عبادت کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں:

"عبادت کا لفظ "عبد" سے نکلا ہے اور عبد کے معنی "بندے اور غلام کے ہیں" کرنے عبادت کا معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ بندے کا پہلا کام یہ ہے کہ اپنے آقا کو ہی آقا سمجھے اور ہر وقت اس کی اطاعت کرے اس کے خدمت سے منہ نہ موڑے اور آقا کی مرضی کے خلاف کوئی سے نہ کہے اپنے آقا کا ادب اور تعظیم کرے جو طریقہ آقا نے تعظیم کرنے کا مقرر کیا ہو اس کی پیروی کرے اور اپنے آقا کی وفاداری اور اطاعت میں ثابت قدم ہو"۔[178]

سید ابوالحسن ندوی اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

"انسان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ بنا تھا اور نہایت نازک منصب پر فائز ہونا تھا اس لئے اسمیں خواہشات بھی رکھی گئی ہیں اور کچھ ضرورتیں بھی اسکے ساتھ وابستہ کر دی گئیں ہیں اس میں جذبات بھی ہیں اور سوز محبت بھی، احساس عالم بھی اور شعور مسرت بھی، ذوق جستجو بھی ہے اور شوق علم بھی۔ وہ زمین کے خزینوں اور دفینوں سے فائدہ اٹھائے اور ان کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہے اس نازک اور اہم منصب کی ذمہ داریوں کو نبھانے اور اس خاص مقصد کی تکمیل جس کے لئے اسکی تخلیق کی گئی ہے اسکو چاند، سورج، ستاروں، پہاڑوں، نباتات، جمادات اور حیوانات کی طرح مسلسل قیام، مسلسل رکوع، مسلسل سجدے اور مسلسل تسبیح و ذکر کا پابند نہیں بنایا گیا بلکہ ان تمام باتوں کے پیش نظر انسان کے لئے عبادات کے ایسے نظام کی ضرورت تھی جو اس کی فطرت، فرائض منصبی، اس کائنات میں اسکے مرتبے اور مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جو خلافت الہی کی صورت میں اس کے کاندھوں

---

[178] مودودی، سید ابوالاعلی، خطبات، اسلامی پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۱۱۴۔

پر ڈالی گئی ہے ایک طرف عبادت اس کے لئے ضروری بھی تھی کہ یہ اسکی فطرت کا تقاضا بھی ہے اسکی ذمہ داری اور فریضہ کا منشاء بھی۔ یہ اسکے ضمیر کے آواز، اسکی شرافت، اظہار انسانیت کی ضرورت اور قلب وروح کی غذا ہے دوسری طرف یہ بھی ضروری تھا کہ یہ عبادت اسکے قدو قامت اور شخصیت کے مطابق اور اسکی نازک اور اہم حیثیت اور اس کائنات میں اسکے منفرد مقام کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔[179]
اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں:

"اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ "۔[180]

"ہم نے ہر چیز ایک خاص انداز سے پیدا کی ہے"
یعنی ہر چیز کے بنانے میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے کوئی چیز بیکار یا بے فائدہ نہیں ہے اس کائنات میں ہر چیز کو اللہ پاک نے انسان کے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے اور ہر چیز ایک مخصوص انداز میں بنائی گئی ہے۔
معارف القرآن کی روشنی میں اس فصل میں درج ذیل آیاتِ استفہام کی تفسیر عبادات کے ضمن میں بیان کی جارہی ہے۔
۱۔سورۃ آل عمران میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

" وَاِذۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيۡتُكُمۡ مِّنۡ كِتٰبٍ وَّحِكۡمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنۡصُرُنَّهٗ ‌ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَاَخَذۡتُمۡ عَلٰى ذٰ لِكُمۡ اِصۡرِىۡ‌ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ‌ؕ قَالَ فَاشۡهَدُوۡا وَاَنَا مَعَكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ "۔[181]

"اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمھارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتادے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان

[179] ندوی، سید ابوالحسن، اسلامی تہذیب وثقافت، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۳،۲۔
[180] القرآن، ۵۴:۴۹۔
[181] القرآن، ۳:۸۱۔

لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر میرا عہد قبول کیا ؟ بولے ! ہم نے اقرار کیا فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا (حضرات) انبیاء (علیہم السلام) سے کہ جو کچھ تم کو کتاب اور علم (شریعت) دوں (اور) پھر تمہارے پاس کوئی (اور) پیغمبر آوے جو مصداق (اور موافق) ہو اس (علامت) کا جو تمہارے پاس (کی کتاب اور شریعت میں) ہے (اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ یہ فرما دیجیے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس (حکم) پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس (حکم) پر جو (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوب (میں جو نبی گزرے ہیں ان) کی طرف بھیجا گیا اور اس (حکم و معجزہ) پر بھی جو (حضرت) موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے (سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور ایمان بھی) اس کیفیت سے کہ ہم ان (حضرات) میں سے کسی ایک میں بھی (ایمان لانے کے معاملہ میں) تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ رکھیں) اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں"۔[182]

"ان آیات میں اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے جو یقیناً پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو گا، تو پہلے نبی کے لئے ضروری ہے کہ پچھلے نبی کی سچائی اور نبوت پر ایمان خود بھی لائے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں، سمجھنا یہ ہے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے سے قیامت تک کے لئے ہے صحیح نہیں، بلکہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم (علیہ السلام) کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، محشر میں شفاعت کبری کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اسی سیاست عامہ اور امامت عظمی کے آثار میں

[182] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۲/۹۸۔

سے ہے"۔[183]

اللہ تعالیٰ نے یہ عہد انبیاء کرام سے لیا اور پھر ان سے سوال کیا اور معلومات کو یقینی بنانے کے لئے سوال کیا اور پھر ان سے جواب لیکر انکو بھی گواہ بنایا اور خود بھی شاہد بنے۔ اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام انسان خدا کی ربوبیت پر اعتقاد رکھیں کیونکہ مذہب کی عمارت اسی پر استوار ہے جب تک یہ اعتقاد نہ ہو تو عقل و فکر کے رہنمائی مذہبی میدان میں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتی۔

۲-سورۃ الأنبیاء میں ارشادِ الٰہی ہے:

"قُلۡ مَنۡ يَّكۡلَؤُكُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ‌ؕ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ "

"اَمۡ لَهُمۡ اٰلِهَةٌ تَمۡنَعُهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِنَا‌ؕ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ نَصۡرَ اَنۡفُسِهِمۡ وَلَا هُمۡ مِّنَّا يُصۡحَبُوۡنَ"۔[184]

"تو کہہ کون نگہبانی کرتا ہے تمہاری رات میں اور دن میں رحمٰن سے، کوئی نہیں وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑتے ہیں، یا انکے لئے کوئی معبود ہے کہ انکو بچائے ہمارے سوا وہ اپنی مدد بھی نہیں کرسکتے اور نہ انکی ہماری طرف سے رفاقت ہو"۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرمارہے ہیں کہ کہ دنیا میں یہ لوگ عذاب سے محفوظ ہیں تو یہ حفاظت سوائے رحمن کے کون کر رہا ہے اس میں بھی اسی کا احسان اور دلالت علی التوحید ہے جن کو ہمارے سوا معبود سمجھتے ہو وہ تو خود اپنی حفاظت نہیں کرسکتے انکی بیچارگی اور درماندگی کی تو یہ حالت ہے کہ وہ خود اپنی حفاظت کی قدرت نہیں رکھتے پس نہ وہ اور نہ انکے معبود انکی حفاظت کرسکتے ہیں اور نہ ہمارے مقابلے میں کوئی ان کا ساتھ دے سکتا ہے"۔[185]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ بطور تعجب کے سوال فرماتے ہیں کہ ہم نے ان کو اور جن کو یہ اللہ کے سوا

---

[183] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۲/۹۹,۱۰۰۔

[184] القرآن، ۲۱:۴۲,۴۳۔

[185] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۶/۱۸۳۔

پرستش کے لائق سمجھتے ہیں پیدا فرمایا ہے معبود برحق تو صرف اللہ کی ذات ہے تو کیسے یہ ہماری عبادت سے منہ موڑتے ہیں ان پر سوائے حیرت اور تعجب کے کیا کیا جا سکتا ہے۔

۳-سورۃ النور میں ارشادِ حق باری تعالیٰ ہے:

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ‌ ؕ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ۔[186]

"کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ کو یاد کرتے ہیں جو کوئی آسمان و زمین میں اور اڑتے جانور پر کھولے ہوئے، ہر ایک نے جان رکھی ہے اپنی طرح کی بندگی اور یاد، اور جو وہ کرتے ہیں اللہ کو معلوم ہے"۔

اے انسان! کیا تجھ کو دلائل اور مشاہدے سے معلوم نہیں ہوا کہ جو مخلوقات آسمان و زمین میں ہے سب کے سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں پرندے بھی پر پھیلائے ہوئے سب پرندوں کو الہام کے ذریعے اپنی تسبیح معلوم ہے۔

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

"(اے مخاطب) کیا تجھ کو (دلائل اور مشاہدہ سے) معلوم نہیں ہوا کہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں جو مخلوقات ہیں اور بالخصوص پرند بھی جو پر پھیلائے ہوئے اڑتے پھرتے ہیں کہ ان کی دلالت علی وجود الصانع اور زیادہ عجیب ہے کہ باوجود ان کے ثقل اجسام کے پھر فضاء میں رکے ہوئے ہیں اور) سب (پرندوں) کو اپنی اپنی دعا (اور التجاء اللہ سے) اور اپنی تسبیح (و تقدیس کا طریقہ الہام سے) معلوم ہے اور (باوجود ان دلائل کے پھر بھی بعض توحید کو نہیں مانتے تو) اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے (اس انکار و اعراض پر ان کو سزا دے گا) اور اللہ ہی کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں (اب بھی) اور (انتہا میں) اللہ ہی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے (اس وقت بھی حاکمانہ تصرف اسی کا ہوگا چنانچہ حکومت کا ایک اثر بیان کیا جاتا ہے وہ یہ کہ اے مخاطب) کیا تجھ کو یہ بات معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک بادل کو دوسرے بادل کی طرف چلتا کرتا ہے پھر اس بادل کے مجموعہ کو باہم ملا دیتا

---

[186] القرآن، ۲۴:۴۱

ہے پھر اس کو تہ بہ تہ کرتا ہے پھر تو بارش کو دیکھتا ہے کہ اس بادل کے بیچ میں سے نکل کر آتی ہے اور اس بادل سے یعنی اس کے بڑے بڑے حصوں میں سے اولے برساتا ہے پھر ان کو جس جان پر یامال پر چاہتا ہے گراتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اس کو ہٹا دیتا ہے اس بادل میں سے بجلی بھی پیدا ہوتی ہے اور ایسی چمکدار کہ اس بادل کی بجلی کی چمک کی یہ حالت ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اس نے اب بینائی کو اچک لیا اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے اس میں اہل دانش کے لئے استدلال ہے، اللہ ہی کا یہ تصرف بھی ہے کہ اس نے ہر چلنے والے جاندار کو (بری ہو یا بحری) پانی سے پیدا کیا ہے پھر ان (جانوروں) میں بعض تو وہ (جانور) ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں (جیسے سانپ مچھلی) اور بعض ان میں وہ ہیں جو دو پیروں پر چلتے ہیں (جیسے انسان اور پرندے جبکہ ہوا میں نہ ہوں) اور بعضے ان میں وہ جو چار (پیروں) پر چلتے ہیں (جیسے مویشی، اسی طرح بعض زیادہ پر بھی اصل یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے بناتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پورا قادر ہے اس کو کچھ بھی مشکل نہیں۔ شروع آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اس تسبیح کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین، آفتاب و ماہتاب اور کل سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایا ہے اور جس کو جس کام کے لئے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اس پر لگا ہوا ہے "۔[187]

" اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے۔ فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں جمادات کسی اور طریق سے، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اس کو ایسی ہدایت دے دی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اپنے رہنے بسنے کے لئے کیسے کیسے گھونسلے اور بل وغیرہ بناتے ہیں اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔ زمین و آسمان اور انکے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر

[187] عثمانی، معارف القرآن، ۶/ ۲۳۱۔

چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین، آفتاب و ماہتاب اور کل سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا سب کو خاص خاص کاموں کے لئے پیدا فرمایاہے اور جس کا جس کام کے لئے پیدا فرمایاہے وہ برابر اس پر لگاہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہے جس سے وہ اپنے خالق ومالک کو پہچانے اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت انکو سکھادی جس میں وہ مشغول رہتے ہوں کیونکہ آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہر چیز اپنی تسبیح جانتی ہے اور اپنی اپنی تسبیح میں لگی ہوئی ہے ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا اور نباتات اور طرح سے عبادت اور تسبیح کرتے ہی جمادات کسی اور طریقے سے"۔[188]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اعتبار کرنے کی غرض سے سوال فرمارہے ہیں کہ کھلی آنکھوں سے میری نشانیوں کو دیکھتے ہو اور پھر بھی اعتبار نہیں کرتے توتم پر سوائے حسرت وافسوس کے کیا بھی کیاجاسکتا ہے۔

۴-سورۃ فاطر میں خداوند متعال کا فرمان ہے:

"يَاأَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ "[189]

"اے لوگو! یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر، کیا کوئی ہے بنانے والا اللہ کے سوا روزی دیتا ہے تمکو آسمان سے اور زمین سے کوئی معبود نہیں ہے اسکے سوا، پھر کہاں تم الٹے جاتے ہو"۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع عثمانیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"اللہ پر توکل واعتماد سارے مصائب سے نجات ہے۔ اللہ کے احسانات یاد کرو جو تم پر ہیں اور اس کا شکر ادا کرو اور شکر یہ ہے کہ توحید اختیار کرو شرف چھوڑ دو، کم از کم اسکی دو بڑی نعمتوں میں غور کرو ایک یہ کہ تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا اور دوسرا انکو زندہ رکھنے کے لیے رزق کا انتظام فرمایا۔ کیا اللہ کے سوا کوئی خالق

---

[188] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۶/ ۲۳۳۔

[189] القرآن، ۳۵:۳۔

ہے جو تم کو آسمان وزمین سے رزق پہنچاتا ہو یعنی اس کے سوا نہ کوئی تخلیق و ایجاد کر سکتا ہے اور نہ کوئی ایجاد کردہ کو باقی اور قائم رکھنے کے لئے رزق پہنچانے کا کام کر سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ ہر طرح سے کامل ہے تو یقیناً اس کے سوا کوئی لائق عبادت بھی نہیں تو جب معبود ہونا اسی کا حق ہے تو تم شرک کر کے کہاں الٹے جارہے ہو"۔[190]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے دو بہت بڑے احسانات کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

۱- تمام مخلوقات کی تخلیق

۲- تمام مخلوقات کے رزق کا انتظام

انسان کی تخلیق ایک بہت بڑا معجزہ ہے اسی طرح تمام مخلوقات کو پیدا کرنا کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہے اللہ کے سوا معبودان باطلہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اسی طرح تخلیق کے بعد دوسرا مرحلہ رزق کا ہے کیونکہ کھائے بغیر تو کوئی بھی جاندار چیز زندہ نہیں رہ سکتی اسی لئے اللہ پاک نے ساری مخلوقات کے رزق کا ذمہ لیا ہے تو اللہ پاک باطل کے رد اور استحسان کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ تم لوگ اتنی بڑی بڑی نعمتوں کے ملنے کے باوجود کہاں بھکے پھرتے ہو؟ ان سب کے باوجود تم ایمان لانے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے سے کترا رہے ہو۔

۵- سورۃ الزخرف میں فرمان رب العالمین ہے:

"وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ" [191]

"اور پوچھ جو رسول ہم نے تجھ سے پہلے بھیجے کیا ہم نے رکھے ہیں رحمن کے سوا اور معبود کہ انکی عبادت کی جائے"۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دے رہے ہیں کہ سابقہ انبیاء کرام سے سوال کیجئے اور پوچھ لیجیے کہ کیا ہم نے ان کو بھی توحید کا حکم نہیں دیا اور یہ کہ خداوند معبود برحق کے سوا

---

[190] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۳۱۵۔

[191] القرآن، ۴۵:۴۳۔

کسی اور کی پرستش کرنے کا حکم دیا؟ اسکے بارے میں مفسر رحمۃ اللہ علیہ بیان فرماتے ہیں:

"آپ ان سب پیغمبروں سے جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے) یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پچھلے انبیاء (علیہم السلام) تو وفات پا چکے، ان سے پوچھنے کا حکم کیسے دیا جارہا ہے ؟ اس کا جواب بعض مفسرین نے تو یہ دیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی معجزہ کے طور پر سابقہ انبیاء (علیہم السلام) سے آپ کی ملاقات کرادے تو اس وقت ان سے یہ بات پوچھ لیجئے، چناچہ شب معراج میں آپ کی ملاقات تمام انبیاء سے ہوئی اور علامہ قرطبی نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء (علیہم السلام) کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی تھی لیکن ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہوسکی چناچہ اکثر مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ خود انبیاء (علیہم السلام) سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والوں صحیفوں سے تحقیق کرنا اور ان کی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی معجزہ کے طور پر سابقہ انبیاء کرام علیہم السّلام سے آپ کی ملاقات کرادے تو اس وقت ان سے یہ بات پوچھ لیجئے چنانچہ شب معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات تمام انبیاء کرام سے ہوئی اور علامہ قرطبی نے بعض روایات نقل کی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی تھی لیکن ان روایات کی سند معلوم نہیں ہوسکی جبکہ بعض مفسرین نے آیت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ خود انبیاء کرام سے پوچھنا مراد نہیں بلکہ ان پر نازل ہونے والے صحیفوں سے تحقیق کرنا اور انکی امتوں کے علماء سے پوچھنا مراد ہے چنانچہ انبیاء بنی اسرائیل کے جو صحیفے آج موجود ہیں ان میں بہت سی تحریفات کے باوجود توحید کی تعلیم اور شرک سے بیزاری کی تعلیم آج تک شامل ہے۔"[192]

اس آیت میں اللہ پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمارہے ہیں کہ آپ سابقہ انبیاء کرام سے بھی پوچھ لیجئے گا کہ ہم نے انکو بھی ایک اللہ ہی کی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا انکے صحائف میں بھی بطور دلیل یہ بات موجود ہے کہ انہوں نے اپنی امت کو ایک اللہ ہی کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور اسی طرح امت محمدیہ کو بھی یہی حکم دیا گیا مگر تعجب کی بات ہے کہ یہ اللہ کو چھوڑ کر معبودانِ باطلہ کی کیونکر پرستش کرنے میں

---

[192] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۳۵۷۔

لگے ہوئے ہیں یہاں پر بطور تعجب اور تنبیہ کے استفہام کیا جا رہا ہے۔

خلاصہ بحث

عبادت یہ ہے کہ زندگی میں آپ ہر حال میں اور ہر وقت اللہ کے قانون کی اطاعت کریں اور قانون الٰہی کے جو چیز خلاف ہو اس سے باز رہیں۔ ہر فعل اسی طریقے کے مطابق ہو جو اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے اس طرز پر ہم جو زندگی گزاریں گے وہ پوری ہی عبادت شمار ہو گی یعنی زندگی میں ہر حال میں اور ہر وقت خدا کی بندگی و اطاعت کا نام ہی عبادت ہے جب ہم خدا کے بندے ہی پیدا ہوئے ہیں تو ہم کسی بھی وقت اس کی بندگی سے آزاد نہیں ہو سکتے اس لئے ہمارے ساری زندگی ہی عبادت میں صرف ہونی چاہئیے اور اس میں کسی بھی قسم کی غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ کیونکہ بندگی کے لائق تو صرف اللہ کی ذات ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور اسی کے بل بوتے پر ہم زندہ ہیں اور ہر چیز اسی کی اطاعت کر رہی ہے ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے۔ اس فصل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں آیاتِ استفہام کا عبادات میں کردار بیان کیا گیا ہے اور انکے مقاصد کو بھی بیان کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل آیات ہیں۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۸، سورۃ الأنبیاء آیت نمبر ۴۲,۴۳، سورۃ النور آیت نمبر ۴۱، سورۃ فاطر آیت نمبر ۳، سورۃ الزخرف آیت نمبر ۴۵۔

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہمِ معاملات

اسلام ایک ایسا مکمل اور آفاقی مذہب ہے کہ اس نے ایک مسلمان کے پیدائش سے لیکر وفات تک اسکے ایسے انتظامات کئے ہیں اور ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی ہے جس میں مسلمان یہ بات (حقیقت) فراموش نہ کرسکے بلکہ ہر لحہ زندگی کی ہر منزل اسے یاد رہے کہ ایک علیحدہ اور الگ امت ہیں اور ایک مخصوص شریعت اور آئین کے پیروکار اور خدا کے وفادار بندے ہیں۔ مولانا امیر الدین مہر اپنی کتاب میں یوں رقمطراز ہیں:

قرآن مجید اپنے آغاز نزول سے ہی بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو واضح طور پر بیان کرنے کے بعد دو باتوں پر خاص زور دیتا ہے ایک یہ کہ انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط و مستحکم ہو وہ صرف اسی کی عبادت کرے اور اسکے سوا کسی کے سامنے اپنا سر نہ جھکائے دوسرا یہ کہ وہ انسانوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آئے حقداروں کے حق پہچانے اور انہیں ادا کرے لوگوں کی جان، مال، عزت، آبرو کی اپنی جان، مال اور عزت و آبرو کی طرح حفاظت کرے کسی کے ساتھ دھوکے اور فریب کا معاملہ نہ کرے۔ ناپ تول میں کمی نہ کرے بلکہ ہر حال میں عدل و انصاف کرے اور دیانت وامانت پر قائم رہے۔ اس کا وجود معاشرے کے لئے کلفت و آزار کا باعث نہ ہو بلکہ آسائش وراحت کا سبب بنے اور اسکی ذات سے سب کو نفع پہنچے"۔[193]

دین اسلام ایک مکمل دین ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا جس میں ہمیں حسن معاشرت کے لئے بھی اعلی تعلیمات دی گئیں کیونکہ افراد سے ہی معاشرہ بنتا ہے اور اس کو بہت سے مسائل پیش آتے ہیں ان تمام مسائل کا حل ہمیں اسلام کی تعلیمات میں دیا گیا ہے دین اسلام انسانی سیرت و کردار کی تعمیر کرتا ہے۔ اس سے انسان کی تمام زندگی تبدیل ہو جاتی ہے اسی لئے اللہ پاک نے صحیح راستے پر چلنے والے انسان اور غلط راستے پر چلنے والے انسان کے بارے میں کیا گیا ہے کہ ہم ان کو کبھی بھی برابر نہیں کریں گے جس طرح اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح اندھا اور بینا برابر

---

[193] مہر، مولانا امیر الدین، خدمت خلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۱، ۱۲۔

نہیں ہو سکتے جس طرح دن اور رات ایک نہیں ہو سکتے۔ سیدھے راستے پر چلنے والے جو اجر اور غلط راہ اختیار کرنے والوں کو سخت سزا دی جائے گی۔

ذیل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں معاملات سے متعلقہ آیاتِ استفہام کی تفسیر و تشریح بیان کی جارہی ہے۔

۱-سورۃ ھود میں اللہ عزوجل کا فرمان مبارک ہے

"مَثَلُ الفَرِيقَينِ كَالاَعمٰى وَالاَصَمِّ وَالبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَل يَستَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُونَ"۔ [194]

"مثال ان دونوں فرقوں کی جیسے ایک تو اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا، کیا برابر ہے دونوں کا حال، پھر کیا تم غور نہیں کرتے ؟"۔

قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے ملتا جلتا مضمون بیان کیا ہے۔

"دونوں فریق یعنی مومن و کافر کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا بھی ہو اور بہرا بھی ہو (جو نہ سن اور نہ اشارہ کو دیکھے) اور ایک شخص جو دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو (اسکو سمجھنا بھی آسان ہو) کیا یہ دونوں شخص حالت میں برابر ہیں؟ ہر گز نہیں، یہی حالت کافر اور مسلمان کی ہے کہ کافر سمجھتا نہیں وہ ہدایت سے بہت دور ہے کیا تم اس فرق کو سمجھتے نہیں"۔[195]

اس آیت میں کافر کی مثال اندھے اور بہرے کی سی ہے کافر دنیامیں حق کا روئے زیبا دیکھنے سے اندھا تو آخرت میں نجات سے محروم، اسی طرح حق کے دلائل سننے سے بہرا بنتا ہے اور مفید باتوں سے محروم رہتا ہے اسکے برعکس مومن سمجھدار، حق کو دیکھنے والا اور حق وباطل کے درمیان تمیز کرنے والا ہوتا ہے چنانچہ وہ حق اور خیر کی پیروی کرتا ہے اور باطل سے اجتناب کرتا ہے یہی مضمون سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۲۰ میں بیان ہوا ہے:

" جنتی اور دوزخی برابر نہیں ہو سکتے، جنتی تو کامیاب ہونے والے ہیں"

---

[194] القرآن، ۱۱:۲۴

[195] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۴/۶۰۸۔

اسی طرح سورۃ فاطر کی آیات نمبر ۱۹-۲۲ میں ارشاد ربانی ہے:

" اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں، اندھیرے اور روشنی، سایہ اور دھوپ برابر نہیں، زندے اور مردے برابر نہیں"

یہی مضمون سورۃ الزمر کی آیت نمبر ۹ میں بیان کیا گیا ہے:

" کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہو سکتے ہیں"

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ مومن اور کافر کسی صورت میں بھی برابر نہیں ہو سکتے۔ ایک نے اپنے انجام کو یاد رکھا اور اس کے لئے تیاری کرتا رہا تو وہ کامیاب ہو گا اور دوسرا اپنے انجام سے غافل، فسق و فجور میں مبتلا رہا وہ خاسر و ناکام ہی ہو گا۔

۲-سورۃ النحل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَفَاَمِنَ الَّذِینَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَن یَّخسِفَ اللهُ بِهِمُ الاَرضَ اَو یَاتِیَهُمُ العَذَابُ مِن حَیثُ لَا یَشعُرُونَ"۔[196]

" کیا بے خوف ہو گئے وہ لوگ جو برے فریب کرتے ہیں اس سے کہ دھنسا دے گا اللہ انکو زمین میں یا آپہنچے ان پر عذاب جہاں سے خبر نہ رکھتے ہوں"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں صاحب تفسیر معارف القرآن لکھتے ہیں:

"جو لوگ (دین حق کے باطل کرنے کو) بری بری تدبیریں کرتے ہیں (کہ کہیں اس میں شبہات و اعتراض نکالتے ہیں اور حق کا انکار کرتے ہیں کہ ضلال ہے پھر بھی اس بات سے بے فکر (بیٹھے ہوئے) ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں غرق کر دے یا ان پر ایسے موقع سے عذاب آپڑے جہاں ان کو گمان بھی نہ ہو (جیسے جنگ بدر میں ایسے بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کو سزا ملی کہ کبھی ان کو اس کا احتمال عقلی بھی نہ ہوتا کہ یہ ہم پر غالب آسکیں گے) یا ان کو چلتے پھرتے (کسی آفت میں) پکڑ لے (جیسے کوئی مرض ہی دفعتہ آکھڑا ہو) سو یہ لوگ خدا کو ہرا نہیں سکتے یا ان کو گھٹاتے گھٹاتے پکڑے (جیسے قحط و وباء پڑے اور تدریجا خاتمہ ہو جائے یعنی نڈر ہونا نہیں چاہئے خدا کو سب قدرت ہے مگر مہلت جو دی رکھی

[196] القرآن، ۱۶:۴۵۔

ہے) سو (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تمہارا رب شفیق مہربان بڑا ہے (اس لئے مہلت دی ہے کہ اب بھی سمجھ جاؤ اور فلاح اور نجات کا طریق اختیار کر لو)"[197]

"اس سے پہلی آیات میں کفار کو عذاب آخرت سے ڈرایا گیا تھا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ جس زمین پر بیٹھے ہو اسی کے اندر دھنسا دیئے جاؤ یا اور کسی بے گمان راستہ سے اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ جیسے غزوہ بدر میں ایک ہزار بہادر مسلح نوجوانوں کو چند بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے ایسی سزا ملی جس کا ان کو کبھی وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے پھرتے کسی عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ کہ کوئی بیماری جان لیوا آ کھڑی ہو یا کسی اونچی جگہ سے گر کر یا کسی سخت چیز سے ٹکرا کر ہلاک ہو جاؤ اور عذاب کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ دفعۃً عذاب نہ آئے مگر مال اور صحت اور تندرستی اور اسباب راحت و سکون گھٹتے چلے جائیں اسی طرح گھٹاتے گھٹاتے اس قوم کا خاتمہ ہو جائے۔ مطلب کہ کیا یہ لوگ بے خوف ہو گئے دین حق کا انکار کر کے اور مسلمانوں کے خلاف خطرناک منصوبے بناتے ہیں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں کیا ان کو ڈر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر آسمان سے عذاب بھیج دے یا انکو اسی زمین میں دھنسا دے جس میں یہ بیٹھے ہیں یا کسے بے گمان راستے سے اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ۔ جیسے غزوہ بدر میں ایک ہزار بہادر مسلح نوجوانوں کو چند بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھ سے ایسی سزا ملی جس کا انکو کبھی وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے پھرتے عذاب میں پکڑے جاؤ کہ کوئی بیماری جان لیوا ا کھڑی ہو، یا کسی اونچی جگہ سے گر کر یا سخت چیز سے ٹکرا کر ہلاک ہو جاؤ اور عذاب کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دفعتاً عذاب نہ آئے مگر مال اور صحت و تندرستی اور اسباب راحت و سکون گھٹتے چلے جائیں اسی طرح گھٹاتے گھٹاتے اس قوم کا خاتمہ ہو جائے"۔[198]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ انذار کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ کیسے ہم نے تمہیں غزوہ بدر میں شکست دی اور تم اب بھی بے خوف اور نڈر ہو اور دین حق کو باطل کرنے کے لیے بری بری تدبیریں

[197] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵/ ۳۴۹۔

[198] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵/ ۳۵۰۔

کرتے ہو کیا تم ڈرتے نہیں اللہ پاک تمہیں کسی قسم کے بھی عذاب میں مبتلا کر دے اور تم بچ کر نہ جا سکو حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ تم اپنی شکست کے بعد تائب ہو کر دین حق کے پیرو کار بن جاتے مگر تم اپنی پہلی روش پر ہی قائم ہو۔

۳-سورۃ الاسراء میں ارشادِ خداوند متعال ہے:

"اَفَاَصفٰکُم رَبُّکُم بِالبَنِینَ وَ اتَّخَذَ مِنَ المَلٰئِکَۃِ اِنَاثًا اِنَّکُم لَتَقُولُونَ قَولًا عَظِیمًا"۔ [199]

"کیا تم کو چن کر دیئے تمہارے رب نے بیٹے؟ اور اپنے لئے کر لیا فرشتوں کو بیٹیاں، بیشک تم بہت بھاری بات کہتے ہو"۔

"فَاستَفتِہِم اَلِرَبِّكَ البَنَاتُ وَلَهُمُ البَنُونَ، اَم خَلَقنَا المَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّھُم شٰھِدُونَ"۔ [200]

"پس ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے یہاں بیٹیاں ہیں اور ان کے یہاں بیٹے، یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا ہے اور وہ دیکھتے تھے"۔

"اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا یَخلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصفٰکُم بِالبَنِینَ، وَجَعَلُوا المَلٰٓئِکَۃَ الَّذِینَ ھُم عِبَادُ الرَّحمٰنِ اِنَاثًا اَشَھِدُوا خَلقَھُم سَتُکتَبُ شَھَادَتُھُم وَیُسئَلُونَ "[201]

"کیا اس نے رکھ لی اپنی مخلوقات میں سے بیٹیاں اور تم کو دے دیئے چن کر بیٹے، اور ٹھہرایا انہوں نے فرشتوں کو بندے ہیں رحمن کے عورتیں، کیا دیکھتے تھے ان کا بننا، اب لکھ رکھیں گے ان کی گواہی اور ان سے پوچھا جائے گا"۔

ان آیات میں کفار عرب کے ایک غلط عقیدے کی تردید کے لیے دلائل پیش کئے گئے ہیں ان کا عقیدہ تھا

---

[199] القرآن، ۴۰:۱۷۔

[200] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۱۴۹۔۱۵۰۔

[201] القرآن، ۱۶:۴۳، ۱۹۔

کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور جنات کی سردارزادیاں فرشتوں کی مائیں ہیں تمہارا یہ عقیدہ بالکل غلط ہے تم بیٹیوں کو باعثِ شرم سمجھتے ہو، اب جو چیز تمہارے لئے باعثِ عار ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟ اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ثابت کرنے کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے کیا تم نے اللہ کو فرشتوں کی تخلیق کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ تمہارے خیال کے مطابق بیٹیاں بیٹوں کے مقابلے میں کم رتبہ رکھتی ہیں، اب جو ذات ساری کائنات سے افضل ہے وہ اپنے لئے کم رتبہ والی چیز کو کیسے ناپسند کر سکتی ہے

مفتی محمد شفیع ان آیات کی تفسیر میں یوں بیان فرماتے ہیں:

"باوجود دلائل توحید واضح ہونے کی ان لوگوں نے شرک اختیار کر رکھا ہے اور وہ بھی کیسا قبیح کہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں انہوں نے خدا کا جزو ٹھہرایا اسکی مخلوق کو، تم تو بیٹی ہونے پر ناراض ہوتے ہو لوگوں سے منہ چھپاتے پھرتے ہو تو اس عظیم ہستی کے لئے بیٹیاں چنتے ہو کیا تم نے فرشتوں کو دیکھا ہے یا تمہارے پاس کوئی دلیل نازل ہوئی ہے انکے اس دعویٰ کو لکھا جا چکا ہے اور قیامے دن ان سے ضرور بازپرس کی جائے گی"۔[202]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات میں کفار کے غلط عقیدے کی تردید کی ہے اور ان کی سوچ کا معیار جاننے کیلئے سوال فرمایا ہے کہ تم جس چیز کو خود ناپسند کرتے ہو اور اللہ کے لئے اسی کا انتخاب کرتے ہو یہ تمہارے مونہوں کے باتیں ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۴-سورۃ الکھف میں فرمان خداوندی ہے:

"اَم حَسِبتَ اَنَّ اَصحٰبَ الکَھفِ وَالرَّقِیمِ کَانُوا مِن اٰیٰتِنَا عَجَبًا، ثُمَّ بَعَثنٰھُم لِنَعلَمَ اَیُّ الحِزبَینِ اَحصٰی لِمَا لَبِثُوا اَمَدًا"۔[203]

"کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور کھوہ میں رہنے والے ہماری قدرت کی عجب نشانی تھے، پھر ہم نے ان کو اٹھایا کہ معلوم کریں دو گروہوں میں کس نے یاد رکھی وہ مدت جو وہ رہے"۔

[202] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۲۰۷۔

[203] القرآن،۱۸:۹،۱۲۔

مذکورہ آیات کے ماتحت مفتی شفیع عثمانیؒ لکھتے ہیں:

"کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ غار والے اور پہاڑ والے (یہ دونوں ایک ہی جماعت کے لقب ہیں) ہماری عجائبات (قدرت) میں سے کچھ تعجب کی چیز تھے (جیسا کہ یہود نے کہا تھا کہ ان کا واقعہ عجیب ہے، یا خود ہی سوال کرنے والے کفار قریش نے اس کو عجیب سمجھ کو سوال کیا تھا، اس میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب بنا کر دوسروں کو سنانا مقصود ہے کی یہ واقعہ بھی اگرچہ عجیب ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کی دوسری عجائبات قدرت کے مقابلہ میں ایسا قابل تعجب نہیں جیسا ان لوگوں نے سمجھا ہے، کیونکہ زمین و آسمان اور چاند و سورج اور تمام کائنات زمین و آسمان کو عدم سے وجود میں لانا اصل عجائب نہیں، اس تمہید کے بعد اصحاب کہف کا قصہ اس طرح بیان فرمایا اور) وہ وقت قابل ذکر ہے جبکہ ان نوجوانوں کے (ایک بے دین بادشاہ کی گرفت سے بھاگ کر) اس غار میں جا کر پناہ لی پھر (اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا مانگی) کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنے پاس سے رحمت کا سامان عطا فرمایئے اور ہمارے (اس) کام میں درستی کا سامان مہیا کر دیجئے (غالبا رحمت سے مراد حصول مقصود ہے اور درستی کے سامان سے مراد وہ اسباب و مقدمات ہیں جو حصول مقصد کے لئے عادۃ ضروری ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا، اور ان کی حفاظت اور تمام پریشانیوں سے نجات دینے کی صورت اس طرح بیان فرمائی کہ) سو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر سالہا سال تک نیند کا پردہ ڈال دیا پھر ہم نے ان کو (نیند سے) اٹھایا تاکہ ہم (ظاہری طور پر بھی) معلوم کرلیں کہ (غار میں رہنے کی مدت میں بحث و اختلاف کرنے والوں میں سے) کونسا گروہ ان کے رہنے کی مدت سے زیادہ واقف تھا (نیند سے بیدار ہونے کے بعد ان میں ایک گروہ کا قول تو یہ تھا کہ ہم پورا دن یا کچھ حصہ ایک دن کا سوئے ہیں، دوسرے گروہ نے کہا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ تم کتنے دن سوتے رہے۔[204]

ان آیات میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان کیا گیا ہے قصہ مختصر کچھ یوں ہے:

"اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تھے ان کا بادشاہ ایک جبار ظالم "دقیانوس" نامی تھا جو قوم کو بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اس سال پوری قوم جب میلے میں جمع ہوئی تو یہ اصحاب کہف بھی پہنچے

---

[204] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵/۵۷٦۔

اور وہاں اپنی قوم کی یہ حرکتیں (اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھروں کو خدا سمجھتے) دیکھ کر بہت دلبر داشتہ ہوئے، اس وقت اللہ نے انہیں عقل سلیم عطا فرمادی کہ قوم کی اس احمقانہ حرکت سے انکو نفرت ہوئی اور عقل سے کام لیا تو سمجھ آگیا کہ یہ عبادت تو صرف اس ذات کی ہونی چاہیے جس نے زمین و آسمان اور ساری مخلوقات پیدا فرمائی ہے یہ خیال بیک وقت ان چند نوجوانوں کے دل میں آیا ان میں سے ہر ایک نے اس جگہ سے ہٹنا شروع کر دیا اور درخت تلے جمع ہو گئے ان کو قدرت نے ملایا تھا رفتہ رفتہ ان سب پر ملنا آشکار ہو گیا اور وہ ایک متحد الخیال جماعت بن گئی ایک دوسرے کی رفیق اور دوست ہو گئی اور انہوں نے اپنی الگ عبادت گاہ بنالی، یہ خبر شہر میں پھیل گئ اور چغل خوروں نے بادشاہ تک پہنچادی بادشاہ نے ان سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور ان سے انکے عقیدے کے متعلق سوال کئے، اللہ نے انکو ہمت بخشی اور انہوں نے بلا خوف و خطر اپنا عقیدہ توحید بیان کر دیا بادشاہ نے انکو ڈرایا دھمکایا اور قتل کی دھمکی دی اور وہ فرار ہو کر غار میں روپوش ہو گئے تین سو سال تک وہ اس غاریں سوئے رہے جب وہ اٹھے تو آپس میں کہنے لگے کہ ہم کتنا عرصہ سوئے رہے کسی نے کیا دن کا کچھ حصہ اور کسی نے کہا دن کا آدھا حصہ، الغرض ان میں سے ایک بازار میں کھانا لینے گیا تو بازار کے لوگ حیران ہوئے کہ اتنا پرانا سکہ کہاں سے آیا وہ اسے بادشاہ کے پاس لے گئے وہ بادشاہ بہت نیک تھا اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثارِ قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور انکے فرار ہو جانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا اور اس نے لکھا ہوا تھا کی یہ لوگ جب بھی ملیں انہیں گرفتار کر لیا جائے بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا وہ دعا کیا کرتا تھا کہ مجھے ان سے ملادے بادشاہ بہت مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ نے میری دعا قبول فرمائی ہے اس شخص سے کہا مجھے اس غار تک لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ مجمع کے ساتھ وہاں پہنچا تو اس آدمی جس کا نام "تملیخا" تھا اس نے کہا میں اپنے ساتھیوں کو پہلے باخبر کر دوں، اس نے جا کر سارے حالات اپنے ساتھیوں کو سنائے وہ بہت خوش ہوئے اور بادشاہ کی بہت تعظیم کی اور اسی وقت ان سب کے وفات ہو گئی"۔[205]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کے اثبات کے لیے استفہام فرمایا کہ ہم کس طرح

[205] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۵/۵۷۶۔

زندوں کو مردہ اور مردوں کو زندہ کرتے ہیں کیا انہیں ابھی بھی تعجب ہے اور بطور تعجب کے فرمایا کہ ہماری اتنی بڑی نشانیوں مثلاً زمین و آسمان، آفتاب وماہتاب، پہاڑ و شجر، بحر وبر کے ہوتے ہوئے بھی یہ لوگ تعجب کرتے ہیں۔اس قصہ میں عبرت ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور جو اس کے راستے میں اپنے زندگی وقف کرتا ہے وہ خود اپنے بندوں کی حفاظت فرماتا ہے۔

۵-سورۃ السجدہ میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

"اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡہُ اَنۡعَامُہُمۡ وَاَنۡفُسُہُمۡ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ "[206]

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی برساتے ہیں چٹیل زمین کی طرف پھر ہم اس سے کھیتی نکالتے ہیں تاکہ وہ خود اور انکے مویشی کھائیں، کیا پھر وہ نہیں دیکھتے؟"۔

یعنی وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کیسے ہم پانی کو چٹیل زمین کو پلاتے ہیں پھر اس زمین سے مختلف اقسام کی نباتات اگاتے ہیں پھر ان کو انسان خود بھی استعمال کرتے ہیں اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاتے ہیں یعنی پانی ڈالنا زمین کے نیچے دانے کو پھاڑنا اس سے تناور درخت بنانا اور اس پر پھل اگانے ان تمام چیزوں میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے۔اس آیت میں اللہ پاک فرمارہے ہیں کہ ہم تم انسانوں کو بھی اور جو مویشی تم پالتے ہو انکے بھی رزق کا بندوبست کرتے یہی پانی ہے جو کہ کسی زمین میں جاتا ہے تو خوب پیداوار ہوتی ہے اور کسی جگہ تو صرف گھاس ہی پیدا ہوتی ہے تو یہ پانی اور مٹی کی تاثیر نہیں ہے بلکہ اللہ حکمت والے کے فیصلے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع عثمانیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم خشک زمین کی طرف پانی کو (بعض مواقع میں) زمین پر چلا کر لے جاتے ہیں، جس سے ان کی کھیتیاں اگتی ہیں" جرز خشک زمین کو کہتے ہیں جس میں درخت نہیں اگتے۔خشک زمین کو سیر اب کرنے اور اس میں نباتات اگانے کا ذکر قرآن کریم میں جابجا اس طرح آیا ہے کہ اس زمین پر بارش برستی ہے، اس سے زمین تروتازہ ہو کر اگانے کے قابل ہوجاتی ہے۔ مگر اس آیت میں

[206] القرآن، ۳۲:۲۷۔

بارش کے بجائے پانی کو زمین پر چلا کر خشک زمین کی طرف لے جانے اور اس سے درخت اگانے کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی بارش کسی دوسری زمین پر نازل کی جاتی ہے وہاں سے ندی نالوں کے ذریعہ زمین پر چلا کر پانی کو خشک زمین کی طرف لے جایا جاتا ہے جہاں بارش نہیں ہوتی۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ بعض زمینیں ایسی خام اور نرم ہوتی ہیں جو بارش کی متحمل نہیں ہوتیں، اگر وہاں پوری بارش برسائی جائے تو عمارتیں منہدم ہو جائیں، درخت اکھڑ جائیں۔ اس لئے قدرت نے ایسی زمینوں کے لئے یہ نظام بنایا ہے کہ بارش تو اس زمین پر نازل کی جاتی ہے جو اس کی متحمل ہے، پھر یہاں سے پانی بہا کر ایسی زمینوں کی طرف لے جایا جاتا ہے جو بارش کی متحمل نہیں، جیسے مصر کی زمین ہے۔ اور بعض مفسرین نے یمن اور شام کی بعض زمینوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔[207]

یہ مضمون ایسی تمام زمینوں کو شامل ہے، اور مصر کی زمین خصوصیت سے اس میں شامل ہے، جہاں بارش بہت کم ہوتی ہے۔ مگر بلاد حبشہ افریقہ کی بارشوں کا پانی دریائے نیل کے ذریعہ مصر میں آتا ہے اور وہاں کی سرخ مٹی ساتھ لاتا ہے جس میں انبات کا مادہ زیادہ ہے۔ اس لئے مصر کے لوگ اپنے ملک میں بارش نہ ہونے کے باوجود ہر سال نئے پانی اور نئی مٹی سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ زمین کی آبپاشی کا ایک خاص حکیمانہ نظام ہے خشک زمین کو سیر اب کرنے اور اس میں نباتات اگانے کا ذکر قرآن میں جابجا اس طرح آیا ہے کہ اس زمین پر بارش برستی ہے اس سے زمین تر تازہ ہو کر اگانے کے قابل ہو جاتی ہے مگر اس آیت میں بارش کی بجائے پانی کو زمین پر چلا کر خشک زمین کی طرف لے جانے اور اس سے درخت اگانے کا ذکر فرمایا ہے یعنی بارش کسی دوسری زمین کے طرف نازل کی جاتی ہے وہاں سے ندی نالوں کے ذریعے زمین پر چلا کر پانی کو خشک زمین کی طرف لیجایا جاتا ہے جہاں بارش نہیں ہوتی۔ اس میں اشارہ ہے کہ بعض زمینیں ایسی خام اور نرم ہوتی ہیں جو بارش کی متحمل نہیں ہوتی اگر وہاں پری بارش برسائی جائے تو عمارتیں منہدم ہو جائیں، درخت اکھڑ جائیں تو قدرت نے یہ نظام بنایا ہے کہ ایسی زمینوں کی طرف پانی کو بہا کر لیجایا جائے جیسے مصر کی زمین ہے"۔[208]

---

[207] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۷۴۔

[208] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۷/ ۷۵۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت کے اثبات اور مخاطب کی ذہنی استعداد جانچنے کے لئے استفہام فرمایاہے اور یہ آیت معاملات کے بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محنت کرنے اور رزق کے لئے کوشش کرنے پر بھی اجر عظیم کا وعدہ کیاہے اور محنت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست قرار دیا ہے۔

خلاصہ بحث

ان آیات میں انسانوں کو آپس میں معاملات کے بارے میں تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ایک معاشرے میں رہتے ہوئے کس طرح بہتر انداز سے زندگی گزار سکتے ہیں۔ لوگوں کو اپنے اعمال میں منتہائے نظر ور مقصد عظمی کو سامنے رکھنا بہت ضروری ہے مفید اور کارآمد باتوں کے لئے دلیل راہ بنے دین اسلام ہمیں زندگی کے ہر معاملے میں راہنمائی فراہم کرتاہے یہ زندگی کے ہر شعبے سے بحث کرتاہے اس لئے انسان کا ہر عمل اور ہر کام رضائے الٰہی کی خاطر ہوناضروری ہے

اس فصل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں معاملات میں آیاتِ استفہام کو سمجھنے کا بیان ہے اور ان آیات میں سوال کرنے کے پیشِ نظر مقاصد کر فرماتھے ان کو بھی بیان کیا گیاہے جو کہ درج ذیل آیات مبارکہ ہیں۔

سورۃ ھود آیت نمبر ۲۴، سورۃ النحل آیت نمبر ۴۵، سورۃ الاسراء آیت نمبر ۴۰، سورۃ الزخرف آیت نمبر ۱۹,۱۶، سورۃ الکھف آیت نمبر ۱۲,۹، سورۃ السجدہ آیت نمبر ۲۷۔

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ آخرت

آخرت کے بارے میں اسلام کا تصور بالکل واضح ہے اس امر کا واضح اعلان ہے کہ موجود زندگی حرف آخر نہیں ہے بلکہ آخرت کی زندگی کا ابتدائیہ ہے در حقیقت لامتناہی زندگی تو آخرت کی ہے جس کے فوائد یہاں کے فوائد سے زیادہ ہیں اور نقصانات یہاں کے نقصانات سے زیادہ سخت ہیں۔ جو شخص اس دنیا کی لذتوں میں کھو گیا تو اس نے بہت برا سودا کیا اور جس نے اپنی آخرت کی تیاری کی وہ کامیاب ہو گیا۔

"دنیا اور آخرت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی سلسلہ ہے جس کی ابتداء دنیا اور انتہا آخرت ہے ان دونوں میں وہی تعلق ہے جو کھیتی اور فصل میں ہوتا ہے آپ زمین میں ہل جوتتے ہیں، پھر بیج بوتے ہیں ، پھر پانی دیتے ہیں، پھر کھیتی کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ فصل تیار ہو جاتی ہے، اور اس کو کاٹ کر آپ سال بھر مزے سے کھاتے رہتے ہیں آپ جس زمین میں جس چیز کی کاشت کریں گے اسی کی فصل تیار ہو گی گیہوں بوئیں گے تو گیہوں ہی پیدا ہو گا، کانٹے بوئیں گے تو کانٹے ہی پیدا ہونگے، کچھ نہ بوئیں گے تو کچھ بھی پیدا نہ ہو گا۔ دنیا بھی ایک کھیتی ہے آدمی کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ اپنی محنت اور کوشش سے فصل تیار کرے اگر اچھے اعمال کرے گا تو اچھا صلہ پائے گا اور اگر برے اعمال کرے گا تو وہ برا انجام پائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی زندگی میں انسان کا نامراد یا بامراد ہونا اور اسکے انجام کا اچھا یا برا ہونا دراصل نتیجہ ہے دنیا کی زندگی میں اس کے علم اور عمل کے صحیح ہونے کا"۔[209]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اس فانی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں بھیجا یہ دنیا دارالامتحان ہے یہاں پر تو اس لئے بھیجا گیا ہے تاکہ وہ لوگوں کو جان لے کون اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے اور کون اعراض برتتا ہے اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں مگر اس نے اتمام حجت کے لیے ایسا فرمایا ہے اللہ تعالیٰ سورۃ الرحمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُو الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ"۔ [210]

"جو مخلوق زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے، اور تمہارے پروردگار کی ہی ذات (

---

[209] مودودی، ابوالاعلیٰ، خطبات، اسلامی پبلیکیشنز، لاہور ۲۰۰۹ء، ص ۶۵

[210] القرآن، ۵۵:۲۶،۲۷۔

بابرکت) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی"۔

یعنی جو کچھ زمین پر ہے سب فنا ہونے والا ہے صرف رب تعالیٰ کی ذات باقی رہے گی اور پھر جس جس نے جو جو اعمال کئے ان کا حساب دینا ہو گا وہ دن دارالجزا کا ہو گا ہر انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

انسان دنیا میں اس لئے آیا ہے تاکہ اس کائنات میں رہ کر وہ ایک ایسی زندگی کے لئے سامان اور بندوبست مہیا کرے جو زندگی کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے یہ زندگی اصل میں اس زندگی کی تیاری کے لئے انسان کو دی گئی ہے۔ یہ زندگی آخرت کی زندگی کے لئے توشہ مہیا کرنے کو رب نے عطا کی ہے تاکہ ہم اس زندگی میں اس زندگی کے لئے کچھ کاشت کر لیں کہ آخر کاٹنا تو وہی ہے جو بویا ہو اور رب نے اس زندگی کی مثال فصل کے ساتھ دی ہے کہ جس طرح کسان فصل کی کٹائی کے موقع پر وہی کچھ کاٹتا ہے جس کو وہ بوتا رہا ،وہی کچھ حاصل کرتا ہے جس کے لئے محنت کرتا رہا،بعینہ ایک بندہ قیامت کے دن وہی کچھ حاصل کرے گا جو اس نے زندگی میں بویا ہو گا"۔[211]

ذیل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں عقیدہ آخرت کے ضمن میں آیاتِ استفہام کی تفسیر بیان کی جارہی ہے۔

۱-سورۃ البقرہ میں ارشادِ ربانی ہے:

"كَيۡفَ تَكۡفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡيَاكُمۡ‌ۚ ثُمَّ يُمِيۡتُكُمۡ ثُمَّ يُحۡيِيۡكُمۡ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ"۔[212]

"کیسے تم کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ حالانکہ تم بے جان تھے پھر زندہ کیا تم کو،پھر موت دے گا تم کو پھر زندگی دے گا تم کو،پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے"۔

اے لوگو! کیسے تم اس رب کا انکار کرتے ہو جس نے تمکو جلا بخشی تم کچھ بھی نہ تھے اس نے تمہیں پیدا کیا

[211] علامہ احسان الٰہی ظہیر،عقیدہ آخرت اور اسکے تقاضے،مکتبہ قدوسیہ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص۴۰۸۔

[212] القرآن،۲:۲۸۔

اور ایک مدت تک تمہیں زندہ رکھا اور اس کے بعد پھر موت دی اور قیامت کے دن پھر تمہیں زندہ کریگا اور اسی کی طرف لوٹ کر واپس جاؤ گے یعنی قیامت کے میدان میں حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جاؤ گے اتنے واضح دلائل کے باوجود تم انکار کرتے ہو۔

علامہ مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" بھلا کیوں کر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ (کہ اس کے احسانات کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو) حالانکہ (اس پر دلائل واضحہ قائم ہیں کہ صرف ایک اللہ ہی مستحق عبادت ہے مثلا یہ کہ) تھے تم بے جان (یعنی نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے) سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے (یعنی قیامت کے دن) پھر انہی کے پاس لے جائے جاؤ گے (یعنی میدان قیامت میں حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جاؤ گے) وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب (یہ فائدہ عام ہے کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور برتنے کا یا نکاح اور روح کو تازگی بخشنے کا اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو فائدہ نہ پہونچتا ہو پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف (یعنی اس کی تخلیق و تکمیل کی طرف) تو درست کرکے بنا دیئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔ پچھلی آیتوں میں خدا تعالیٰ کے وجود، توحید اور رسالت کے دلائل واضح اور منکرین و مخالفین کے خیالات باطلہ کا رد مذکور تھا۔ مذکورہ دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا ذکر کر کے اس پر اظہار تعجب کیا گیا ہے کہ اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے کیسے یہ ظالم کفر و انکار میں مبتلا ہیں جس میں اس پر تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے تو کم از کم محسن کا احسان ماننا اس کی تعظیم و اطاعت پر آجاؤ، پہلی آیت میں ان مخصوص نعمتوں کا ذکر ہے جو ہر انسان کی ذات اور نفس کے اندر موجود ہیں کہ پہلے وہ بے جان ذرات کی صورت میں تھا پھر اس میں اللہ تعالیٰ نے زندگی پیدا فرمائی، دوسری آیت میں ان عام نعمتوں کا ذکر ہے جن سے انسان اور تمام مخلوقات فائدہ اٹھاتی ہیں اور وہ انسان کی زندگی اور بقاء کے لئے ضروری ہیں ان میں پہلے زمین اور اس کی پیداوار کا ذکر کیا گیا جس سے انسان کا قریبی تعلق ہے پھر آسمانوں کا ذکر کیا گیا جن کے ساتھ زمین کی

حیات اور پیداوار وابستہ ہے"۔[213]

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس انعام واحسان کا ذکر کیا ہے جو ہر انسان کی اپنی ذات سے متعلق ہے اور جو سارے انعامات و احسانات کا مدار ہے یعنی زندگی، دنیا وآخرت اور زمین و آسمان کی جتنی نعمتیں انسان کو حاصل ہیں وہ سب اسی زندگی پر موقوف ہیں زندگی نہ ہو تو کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا زندگی کا نعمت ہونا ظاہر ہے مگر اس آیت میں موت کو بھی نعمتوں کی فہرست میں شمار اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ دنیا کی موت دروازہ ہے اس دائمی زندگی کا جس کے بعد موت نہیں اس لحاظ سے یہ موت بھی ایک نعمت ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی تخلیق پر غور کرے تو معلوم ہو گا کہ اسکے وجود کی ابتداوہ بے جان ذرات ہیں جو کچھ منجمد چیزوں کی شکل میں کچھ بہنے والی چیزوں میں کچھ غذاؤں کے صورت میں تمام دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان بے جان ذرات کو کہاں کہاں سے جمع فرمایا اور پھر ان میں جان ڈالی ان کو زندہ انسان بنا دیا پھر اس عالم میں ایک عمر پوری کرنے کے بعد پھر تمہیں موت دیگا اور پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں اسی طرح تمہارے جسم کے بے جان اور منتشر ذرات کو جمع کر کے تمہیں زندہ کرے گا اور پھر تمہیں اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس آیت میں اللہ نے اپنے احسان کا ذکر فرمایا ہے یعنی زندگی، دنیا اور آخرت کی ،زمین و آسمان کی جتنی بھی نعمتیں انسان کو حاصل ہیں وہ سب اسی زندگی پر موقوف ہیں،زندگی نہ ہو تو کسی نعمت سے فائدہ نہیں اٹھا سکتازندگی کا نعمت ہونا تو ظاہر ہے مگر اس آیت میں موت کو بھی نعمتوں کی فہرست میں اس لئے شمار کیا گیا ہے"۔[214]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی نعمتوں کے اعتراف میں، رحجان اور رویہ سازی کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ تم اپنی تخلیق پر غور کرو اتنی واضح دلیل ہے اگر پھر بھی تم انکار کرو گے تو فاٹا پانے والوں میں سے ہو گے۔

۲-سورۃ آل عمران میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں:

"فَكَيۡفَ اِذَا جَمَعۡنٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيۡهِ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ

---

[213] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۱/ ۱۷۱،۱۷۱۔

[214] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۱/ ۱۷۱،۱۷۱۔

لَا يُظْلَمُوْنَ"۔[215]

"پھر کیا حال ہو گا جب ہم انکو جمع کریں گے ایک دن کہ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پائے گا ہر کوئی اپنا کیا، اور انکی حق تلفی نہ ہو گی"۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک قیامت کی منظر بیان فرمارہے ہیں کہ اس دن کے بارے میں سوچو جب سب کو حاضر کیا جائے گا اور سب لوگ اپنے اعمال کے ساتھ آئیں گے اور جس نے اچھے اعمال کیے ہونگے ان کو اس کے مطابق اچھا صلہ دیا جائے گا اور جنہوں نے برے اعمال کئے ہونگے ان کے ساتھ انکے اعمال کے مطابق ہی فیصلہ فرمایا جائے گا اور اس دن کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو گی۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع عثمانیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"اس سے ماقبل دوسرے فرقوں کا بیان ہے کہ عیسائی اور یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہم کو جہنم کی آگ گنتی کے چند دن چھوئے گی پھر ہمیں باہر نکال لیا جائے گا ہماری مغفرت ہو جائے گی انکو انکی من گھڑت باتوں نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے اسی وجہ سے وہ کتاب اللہ سے بے اعتنائی کرنے لگے سو انکے احوال و افعال واقوال کفریہ کے سبب ان کا کیا برا حال ہو گا، جب قیامت کے دن ہم ان سب کو جمع فرمائیں گے اور ہر ایک کے ساتھ انکے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے گا کسی انسان پر دانے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور انہوں نے جو اعمال کئے اسی کے مطابق جزا یا سزا کا فیصلہ فرماتے ہوئے کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا"۔[216]

اس آیت میں اللہ پاک بطور تعجب ان سے سوال فرمارہیں کہ جو گنتی کے چند دن عذاب کا ذکر کرتے ہو کیا تمہارے پاس اسکی کوئی دلیل موجود ہے یا تم بلاوجہ ہی باتیں گھڑتے ہو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور قیامت تک کے لئے شریعت محمدی پر عمل کرنے سے ہی اخروی نجات حاصل ہو گی اور کسی سے بھی کوئی اور دین قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳-سورۃ الانعام میں فرمان الٰہی ہے:

---

[215] القرآن، ۳:۲۵۔

[216] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۲/ ۴۲۔

"اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۪ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ "۔[217]

"کیا دیکھتے نہیں کہ کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے امتیں جنکو جما دیا تھا ہم نے ملک میں اتنا کی جتنا تم کو نہیں جمایا اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا، اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتری ہوئی انکے نیچے پھر ہلاک کیا ہم نے ان کے گناہوں پر اور پیدا کیا ہم نے انکے بعد اور امتوں کو۔"

مفتی شفیع عثمانیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی جماعتوں کو (عذاب سے) ہلاک کر چکے ہیں جن کو ہم نے دنیا میں ایسی قوت (جسمانی اور مالی) دی تھی کہ تم کو وہ قوت نہیں دی اور ہم نے ان پر خوب بارشیں برسائیں اور ہم نے ان کے (کھیت اور باغوں کے) نیچے سے نہریں جاری کیں (جس سے زراعت اور پھلوں کی خوب ترقی ہوئی اور وہ خوش حالی کی زندگی بسر کرنے لگے) پھر (اس قوت وقدرت اور سامان و اسباب کے ہوتے ہوئے) ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب (انواع عذاب سے) ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد دوسری جماعتوں کو پیدا کر دیا (تو اگر تم پر بھی عذاب نازل کر دیں تو تعجب کیا ہے، اور ان لوگوں کے عناد کی یہ حالت ہے کہ) اگر ہم کاغذ پر لکھا ہوا کوئی نوشتہ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر نازل فرماتے، پھر اس کو یہ لوگ اپنے ہاتھ سے چھو بھی لیتے تب بھی یہ کافر لوگ یہی کہتے کہ یہ کچھ بھی نہیں مگر صریح جادو ہے (کیونکہ جب بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں تو ہر دلیل میں کوئی نہ کوئی نئی بات نکال لینا کیا مشکل ہے) اور یہ لوگ یوں بھی کہتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا اور اگر ہم کوئی فرشتہ بھیج دیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی (کیونکہ عادت الٰہیہ یہ ہے کہ جن لوگوں کا منہ مانگا معجزہ دکھلا دیا گیا اگر پھر بھی انہوں نے ایمان سے انکار کیا تو فوراً بلا مہلت کے عذاب سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ آپ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کے ساتھ بھی (مخالفین کی طرف

---

[217] القرآن،٦:٦۔

سے) استہزاء کیا گیا ہے، پھر جن لوگوں نے ان سے تمسخر کیا تھا ان کو اس عذاب نے آگھیرا جس کا تمسخر اڑاتے تھے (جس سے معلوم ہوا کہ ان کے اس طرز عمل سے انبیاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ یہ خود انہی کے لئے عذاب اور مصیبت ہے اور اگر یہ لوگ امم سابقہ کے عذاب کا انکار کرنے لگیں) تو آپ (ان سے) فرما دیجئے کہ ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا۔ پچھلی آیتوں میں احکام الٰہیہ اور تعلیماتِ رسل سے اعراض کرنے یا مخالفت کرنے والوں پر وعید شدید کا ذکر تھا، ان آیات میں انہی منکرین کا رخ اپنے گردوپیش کے حالات اور اگلے زمانہ کے تاریخی واقعات کی طرف پھیر کر ان کو عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے بلاشبہ تاریخ عالم عبرتوں کی ایک کتاب ہے، جس کو اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو وہ ہزاروں وعظوں سے زیادہ مؤثر وعظ ہے"۔[218]

"اس آیت میں گزشتہ اقوام عالم کے بارے میں پہلے یہ بتلایا گیا کہ ان کو حق تعالیٰ نے زمین میں وہ وسعت و قوت اور سامان معیشت عطا فرمایا تھا، جو بعد کے لوگوں کو نصیب بھی نہیں ہوا، لیکن جب انہی نے رسولوں کی تکذیب اور احکام خداوندی کی مخالفت اختیار کی تو یہ سارا جاہ و جلال اور مال و منال اللہ کے عذاب کے سامنے بے کار ثابت ہوا، اور سب کے سب نیست و نابود ہو کر رہ گئے، تو آج کے مخاطب اہل مکہ جن کو نہ عاد و ثمود جیسی قوت و طاقت حاصل ہے، نہ اہل شام و یمن جیسی خوش حالی ان کو اقوال ماضیہ کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور اپنے افعال کا جائزہ لینا چاہئے، کہ مخالفت کر کے ان کا کیا انجام ہوگا۔ پھر ارشاد فرمایاوَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ یعنی اللہ جل شانہ کی قدرت کاملہ کا صرف یہی تصرف نہیں تھا کہ بڑی بڑی جاہ و جلال اور حکومت و سلطنت کی مالک اور ڈیل ڈول و قوت و طاقت والی قوموں کو چشم زدن میں ہلاک و برباد کر دیا، بلکہ ان کو ہلاک کرتے ہی ان کی جگہ دوسری قومیں پیدا کر کے ایسی طرح بسا دیا کہ دیکھنے والوں کو یہ بھی محسوس نہ ہو سکا کہ یہاں سے کوئی انسان کم بھی ہوا ہے۔ اور حق جل شانہ کی اس قدرت و حکمت کا مشاہدہ تو ویسے بھی ہر زمانہ ہر وقت میں ہوتا رہتا ہے کہ روزانہ ہزاروں لاکھوں انسان ہلاک ہوتے رہتے ہیں، مگر کہیں خلا نظر نہیں آتا کہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہاں کے

---

[218] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ۳/ ۲۸۴۔

آدمی ہلاک ہو گئے تو اس میں بسنے والے نہ رہے"[219]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نافرمان قوم کا حال بیان فرمارہے ہیں کہ ایک جماعت جن کو ہم نے دنیا میں ایسی جسمانی اور مالی قوت دی تھی جو قوت تمہیں نہیں دی ہم نے ان پر خوب باتیں فرمائیں انکے کھیتوں کے نیچے سے نہریں جاری کیں جس سے انکی خوب پیداوار ہوئی اور وہ خوش حال زندگی بسر کرنے لگے مگر ان کے گناہوں کے سبب ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ واقعات ماضیہ سے سبق حاصل کر کے اپنی اصلاح کرو قوم عاد و ثمود کو زمین میں طاقت و قوت عطا کی گئی تھی مگر نافرمانی کے سبب اللہ نے انکو نیست ونابود کر دیا اور اسی طرح اللہ کو کسی بھی قوم کو تباہی کرنا مشکل نہ ہے۔اس آیت میں اللہ پاک بطور وعید اور بطور تعجب کے فرمارہے ہیں کہ اے لوگو! غور کرو ہم نے تم سے پہلے نافرمان قوموں پر کس طرح اپنا عذاب بھیجا جس نے ان کو نیست ونابود کر دیا اور اگر تم بھی ہماری نافرمانی کروگے تو ہم تمہیں بھی عذاب دینے پر قادر ہیں۔

۴-سورۃ المرسلات میں ارشاد الٰہی ہے:

"وَمَا أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ، أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ"۔[220]

"اور تونے کیا بوجھا! کیا ہے فیصلے کا دن؟ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا"

سورۃ الغاشیہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"هَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ"۔[221]

"کیا پہنچی تجھ کو بات اس چھپالینے والی کی"

سورۃ القارعۃ میں فرمان خداوندی ہے: "مَا الْقَارِعَةُ"۔[222]

"کیا ہے وہ کھڑ کھڑانے والی"

مفتی شفیع عثمانیؒ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[219] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن ۳/ ۲۸۵۔

[220] القرآن، ۷۷: ۱۴۔۱۶۔

[221] القرآن، ۸۸: ۱۔

[222] القرآن، ۱۰۱: ۲۔

"آپ کو اس محیط عام واقعہ کی کچھ خبر پہنچی ہے (مراد اس واقعہ سے قیامت ہے کہ تمام عالم کو اس کا اثر محیط ہو گا اور مقصود اس استفہام سے تشویق ہے جس سے کلام کے سننے کا اہتمام پیدا ہو، آگے بصورت جواب اس خبر کی تفصیل ہے یعنی) بہت سے چہرے اس روز ذلیل اور مصیبت جھلتے خستہ (اور درماندہ) ہوں گے (اور) آتش سوزاں میں داخل ہوں گے (اور) کھولتے ہوئے چشمے سے پانی پلائے جاویں گے (اور) ان کو بجز ایک خاردار جھاڑ کے اور کوئی کھانا نصیب نہ ہو گا جو نہ (تو کھانے والوں کو) فربہ کرے گا اور نہ (ان کی) بھوک کو دفع کر دے گا، اس میں غذا بننے کی صلاحیت ہے نہ بھوک رفع کرنے کی، اور مصیبت جھیلنے سے مراد حشر میں پریشان پھرنا اور دوزخ میں سلاسل اور اغلال کو لادنا، دوزخ کے پہاڑوں پر چڑھنا اور اس کے اثر سے خستگی ظاہر ہے۔ اور کھولتا ہوا چشمہ وہی جس کو دوسری آیتوں میں حمیم فرمایا ہے اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اس کا بھی چشمہ ہو گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی لذیذ کھانا نہیں ہو گا، ضریع ہی کی طرح زقوم یا غسلین کا اس کے کھانے میں شامل ہونا اس کے منافع نہیں، اور چہروں سے مراد اصحاب چہرہ ہیں یہ تو دوزخیوں کا حال ہوا، بہت سے چہرے اس روز بارونق (اور) اپنے نیک کاموں کی بدولت خوش ہوں گے (اور) بہشت بریں میں ہوں گے۔[223]

جب یہ لوگ باوجود قیام دلائل کے غور نہیں کرتے تو آپ بھی ان کی فکر میں زیادہ نہ پڑیئے بلکہ صرف) نصیحت کر دیا کیجئے (کیونکہ) آپ تو بس صرف نصیحت کرنیوالے ہیں (اور) آپ ان پر مسلط نہیں ہیں (جو زیادہ فکر میں پڑیں) ہاں مگر جو روگردانی اور کفر کرے گا تو خدا اس کو (آخرت میں) بڑی سزا دے گا (کیونکہ) ہمارے ہی پاس ان کا آنا ہو گا پھر ہمارا ہی کام ان سے حساب لینا ہے (آپ زیادہ غم میں نہ پڑیئے)۔ اور سورۃ القارعۃ میں بھی یہی موضوع بیان ہوا ہے: کھڑ کھڑانے والی، آپ نہیں جانتے وہ کیا ہے وہ دلوں کو گھبراہٹ اور کانوں کو سخت آوازوں سے کھڑ کھڑائے گی سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے سب کے اعمال تولے جائیں گے جن کا نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ کامیاب ہونگے اور جن کا برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گا وہ ناکام ہونگے مومنوں کا پلڑا بھاری ہو گا اور کافروں کا پلڑا ہلکا ہو گا"۔[224]

---

[223] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۸/ ۸۰۷۔

[224] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۸/ ۸۰۷۔

ان تمام آیات میں قیامت کے مختلف نام ذکر کئے گئے ہیں سورۃ المرسلات میں قیامت کے دن کو فیصلہ کا دن کہا گیا ہے، سورۃ الغاشیۃ میں قیامت کو چھپا لینے والی یا ڈھانپنے والی کہا گیا ہے، سورۃ القارعۃ میں قیامت کو کھڑ کھڑا ڈالنے والی کہا گیا ہے قیامت کے اور بھی بہت سے نام قرآن مجید میں ذکر کئے گئے ہیں یعنی تم سے جس حساب وکتاب، جزاو سزا، قیامت کا وعدہ بذریعہ انبیاء کیا جارہا ہے وہ ضرور پورا ہو کر رہے گا کیا ہم نے پہلوں کو قوم عاد، قوم لوط اور قوم ثمود کو ہلاک نہیں کیا انکے کفر وعناد کی وجہ سے۔ اسی طرح سورۃ الغاشیۃ میں فرمایا گیا کیا تم کو اس چھپا لینے والی کی خبر نہیں پہنچی جہاں مقصود اس استفہام سے تشویق ہے جس سے کلام کے سننے کا احتمال ہو اور پھر آگے بصورت جواب اس خبر کی تفصیل ہے کہ اس دن کچھ چہرے درماندہ ہونگے اور انکو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور کچھ چہرے خوش وخرم ہونگے اور ہر طرح کے کھانے ان کو میسر ہوں گے۔

ان آیات میں بطور انذار اور وعید کے اللہ تبارک وتعالیٰ نے استفہام فرمایا ہے کہ تم اس خطرناک دن کے بارے میں نہیں جانتے وہ بہت سخت دن ہو گا کوئی کسی کا نہ ہو گا ہر انسان کو صرف اپنی پڑی ہو گی۔

۵-سورۃ التین میں ارشاد خداوند متعال ہے:

"فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعدُ بِالدِّينِ، اَلَيسَ اللهُ بِاَحكَمِ الحٰكِمِينَ" ۔[225]

"پھر تم اسکے پیچھے کیوں جھٹلاتے ہو بدلہ ملنے کو، کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے"

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک اپنی نعمتوں کے بیان کے بعد انسان سے اقرار کرانے کی غرض سے سوال فرمارہے ہیں کہ کہ تم دیکھتے ہو کہ سب کچھ اللہ کی مرضی سے وقوع پذیر ہو رہا اور ہر چیز اسی کے حکم کے مطابق عمل کر رہی ہے مظاہر قدرت میں کبھی بھی کسی چیز میں تغیر وقوع پذیر نہیں ہوا ہے جب سے دنیا بنی ہے ہر چیز اپنے مدار میں رب کے حکم کے ساتھ چل رہی ہے تو پھر تم اللہ کو سب سے بڑا حاکم نہیں مانتے سب کچھ دیکھنے کے بعد اگر انکار کروگے تو خسارہ ہی خسارہ تمہارا مقدر ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر میں مفتی شفیع عثمانیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"پچھلی آیات میں انسان کے تخلیق کے کمال اور اس پر حق تعالیٰ کے خاص انعام کا پھر بڑھاپے میں

---

[225] القرآن،۹۵:۷۔۸۔

حالات کے انقلاب کا ذکر فرما کر اس آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ قدرت الہیہ کے ایسے مناظر اور انقلابات دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش ہے کہ تم آخرت اور قیامت کی تکذیب کرو، کیا اللہ تعالیٰ سب حکومت کرنے والوں پر حاکم نہیں۔"[226]

یعنی جب اللہ تعالیٰ تخلیق احوال پر قادر ہے تو اے انسان! تجھے کونسی چیز قیامت کا منکر بنا رہی ہے؟ کیا اللہ سے بڑا کوئی اور حاکم ہے اللہ پاک تو احکم الحاکمین ہیں۔

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ باطل کے رد اور اپنی قدرت کے اثبات کے لئے استفہام فرمارہے ہیں کہ میری دنیا اور اس میں دی گئی نعمتوں کو دیکھتے ہو اور جو رب پہلی دفعہ پیدا کر سکتا ہے وہ دوبارہ پیدا کر کے حساب لینے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن حکیم میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنے بندوں سے سوال فرمایا ہے جن آیات میں سوال کیا گیا ہے ان آیات کا آیاتِ استفہام کہا جاتا ہے ان میں حروف استفہام اور اسمائے استفہام کا استعمال ہوا ہے اس فصل میں تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں آیاتِ استفہام کی تفسیر و تشریح بیان کی گئی ہے۔ آیات استفہام کو چار انواع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایمانیات، عبادات، معاملات اور عقیدہ آخرت۔ ان تمام انواع میں علامہ مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر کو بیان کیا گیا ہے ان انواع کی اہمیت کے بعد متعلقہ آیت، اس کا ترجمہ اور پھر اسکی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

ایمانیات کے ضمن میں بارہ آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے جن میں سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۲، سورۃ یونس آیات نمبر ۲،۳، سورۃ الزمر آیت نمبر ۲۱، سورۃ الرحمن آیت نمبر ۱۳، سورۃ الملک آیات نمبر ۳،۱۴،۱۹، اور سورۃ الغاشیۃ آیات نمبر ۱۷،۱۸،۱۹،۲۰ شامل ہیں ان تمام آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے سوال کرنے کے مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔

عبادات کے ضمن میں چھ آیات کی تفسیر بیان کی گئی ہے جن میں سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۸۱، سورۃ الانبیاء کی آیات نمبر ۴۳،۴۲، سورۃ النور کی آیت نمبر ۴۱، سورۃ فاطر کی آیت نمبر ۳ اور سورۃ الزخرف کی

[226] عثمانی، مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۸/ ۷۷۴۔

آیت نمبر ۴۵ شامل ہیں انکے مقاصد کو بھی بیان کیا گیا ہے۔
اسی طرح معاملات کے تحت سورۃ ھود آیت نمبر ۲۴، سورۃ النحل آیت نمبر ۴۵، سورۃ الاسر آء آیت نمبر ۴۰، سورۃ الکھف آیت نمبر ۹، سورۃ السجدہ آیت نمبر ۲۷، سورۃ الصافات آیات نمبر ۱۴۹,۱۵۰ اور سورۃ الزخرف کی آیات نمبر ۱۶,۱۸ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے انکے مقاصد پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ کل نو آیات ہیں۔
سب سے آخر میں عقیدہ آخرت کے حوالے سے سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۲۸، سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۵، سورۃ الانعام آیت نمبر ۶، سورۃ المرسلات آیات نمبر ۱۶ء۱۴، سورۃ الغاشیۃ آیت نمبر ۱، سورۃ القارعۃ آیات نمبر ۲,۳ اور سورۃ التین آیات نمبر ۷,۸ کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ دس آیات ہیں۔ الغرض مکمل باب میں کل اکتیس آیات کی تفسیر و تشریح تفسیر معارف القرآن کی روشنی میں بیان کی گئی ہے۔

باب چہارم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر تدبرِ قرآن کا کردار

فصل اول: امین احسن اصلاحی کے حالات زندگی اور انکی علمی خدمات

حالات زندگی

اصلاحی کا تعلق اعظم گڑھ کی مشہور برادری بھچیل سے تھا جس میں غالب اکثریت نو مسلم راجپوتوں کی ہے۔[1] اصلاحی کا خاندان درمیانے درجے کا زمیندار تھا۔ امین احسن کے والد مرتضیٰ ولد وزیر علی ایک دین دار نیک سیرت اور معزز آدمی تھے۔ اصلاحی کا آبائی گاؤں بمہور (اعظم گڑھ (یو۔پی) سے چار میل کے فاصلے پر دریائے ٹونس کے کنارے پر واقع تھا۔[2]

ولادت

امین احسن کی درست تاریخ پیدائش محفوظ نہیں کیونکہ اس وقت تاریخ پیدائش کے اندراج کی طرف توجہ نہیں ہوتی تھی البتہ اصلاحی کی پیدائش کا سال ۱۹۰۴ء ہے۔[3]

ابتدائی تعلیم

اصلاحی نے ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب سے حاصل کی سرکاری مکتب میں ان کے استاد بشیر احمد جبکہ دینی مکتب میں فصیح احمد کے شاگرد بنے۔ یہاں سے انہوں نے قرآن مجید اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔

اعلیٰ تعلیم

شبلی نعمانی جب علی گڑھ، دیوبند اور ندوۃ العلماء لکھنو سے ان مقاصد کے حصول کے لیے مایوس ہوئے جو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے ان کے پیش نظر تھے تو پھر ایک طرف انہوں نے دارالمصنفین اعظم گڑھ پر توجہ دی تو دوسری طرف مدرسۃ الاصلاح سرائے میر کو مرکز تعلیم بنانے کی جدوجہد کی تاکہ ان مقاصد کو حاصل کیا جاسکے جو دینی اور دنیاوی تناظر سے قابل قبول ہوں۔

۱۹۱۴ء کے اوئل میں جب شبلی نعمانی ہر طرف سے کٹ کر اعظم گڑھ میں معتکف ہوگئے تو انہوں نے مدرسہ کی بہتری کی طرف توجہ کی ایک طرف تو انہوں نے حمید الدین فراہی کو مدرسہ کی سرپرستی کی

---

[1] شہزاد سلیم، مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، ماہنامہ اشراق، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص۱۰۹۔

[2] خورشید احمد پروفیسر، مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں، ماہنامہ ترجمان القرآن ۱۹۹۸ء، لاہور، ص ۵۲۔

[3] اصلاحی، اشرف الدین ڈاکٹر، ذکر فراہی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۵۶۶۔

دعوت دی تو دوسری طرف اپنے ایک لائق شاگرد شبلی متکلم ندوی کو مدرسہ کا مہتمم مقرر کیا۔[4]

تلمیذیت فراہی

۹ جنوری ۱۹۱۵ء کو اصلاحی کو مدرسۃ الاصلاح سرائے میر میں داخل کرادیا گیا۔اس مدرسہ کو حمید الدین فراہی اور شبلی جیسے نابغہ عصر کی سرپرستی حاصل رہی۔[5]

بقول سید سلمان ندوی:

"بلگرامی نے چار برس تک مدرسہ سرائے میر میں رہ کر زیر تربیت چند اچھے لڑکے پیدا کیے جن میں سے ایک آدمی امین احسن اصلاحی ہیں"۔[6]

شادی اور بچے

دوران تعلیم ہی امین احسن اصلاحی رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔[7] اصلاحی نے دو شادیاں کیں۔پہلی شادی ۱۹۲۹ء میں اعظم گڑھ کے راجپوت خاندان کی رابعہ نامی خاتون سے ہوئی جن سے ان کے پانچ بچے تین لڑکے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے دوسری شادی ۱۹۴۵ء میں جالندھر کے چوہدری عبد الرحمن کی صاحبزادی سے کی جن سے ایک صاحبزادی مریم ہیں۔[8]

وفات

۱۵ دسمبر ۱۹۹۷ء کو عارضہ قلب اور فالج کے حملے کی وجہ سے امین احسن اصلاحی اس جہاں فانی سے رخصت ہوئے۔ان کی نماز جنازہ امیر جماعت اسلامی قاضی حسین احمد نے پڑھائی۔[9]

---

[4] شہزاد سلیم، مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۱۱۰۔

[5] ندوی، سید سلیمان، حیات شبلی، اعظم گڑھ، دار المصنفین، ص ۶۸۲۔

[6] خالد مسعود، علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب، مشمولہ تدبر، جنوری ۱۹۹۸ء، لاہور، ص ۳۔

[7] ندوی، سلمان، یادرفتگان، کراچی، مجلس نشریات اسلامی، ۱۹۸۳ء، ص ۶۱۔

[8] اصلاحی ، ظفر الاسلامی ، پروفیسر اشتیاق احمد سے انٹر ویو، ششماہی علوم القرآن ،علیگڑھ، اصلاحی نمبر، جنوری ۱۹۹۸ء، ص ۵۔

[9] خالد مسعود، علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب، ص ۲۔

علمی خدمات

امین احسن اصلاحی اگر صرف تدبر قرآن ہی تصنیف کرتے تو انکے نام کو زندہ رکھنے کے لیے ہی کافی تھا مگر انہوں نے علمی دنیا کو بہت قیمتی تصانیف کا ایک گلدستہ دیا ہے۔ ان میں چند اہم تصانیف کا ہم مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

قرآن کی اعلیٰ تعلیم

۱۹۲۵ء میں اصلاحی نے صحافت کو خیر باد کہہ کر اپنے استاد فراہی کی خواہش پر اپنے آپ کو قرآن کے لیے وقف کر دیا۔ انہوں نے مدرسۃ الاصلاح میں علوم قرآن میں نہ صرف مہارت حاصل کی بلکہ استاد کے طریقہ تدریس میں بھی دسترس حاصل کی اسکے علاوہ انہوں نے عربی مشکلات، سیاسیات اور فلسفہ میں کمال پیدا کیا۔[10]

علم حدیث

مدرسۃ الاصلاح میں ان کے استاد اور رفیق اختر احسن اصلاحی نے ان کی علمی خامیاں دور کرنے میں کافی فیاضی سے کام لیا۔ ۱۹۳۰ء میں فراہی کی وفات کے بعد اصلاحی اپنے والد کی خواہش پر علم حدیث سیکھنے کے لیے عبد الرحمن محدث مبارکپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں پر اصلاحی اصول حدیث، تحقیق سند اور تحقیق رجال سے روشناس ہوئے۔[11]

ماہنامہ الاصلاح کی ادارت

۱۹۳۵ء میں فراہی کے قرآنی افکار کی اشاعت کے لیے "دائرہ حمیدیہ" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ مطبوعات کے اردو تراجم کی ذمہ داری اور ماہنامہ الاصلاح کی ادارت اصلاحی کے سپرد ہوئی۔[12]

الاصلاح کی مدت اشاعت جو کہ چار سال رہی لیکن اس محدود عرصے میں قرآنیات پر جو مضامین مقالات اور تبصرے شائع ہوئے و معیار و مواد کے اعتبار سے دینی لٹریچر میں قیمتی سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

[10] خالد مسعود، علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب، ص۵۔

[11] اصلاحی، امین احسن، مبادی تدبر حدیث، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ص۱۴۔

[12] منظور الحسن، مولانا اصلاحی سے یادگار انٹرویو، ماہنامہ اشراق ۱۹۹۸ء، لاہور، ص۱۱۳۔

دائرہ حمیدیہ کے زیر اہتمام فراہی کی تمام عربی مطبوعات کو اردو میں منتقل کیا گیا اور اس کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔[13]

جماعت اسلامی میں شمولیت وعلیحدگی

جماعت اسلامی کی تشکیل ۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو ہوئی جماعت اسلامی کے تشکیل اجلاس میں وہ شریک نہیں تھے لیکن پھر بھی جماعت کے ساتھ ان کے مخلصانہ تعلق کے پیش نظر ان کو جماعت اسلامی کے ارکان میں شامل کر کے الہ آباد، بنارس، گورکھپور، فیض آباد ڈویژن اور صوبہ بہار کا صدر مقام سرائے میر کو قرار دیکر اصلاحی کو اس کا نائب مقرر کیا گیا۔ کچھ ہی عرصے میں آپ کو مودودی اور ارکان شوریٰ کے ہاں اتنا اعتماد حاصل ہو گیا کہ آپ کو مودودی کی جانشینی کی حیثیت حاصل ہوئی۔[14]بعض اختلافات کی بنیاد پر ۱۸ جنوری ۱۹۵۸ء کو آپ جماعت سے علیحدہ ہو گے۔[15]

تحریک ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار

اصلاحی نے تحریک ختم نبوت میں مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور ڈیڑھ سال قید میں رہے۔[16]

نفاذ اسلام کے مطالبہ کی بنیاد پر ۱۹۵۱ میں جماعت اسلامی کی طرف سے پنجاب اسمبلی کا انتخاب لڑا جس کا نتیجہ ناکامی کی صورت میں حاصل ہوا۔[17]

تدبر قرآن کی تالیف

جمات سے علیحدگی کے بعد اصلاحی نے تفسیر تدبر قرآن لکھنے کا باقاعدہ آغاز کر دیا اور اس کی اقساط ماہنامہ "المنیر" میں اسی سال شائع ہونے لگیں۔ جون ۱۹۵۹ء میں اپنا ذاتی یہ رسالہ میثاق جاری کیا جس میں

---

[13] ایضاً۔

[14] ایضاً۔

[15] خورشید احمد پروفیسر، مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں، ص۵۔

[16] طفیل احمد میاں، بعض وضاحتیں، تدبر ۱۹۹۸ء، لاہور، ص۹۹۔

[17] ایضاً۔

اصلاحی کی تمام تحقیقات شائع ہونے لگیں۔[18] ۱۹۶۲ء میں حلقہ تدبر قرآن کا آغاز کیا لیکن ۱۹۶۵ء میں ان کے صاحبزادے ابو صالح اصلاحی کی وفات سے میثاق اور حلقہ تدبر قرآن پر کام بند ہو گیا۔[19] اصلاحی نے لاہور میں تدبر قرآن کے عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔[20]

1۔ تدبر قرآن

یہ اردو زبان میں لکھی ہوئی قرآن مجید کی ایک تفسیر ہے یہ نو جلدوں پر مشتمل ہے اصلاحی نے اس تفسیر کو لکھنے میں اپنی زندگی کے پچپن قیمتی سال صرف کیے ہیں اور کتاب کی تحریر و تسوید پر مکمل ۲۳ برس خرچ کیے اصلاحی نے اس تفسیر کو اپنے استاد حمید الدین فراہی کی فکر کے زمانے کو ملا کر اسے ایک صدی کی قرآنی فکر کا نچوڑ قرار دیا ہے۔ اصلاحی نے اس تفسیر کو اپنے استاد حمید الدین فراہی کی تفسیری منہج پر ترتیب دیا ہے۔ اصلاحی آیات اور سورتوں کے نظم اور قرآنی زبان داخلی جبکہ مقبول روایات و اقوال کو تفسیر قرآن کے خارجی وسائل قرار دیتے ہیں۔ اصلاحی نے قرآن کے داخلی وسائل کو بنیاد قرار دیتے ہو ئے خارجی وسائل سے بھرپور استفادہ کرکے تدبر قرآن کو نمائندہ تفسیر میں شامل کر دیا ہے۔ اصلاحی کا تفسیری اسلوب نظم قرآن اور الفاظ عرب کے معروف مفہوم پر ہے۔ اپنے عنوانات کی ترتیب اور لغوی تشریح توضیح میں یہ تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔ اس کی زبان بہت سادہ اور آسان ہے جسے سمجھنا بہت آسان ہے۔

2۔ تدبر حدیث

شریعت اسلامی میں حدیث کو دوسرا بڑا ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ قرآن کے بعد حدیث کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ حدیث قرآن کی تفسیر ہے۔ اصلاحی نے اس کتاب میں حدیث کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ حدیث کا مقام واضح کیا ہے۔ حدیث کی روایت و درایت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ حدیث کی تفہیم و حدیث کی صحت و ضعف پر روشنی ڈالی ہے اور اس بات کی کوشش کی ہے کہ

---

[18] خالد مسعود، فہیم دین، فاران فاونڈیشن لاہور، ص ۱۱۔

[19] ایضاً۔

[20] اصلاحی، امین احسن، دیباچہ تدبر قرآن، لاہور، فاران فاونڈیشن، ص ۲۵۔

حدیث کی صحت اور معیار پر اٹھنے والے اعتراض کا تسلی بخش جواب مہیا ہو سکے قرآنی دلائل سے حدیث کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔

3۔ مبادی تدبر قرآن

امین احسن اصلاحی نے اپنے استاد حمید الدین فراہی کے بیان کردہ قرآن فہمی کے اصولوں کو ترتیب دیکر کتابی شکل میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے جو اصلاحی نے اس کتاب میں قرآن فہمی کیلئے بنیادی اصول و شرائط پر روشنی ڈالی ہے۔ اور قرآن فہمی کے داخلی اور خارجی وسائل پر پُر مغز بحث کی ہے۔ اصولِ تفسیر بیان کیے ہیں اور آخر میں مفسرین کے تعلیمی ارتقاء کا ایک مفصل جائزہ پیش کیا ہے۔ قرآن فہمی کے لئے یہ کتاب بہت مفید ہے۔

4۔ دعوت دین اور اسکا طریقہ کار

حضرت محمد ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول نے اس دنیا میں نہیں آنا اس لئے قیامت تک کے انسانوں کو ہدایت اور صراط مستقیم کی دعوت دینا اب اس امت کا فرض منصبی ہے یہ کتاب مسلمانوں کے اہم اور بنیادی فریضہ دعوت دین کے متعلق ہے۔ اس کتاب میں امین احسن اصلاحی نے دعوت دین کے صحیح اصول، اس کا طریقہ کار اور دعوت دین کی شرائط کو قرآن و حدیث اور اقوال و امثال صحابہ سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ اصلاحی نے اس کتاب میں انبیاء کرامؑ کی دعوت کا انداز تخاطب، اسلوب موعظت، جدال بالحسنہ اور حکمت عملی کا تفصیلی اور توضیحی ذکر کیا ہے۔ اور آخر میں دعوت دین کی صورت میں پیش آنے والے مسائل اور ہجرت اور جہاد جیسے عظیم فریضے کے ارتقائی مراحل کا ذکر بھی کیا ہے۔

5۔ مقالاتِ اصلاحی

امین احسن اصلاحی کے عزیز شاگرد ڈاکٹر خالد مسعود نے اسے مرتب کیا ہے اسمیں اصلاحی کے خطبات، مختلف مقالات اور میثاق میں لکھے گئے مضامین شامل ہیں۔ اسکے علاوہ مختلف شخصیات کی وفات پر لکھے گئے مضامین شامل ہیں کتاب اپنے عنوانات کے حوالے سے کثیر الجہت ہے جس سے اصلاحی کا ذہنی میلان واضح ہوتا ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

امین احسن اصلاحی اگر صرف تدبر قرآن ہی تصنیف کرتے تو ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے یہی کافی

تھا۔ مگر انہوں نے علمی دنیا کو بہت قیمتی اور تحقیقی تصانیف کا ایک گلدستہ دیا ہے۔
تدبر قرآن اردو زبان میں لکھی ہوئی قرآن مجید کی ایک تفسیر ہے یہ نو جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ نے اپنی زندگی کے تحسین قیمتی سال صرف کئے ہیں اصلاحی نے اس تفسیر کو اپنے استاد حمید الدین فراہی کے تفسیری منہج پر ترتیب دیا ہے۔ اصلاحی کا تفسیری اسلوب نظم قرآن اور الفاظ عرب کے معروف مفہوم پر ہے یہ تفسیر اپنی مثال آپ ہے۔

تعارف و منہج تفسیر تدبر قران

امین احسن اصلاحی نے تفسیر تدبر قرآن کا آغاز ۱۹۵۹ء میں کیا اور اس کی پہلی جلد ۱۹۵۶ء میں مکمل ہوئی۔ نو جلدوں پر مشتمل یہ ضخیم تفسیر اگست ۱۹۸۰ء میں پایہ تکمیل تک پہنچی۔[21]
وہ تدبر قرآن کے مقدمے میں تفسیر لکھنے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:
"اس کتاب کو لکھنے سے میرے پیش نظر قرآن کریم کی ایسی تفسیر لکھنا ہے جس میں میری دلی آرزو اور پوری کوشش اس امر کے لئے ہے کہ میں ہر قسم کے بیرونی لوث اور لگاؤ کے تعصب و تخریب سے آزاد اور پاک ہو کر آیت کا وہ مطلب سمجھاؤں جو فی الواقع اور فی الحقیقت اس آیت سے نکلتا ہے اس مقصد کے تقاضے سے قدرتی طور پر میں نے اس میں فہم قرآن کے ان وسائل و ذرائع کو اہمیت دی جو خود قرآن کے اندر موجود ہیں"۔[22]
امین احسن اصلاحی نے تفسیر تدبر قرآن کے تحریر کرنے میں اپنے استاد حمید الدین فراہی کے اصول تفسیر و تدبر و تفکر کو بھی سامنے رکھا اور اپنی اس تفسیر کو انہوں نے ایک صدی کے تفکر و تدبر کا نتیجہ قرار دیا ہے۔
تفسیر کے مقدمے میں تحریر کرتے ہیں:
"تفسیر تدبر قرآن پر میں نے اپنی زندگی کے پورے ۵۵ سال صرف کیے ہیں جس میں ۲۳ سال صرف کتاب کی تحریر و تسوید کی نذر ہوئے۔ اگر اس کے ساتھ وہ مدت بھی ملا دی جائے جو استاد امامؒ نے قرآن

---

[21] عزمی، اختر حسین، امین احسن اصلاحی۔ حیات وافکار، لاہور، نشریات، ۲۰۰۸ء، ص ۶۰۔
[22] اصلاحی، امین احسن، مقدمہ تدبر قرآن، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱ء، ص ۱۳۔

کے غور و تدبر پر صرف کی ہے اور جس کو میں نے اس کتاب میں سمونے کی کوشش کی ہے تو کم و بیش ایک صدی کا قرآنی فکر ہے جو آپ کے سامنے تفسیر تدبر قرآن کی صورت میں آیا ہے"۔[23]

اسی طرح تدبر و فکر پر زور دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

"کتاب و سنت کے سوا میں کسی چیز کو حجت نہیں سمجھتا اور غور و فکر میرے نزدیک انسانی فضائل میں سب سے برتر اور سب سے اعلیٰ فضیلت ہے۔ میری کوشش یہ ہے کہ ایک مدت دراز سے قرآن و حدیث پر غور و فکر کی جو راہ مسدود ہے وہ اب کھل جائے اور اگر اس راہ میں مجھ سے کوئی خدمت بن آتی ہے تو مجھے اس سے ہچکچانا نہیں چاہیے اگر نیت نیک ہے تو انشاء اللہ مجھے اس کوشش کا اجر ملے گا"۔[24]

مولانا کے نزدیک قرآن و سنت ہی سب سے زیادہ قابل اعتماد چیزیں ہیں۔

تدبر قرآن کا تفسیری منہج

امین احسن اصلاحی نے یہ تفسیر روایتی تفسیری اصولوں پر نہیں لکھی بلکہ انہوں نے اس تفسیر کے مواد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ داخلی وسائل

۲۔ خارجی وسائل

داخلی وسائل کی درج ذیل اقسام ہیں

۱۔ قرآن کی زبان

۲۔ قرآن کا نظم

۳۔ قرآن کے نظائر و شواہد

خارجی وسائل

امین احسن اصلاحی نے فہم قرآن کے وسائل کو درج ذیل شمار کیا ہے

۱۔ سنتِ متواترہ مشہورہ ۲۔ احادیث و آثار صحابہ ۳۔ شان نزول ۴۔

---

[23] اصلاحی، امین احسن، دیباچہ تدبر قرآن، ص ۴۱۔

[24] ایضاً۔

کتب تفاسیر ۵۔ قدیم آسمانی صحیفے ۶۔ تاریخ عرب

اصلاحی خارجی وسائل کے بارے میں لکھتے ہیں:

اگرچہ اپنے امکان کی حد تک میں نے ان خارجی وسائل سے بھی فائدہ اٹھایا ہے لیکن ان کو داخلی وسائل کے تابع رکھ کر ان سے افادہ کیا ہے جو بات قرآن کے الفاظ قرآن کے نظم اور قرآن کی خود اپنی شہادتوں اور نظائر سے واضح کی گئی ہے وہ میں نے لے لی ہے اگر کوئی چیز اسکے خلاف نظر آئی تو میں نے اسکی قدر و قیمت اور اہمیت کے اعتبار سے اس کو جانچا ہے۔ اگر دینی و علمی اعتبار سے اہمیت رکھنے والی بات ہوئی ہے تو میں نے اس پر تنقید کر کے اسکو سمجھنے اور اس کے صحیح پہلو کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر بات کچھ یوں ہی ہوئی تو اس کو نظر انداز کر دیا۔[25]

فہم قرآن کے داخلی وسائل

داخلی وسائل میں پہلا وسیلہ قرآن کی زبان ہے

قرآن کی زبان

قرآن کی زبان عربی ہے اور عربی بھی وہ عربی جو فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجزے کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ عربی زبان بالخصوص قرآن کی زبان کے معاملے میں ایک مشکل یہ بھی ہے کہ اس وقت وہ زبان کہیں بھی رائج نہیں ہے جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔ عرب اور عجم دونوں میں ہی اس وقت جو عربی پڑھی پڑھائی اور لکھی بولی جاتی ہے وہ اپنے اسلوب و انداز اپنے لب و لہجہ اور اپنے الفاظ و محاورات میں اس زبان سے بہت مختلف ہے جس میں قرآن ہے۔

اصلاحی کے نزدیک فہم قرآن کے لیے سب سے بنیادی نقطہ قرآن کی زبان سے مکمل آگاہی ہے اس سے مراد موجودہ دور کی عربی زبان نہیں بلکہ جس دور میں قرآن مجید نازل ہو رہا تھا اس وقت کی شاعری ادب سے مکمل آگاہی ضروری ہے۔

مزید وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

صرف زبان و اسلوب ہی کے معاملے میں نہیں بلکہ اہل عرب کے معروف و مشہور مفکرین کی معاشرتی

[25] اصلاحی، امین احسن، دیباچہ تدبر قرآن، ص ۱۳۔

زندگی کی خصوصیات ان کی سوسائٹی میں خیر وشر کے معیارات انکے سماجی تمدنی اور سیاسی نظریات روزمرہ کی زندگی میں ان کی دلچسپیاں اور مشاغل ان کے مذہبی رسوم و معتقدات غرض اس طرح کی ساری چیزوں کو سمجھنے میں جو مدد ان کے لٹریچر سے ملتی ہے وہ کسی دوسری چیز سے نہیں ملتی۔[26]

نظمِ قرآن

نظم کلام کسی کلام کا ایسا جزو لاینفک ہوتا ہے کہ اسکے بغیر کسی عمدہ کلام کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا لیکن یہ عجب ستم ظریفی ہے کہ قرآن جس کو فصاحت وبلاغت کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے ایک بہت بڑے گروہ کے نزدیک نظم سے بالکل خالی کتاب ہے۔ ان کے نزدیک نہ سورت کا دوسری سورت سے کوئی ربط ہے نہ ہی آیات کا۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسا فضول خیال ایک ایسی عظیم کتاب کے متعلق لوگوں کے اندر کس طرح جاگزیں ہو گیا ہے جسکے متعلق دوست دشمن دونوں ہی کو اعتراف ہے کہ اس نے دنیا میں ہل چل پیدا کر دی، اذہان و قلوب بدل ڈالے فکر و عمل کی نئی بنیادیں استوار کیں اور انسانیت کو ایک نیا جلوہ دیا۔ کسی بھی کلام کو سمجھنے کے لیے اس کا باربط ہونا ضروری ہے۔

نظم قرآن کی اہمیت کے متعلق اصلاحی کا کہنا ہے:

نظم کا علم در حقیقت ترکیب کا علم ہے یہ صرف یہی نہیں بتاتا کہ فلاں آیت سے فلاں آیت کا کیا جوڑ ہے بلکہ اس کا اصلی مقصد دین و اخلاق کے اجزاء کے باہمی ربط کو واضح کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد ایک نہایت اعلیٰ علمی مقصد ہے یہی چیز ہے جس کو حکمت کہتے ہیں۔ حکمت بہر حال ایک مخفی خزانہ ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے بڑی ریاضت کرنی پڑتی ہے۔ اگر کوئی شخص صرف یہ جاننا چاہے کہ قرآن نے عملی زندگی کے لئے کیا احکام دیے ہیں تو اس کیلئے اسے کسی بڑی کاوش کی ضرورت نہیں ہے لیکن اگر کوئی شخص دین کی حکمت معلوم کرنا چاہے تو اسے ہر حال قرآن کے اندر معتکف ہونا اور اس کے لئے ساری زندگی کو قربان کرنا پڑے گا۔[27]

تدبر قرآن کی تصنیف میں نظم قرآن کو زیر نظر رکھنے کے متعلق لکھتے ہیں:

---

[26] ایضاً، ص١٦۔

[27] اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، ص١٧۔

میں نے اس تفسیر میں چونکہ نظم کلام کو پوری اہمیت دی ہے اس وجہ سے ہر جگہ میں نے ایک ہی قول اختیار کیا ہے کیونکہ نظم قرآن کی رعایت کے بعد مختلف وادیوں میں گردش کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔[28]

نظم کی قدر وقیمت

نظم کے متعلق یہ خیال بالکل غلط ہے کہ وہ محض علمی لطائف کے قسم کی ایک چیز ہے جس کی قرآن کے اصل مقصد کے نقطہ نظر سے کوئی خاص قدر وقیمت یہی ہے کہ قرآن کے علوم اور س کی حکمت تک اگر رسائی ہو سکتی ہے تو اسی کے واسطے سے ہو سکتی ہے جو شخص نظم کی رہنمائی کے بغیر قرآن کر پڑھے گا وہ زیادہ سے زیادہ جو حاصل کر سکے گا وہ کچھ منفرد احکام اور منفرد قسم کی ہدایات ہیں۔
اگرچہ ایک اعلیٰ کتاب کے منفرد احکام اور اسکی منفرد ہدایات کی بھی بڑی قدر و قیمت ہے لیکن آسمان و زمین کا فرق ہے اس بات میں کہ آپ طب کی کسی کتاب المفردات سے چند جڑی بوٹیوں کے کچھ اثرت و خواص معلوم کر لیں اور اس بات میں کہ ایک حاذق طبیب ان اجزاء سے کوئی کیمیائی اثر نسخہ ترتیب دے دے تاج محل کی تعمیر میں جو مصالحہ استعمال ہوا ہے وہ الگ الگ دنیا کی بہت سی عمارتوں میں استعمال ہوا ہے لیکن اسکے باوجود تاج محل دنیامیں ایک ہی ہے۔ قرآن حکیم بھی جن الفاظ اور فقروں سے ترکیب پایا ہے وہ بہر حال عربی لغت اور عربی زبان ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں لیکن قرآن کی لاہوتی ترتیب نے ان کو وہ جمال و کمال بخش دیا ہے کہ اس زمین کی کوئی چیز بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔
اصلاحی کے مطابق جس طرح خاندان کے شجرے ہیں اسی طرح نیکیوں اور بدیوں کے بھی شجرے ہیں بعض اوقات ایک نیکی کو ہم معمولی کہتے ہیں حالانکہ اس نیکی کا تعلق نیکیوں کے اس خاندان سے ہوتا ہے جس سے تمام بڑی چھوٹی بڑی شاخیں پھوٹی ہیں اسی طرح بسا اوقات ایک برائی کو ہم معمولی سمجھتے ہیں لیکن وہ برائیوں کے اس کنبے سے تعلق رکھنے والی ہوتی ہے جو تمام مہلک بیماریوں کو جنم دینے والا کنبہ ہے۔ جو شخص دین کی حکمت سمجھنا چاہے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ خیر و شر کے ان تمام مراحل و مراتب سے اچھی طرح واقف ہو قرآن کی یہ حکمت اجزائے کلام سے نہیں بلکہ تمام تر نظم کلام سے

[28] ایضاً، ص ۲۳۔

واضح ہوتی ہے۔[29]

امین احسن اصلاحی کہتے ہیں:

" قرآن نے مختلف سورتوں میں مختلف اصولی باتوں پر آفاقی وانفسی یا تاریخی دلائل بیان کئے ہیں یہ دلائل نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جس شخص پر یہ ترتیب واضح ہو وہ جب اس سورۃ کی تدبر کے ساتھ تلاوت کرتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ زیر بحث موضوع پر اس نے ایک نہایت جامع ،مدلل اور شرح صدر بخشنے والا خطبہ پڑھاہے اسکے برعکس جو شخص اس ترتیب سے بے خبر ہو ہو اجزاء سے اگرچہ واقف ہوتا ہے لیکن اس حکمت سے وہ بالکل ہی محروم رہتا ہے جو اس سورۃ میں بیان ہوئی ہے۔"[30]

قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی

اصلاحی تفسیر تدبر قرآن کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:

" قرآن کا نظام بحیثیت مجموعی کا تعلق ہر سورۃ کے اندر نظم سے ہے یعنی ہر سورۃ ایک مستقل وحدت ہے اس کا ایک علیحدہ عنوان و موضوع (عمومی) ہے اور اس سورۃ کے تمام اجزئے کلام اس عنوان و موضوع سے نہایت گہری وابستگی رکھتے ہیں۔ قرآن میں بحیثیت مجموعی بھی ایک مخصوص نظام ہے جس کا ایک پہلو تو بالکل ظاہر ہے جو ہر شخص کو نظر آسکتا ہے لیکن ایک پہلو مخفی ہے جو غورو تدبر سے سامنے آتا ہے"۔[31]

تفسیر قرآن بالقرآن

تفسیر قرآن مجید میں صحابہ اور قرون اولیٰ کے علماء کا یہ طریقہ تھا کہ وہ قران کی تفسیر قرآن ہی سے کرتے تھے لیکن بعد میں آنے والے مفسرین قرآن مجید کی تفسیر کو مختلف ذرائع سے بیان کرنے لگے۔ اصلاحی نے قرآن کے داخلی وسائل میں تیسرا وسیلہ قرآن کی تفسیر قرآن سے بیان کیاہے۔ اسکی ایک وجہ یہ ہے

---

[29] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ص ۲۲۔

[30] ایضاً، ص ۲۱۔

[31] ایضاً۔

کہ قرآن مجید میں اگر ایک بات اجمال کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔تو دوسری جگہ اسے تفصیلات بیان کیا گیاہے اور اسکی ضرورت اس وقت مزید بڑھ جاتی ہے کہ اگر اجمال میں بات سمجھ نہیں آئی تو تفصیل میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

اصلاحی کہتے ہیں:

"اس تفسیر کو پڑھنے والے ان شاء اللہ محسوس کریں گے کہ میں نے صرف آیات کے نظم اور ان کی تاویل کے تعین میں اصلی اعتماد قرآن ہی کے شواہد و نظائر پر کیاہے بلکہ الفاظ و اسالیب کی مشکلات میں بھی بیشتر قرآن ہی سے استفادہ کیاہے۔اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ معانی و حقائق کی طرح قرآن اپنی ادبی و نحوی مشکلات کے حل کیلئے بھی سب سے زیادہ مستند مرجع و مآخذ ہے۔اس حقیقت کو ہمارے پچھلے علماء نے بھی تسلیم کیاہے"۔[32]

مزید لکھتے ہیں:

" قرآن کی مشکلات جتنی خود قرآن سے مجھ پر واضح ہوئی ہیں دوسری کسی چیز سے بھی واضح نہیں ہوئی ہیں ایک ایک بات اتنے اسلوبوں سے سامنے آتی ہے کہ اگر آدمی ذہن سلیم رکھتا ہو تو اس کو پکڑ ہی لیتا ہے"۔[33]

فہم قرآن کے خارجی وسائل

خارجی وسائل میں پہلا وسیلہ سنت متواترہ مشہورہ ہے

سنت متواترہ مشہورہ

حضورؐ نے قرآن مجید میں مذکورہ تمام دینی اصطلاحات کا عملی مظاہرہ سنت متواترہ کی صورت میں کیااور یہ اصطلاحات اور ان سنتوں کا عملی نمونہ سلف سے خلف تک متواتر منتقل ہو تا رہااس لئے ان اصطلاحات کی تفسیر بھی سنت کی روشنی میں ہو سکے گی اصلاحی تدبر قرآن کے متعلق کہتے ہیں:

" جہاں تک قرآن مجید کی اصطلاحات کا تعلق ہے مثلاً صلوۃ، زکوۃ، حج ، عمرہ، قربانی ،مسجد حرام ،

---

[32] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ص۲۴۔

[33] ایضاً، ص۲۸۔

صفا مروہ، سعی، طواف وغیرہ ان کی تفسیر میں نے سو فیصد سنت متواترہ کی روشنی میں کی ہے۔ اس لئے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کا مفہوم بیان کرنے کا حق صرف صاحب وحی محمد رسول اللہؐ ہی کو ہے"۔[34]

اسی طرح اپنی اصطلاحات کے بارے میں فراہیؒ اپنے مقدمہ تفسیر میں کہتے ہیں

"اُسی طرح تمام اصطلاحات شرعیہ مثلاً نماز، روزہ، حج زکوٰۃ، جہاد، مسجد حرام، صفا مروہ، اور مناسک حج وغیرہ اور اُن سے جو اعمال متعلق ہیں تواتر و توارث کے ساتھ سلف سے لیکر خلف تک سب محفوظ ہیں۔ اس میں جو معمولی جزوی اختلافات ہیں وہ بالکل ناقابل لحاظ ہیں۔ شیر کے معنی سب کو معلوم ہیں اگر چہ مختلف ممالک میں شیروں کی شکلوں صورتوں میں کچھ نہ کچھ فرق ہے اسی طرح جو نماز مطلوب ہے، وہی نماز ہے جو مسلمان پڑھتے ہیں ہر چند کہ اسکی صورت و ہیت میں بعض جزوی اختلافات ہیں جو لوگ اس قسم کی چیزوں میں زیادہ کھوج کریدتے ہیں وہ اس دین قیم کے مزاج سے بالکل ہی ناآشنا ہیں جس کی تعلیم قرآن پاک نے دی ہے پس جب ایسے اصطلاحی الفاظ کا معاملہ پیش آئے جنکی پوری حدو تصویر قرآن میں نہ بیان ہوئی ہو تو صحیح راہ یہ ہے کہ جتنے حصے پر تمام امت متفق ہے اتنے پر قناعت کرو اور اخبار آحاد پر زیادہ اصرار نہ کرو۔ ورنہ خود بھی شک میں پڑوگے اور دوسروں کے اعمال کو بھی غلط ٹھہراؤ گے اور تمہارے درمیان کوئی ایسی چیزیں نہ ہوگی جو اس جھگڑے کا فیصلہ کر سکے"۔[35]

احادیث و آثار صحابہ رضی اللہ عنہم

تفسیر کے ظنی ماخذ میں سے سب سے اشرف اور سب سے زیادہ پاکیزہ چیز ذخیرہ احادیث و آثار ہے۔ اگر ان کی صحت کی طرف سے پورا پورا اطمینان ہوتا تو تفسیر میں ان کی وہی اہمیت ہوتی جو سنت متواترہ کی بیان ہوئی لیکن ان کی صحت پر اس طرح کا اطمینان چونکہ نہیں کیا جاسکتا اس وجہ سے ان سے اسی حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس حد تک یہ ان قطعی اصولوں سے موافق ہوں یہ قرآن کے بعد سب سے قیمتی روشنی ہے۔

---

[34] ایضاً، ص۲۹۔

[35] اصلاحی، امین احسن، دیباچہ تدبر قرآن، ص۳۰۔

حدیث نبویؐ کو قرآن کا شارح قرار دیا جاتا ہے قرآن اور حدیث آپس میں متضاد نہیں ہیں اور اگر کوئی حدیث قرآنی مضامین کے برعکس ہے تو وہ صحیح حدیث ہو ہی نہیں سکتی۔ امین احسن اصلاحی کہتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر اور فہم قرآن کے لیے انہوں نے احادیث نبویؐ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کا سہارا بھی لیا ہے۔

"میں احادیث کو تمام تر قرآن ہی سے ماخوذ مستنبط سمجھتا ہوں اس وجہ سے میں نے صرف انہی احادیث تک استفادے کو محدود نہیں رکھا جو قرآن کی کسی آیت کے تعلق کی صراحت کے ساتھ وارد ہوئی ہیں بلکی پورے ذخیرہ احادیث سے اپنے امکان کی حد تک فائدہ اٹھایا ہے۔ خاص طور پر حکمت قرآن کے مسائل میں مدد مجھے احادیث سے ملی ہے وہ کسی بھی دوسری چیز سے نہیں ملی"۔[36]

شان نزول

شان نزول سے متعلق میرا جو مسلک ہے اور جس کی میں نے اس کتاب میں پیروی کی ہے وہ میں نے اپنے استاذ مولانا فراہیؒ کے الفاظ میں بیان کئے دیتا ہوں۔ مولانا اپنی تفسیر کے مقدمے میں شان نزول سے متعلق لکھتے ہیں:

"شان نزول کا مطلب جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھا ہے یہ نہیں ہے کہ وہ کسی آیت یا سورہ کے نزول کا سبب ہوتا ہے بلکہ اس سے مراد لوگوں کی وہ حالت اور کیفیت ہوتی ہے جس پر وہ کلام برسر موقع حاوی ہوتا ہے۔ کوئی سورۃ ایسی نہیں ہے جس میں کسی خاص امر یا چند خاص امور کو مد نظر رکھے بغیر کلام کیا گیا ہو اور وہ امر جو کسی سورہ میں مد نظر ہوتے ہیں اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے تحت ہوتے ہیں لہٰذا اگر شان نزول معلوم کرنا ہو تو اس کو خود سورہ سے معلوم کرو"۔[37]

قدماء کی تفسیروں میں شان نزول سورۃ کے بارے میں طویل طوال مباحث پائے جاتے ہیں اور انہوں نے کوشش کی ہے کہ ہر سورت اور ہر آیت کا شان نزول بیان کریں اس سے یہ کجی پیدا ہوئی کہ رطب و یابس سب جمع ہو گیا۔ امین احسن اصلاحی تدبر قرآن میں شان نزول کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں

[36] ایضاً۔

[37] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ص ۱۳۱۔

نے کس حد تک شان نزول کی روایات پر اعتماد کیا ہے:

تم اگر طمانیت اور یقین کے طالب ہو تو شانِ نزول کی پیروی میں سر رشتہ نظم ہو کر ہر گز ہاتھ سے نہ دینا ورنہ تمہاری مثال اس مسافر کی مانند ہو جائے گی جو اندھیرے میں کسی چوراہے پر پہنچ گیا ہے اور نہیں جانتا کہ اب کدھر جائے۔شانِ نزول خود قرآن سے اخذ کرنا چاہیے اور احادیث و آثار کے ذخیرے سے صرف وہ چیزیں لینی چاہیے جو نظم قرآن کی موافقت کریں نہ کہ اس کے سہارے نظم کو درہم برہم کر کے رکھ دیں۔

میں نے شانِ نزول کے معاملے میں ٹھیک اسی طریقے کی پیروی کی ہے واقعات کو صرف انہی آیات کی تفسیر میں اہمیت دی ہے جن میں کسی واقعہ کی تصریح یا تلمیح ہے اور ان کو بھی ان تمام ضروری تفصیلات سے الگ کر کے لیا ہے جنکی تائید قرآن کے الفاظ یا اشارات سے نہیں ہوتی۔[38]

کتب تفسیر

امین احسن اصلاحی نے اپنی اس تفسیر تدبر قرآن میں کتب تفسیر سے کم سے کم اخذ کیا ہے سلف کی نمائندہ تفاسیر کے مضامین کے مطالعہ کے بعد اگر کوئی ایسی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کو اپنی تفسیر میں لیا ہے ورنہ اپنے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق ہی تفسیر بیان کی ہے۔کہتے ہیں:

"اس کتاب میں تفسیروں کے حوالے بہت زیادہ نہیں ملیں گے صرف انہی مقامات میں ان کے حوالے میں نے دیے ہیں جہاں مسئلے کی اہمیت اسکی داعی ہوئی ہے یا قاری کے اطمینان کے نقطہ نظر سے حوالے کی ضرورت و اہمیت محسوس ہوئی ہے"۔[39]

قدیم آسمانی صحیفے

قرآن مجید جگہ جگہ قدیم آسمانی صحیفوں، تورات، زبور، انجیل کے حوالے ہیں بہت سے مقامات پر انبیائے بنی اسرائیل کی سرگزشتیں ہیں بعض جگہ یہود اور نصاریٰ کی تحریفات کی تردید اور ان کی پیش کردہ تاریخ پر تنقید ہے۔نزول قرآن سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی بھلائی کیلیے کتب اور صحیفے نازل فرمائے۔ان

[38] ایضاً، ص ۳۲۔

[39] ایضاً۔

کتب میں تورات، زبور، انجیل بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی اہمیت قصص انبیاء میں دوچند ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ ان کتابوں میں ان کے حاملین نے ردوبدل و تحریف کر دی ہے اب کسی مفسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ درست اور غلط کی تمیز قرآنی مضامین کے حوالے سے جانچ پرکھ کرے۔ اصلاحی اپنے منہج تفسیر میں اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے ان کتب سماوی سے کس حد تک استفادہ کیا ہے۔

"میں نے ان روایات پر اعتماد نہیں کیا ہے جو ہماری تفسیر کی کتابوں میں منقول ہیں یہ روایات زیادہ تر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں۔ اس وجہ سے نہ تو یہ اہل کتاب پر حجت ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے خود اپنے ہی دل کے اندر اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر میں نے بحث و تنقید کی بنیاد اصل ماخذوں یعنی تورات وانجیل پر رکھی ہے جس حد تک قرآن اور قدیم صحیفوں میں موافقت ہے وہ موافقت میں نے دکھا دی ہے اور جہاں فرق ہے وہاں قرآن کے بیان کی حجت و قوت واضح کر دی ہے"۔[40]

تاریخ عرب

قرآن میں عرب کی پچھلی قوموں مثلاً عاد، ثمود، مدین اور قوم لوط وغیرہ کی تباہی کا ذکر ہے۔ ساتھ ہی ان کے معتقدات، ان کے انبیاء کی دعوت اور اس دعوت پر ان کے ردّ عمل کی طرف اشارات ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی عرب میں آمد، ان کی قربانی، ان کی دعوت، ان کے ہاتھوں تعمیر بیت اللہ اور ان کی برکت سے عرب کے اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، معاشی حالات کی تبدیلی کا مختلف اسلوبوں کا بیان ہے بعد میں قریش نے دین ابراہیمؑ کو جس طرح مسخ کیا اور بیت اللہ کو جو مرکز توحید تھا جس طرح ایک بت خانہ بنایا اور اسکے نتیجے میں جو رسوم اور بدعتیں ظہور میں آئیں انکے جگہ جگہ حوالے ہیں۔

فہم قرآن کیلئے عرب کی تاریخ بھی ایک اہم ذریعہ ہے کیونکہ قرآن مجید عرب میں نازل ہوا اسکے اولین مخاطب عرب ہی تھے اسکے علاوہ قرآن مجید میں عرب اقوام کے واقعات بیان ہوئے۔ مختلف اقوام کی تباہی و بربادی کا ذکر ہے انکے عقائد، رسوم و رواج اور انبیاء کی دعوت پر ان کا رد عمل بیان ہوا ہے ان سب باتوں کی وضاحت کیلئے عربی تاریخ معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ امین احسن اصلاحی نے تدبر قرآن میں کہاں

[40] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ص ۳۳۔

تک ان معلومات اور تاریخ کو قابل اعتماد سمجھ کر ان کو بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں:

" میں نے جہاں جہاں سے کچھ معلومات حاصل ہونے کی بو پائی ہے وہاں پہنچنے کی کوشش کی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ اس کوشش سے مجھے بعض قیمتی معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ جن سے میں نے قرآن کے بعض اشارات کھولنے میں مدد لی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں مجھے اصلی اعتماد قرآن مجید پر ہی کرنا پڑا ہے۔ میں نے تاریخ کی روایات میں انہی باتوں کو لیا ہے جنکی تائید مجھے خود قرآن سے بھی حاصل ہو گئی ہے۔[41]

---

[41] ایضاً، ص ۳۴۔

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ ایمانیات

تفسیر تدبر قرآن میں امین احسن اصلاحی نے بہت سے مقامات پر آیاتِ استفہام کی وضاحت کی ہے اور ان میں اللہ تعالیٰ کے سوال کرنے کے اغراض و مقاصد پر بھی روشنی ڈالی ہے۔اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں آیاتِ استفہام کی تفسیر و تشریح بیان کی جارہی ہے آیاتِ استفہام کی اقسام بھی بیان کی گئیں ہیں اور ہر قسم کے حوالے سے ماتحت آیات کی تفسیر کی جارہی ہے۔

اللہ ہی ساری کائنات کا نظام چلانے والا ہے کوئی اس کا شریک نہیں عبادت اور راز و نیاز کا صرف وہی مستحق ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی صفات جگہ جگہ بے نظیر طریقے سے بیان کی ہیں جن سے ذات الٰہی کا نہایت واضح تصور حاصل ہوتا ہے۔

دل کے لئے سلامتی اور کوئی صلاح و بھلائی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی توحید کے بغیر ممکن نہیں۔ جس قدر انسان کے پاس توحید کی صداقت اور سلامتی اعتقاد میں پائی جائے گی اسی قدر اس کے لئے سلامتی صدر اور اصلاح قلب پائی جائے گی چنانچہ دل کی تخلیق کا مقصد یہی ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانا جائے اور اس کی شایان شان اس سے محبت کی جائے اور اس کی وحدانیت کا اقرار و یقین کیا جائے اور اس بات کو بھی عملی تطبیق دے کہ اللہ ہی دنیا کی ہر شے سے بڑھ کر اس کو محبوب ہے اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر وہی ہستی نہایت عظیم ہے، تو دل کی بھلائی بس اسی چیز کے حصول میں ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ"۔ [42]

" اور وہی اللہ ہے اسکے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اور دنیا اور آخرت میں صرف وہی حمد و ستائش کا سزاوار ہے"۔

اپنے بے انتہا کمالات اور بے شمار احسانات کے لحاظ سے صرف اللہ ہی کی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ اسکو اپنا معبود اور الٰہ مانا جائے صرف اسی کے آگے سر کو جھکایا جائے اور سب سے زیادہ اسی سے محبت کی

---

[42] القرآن،۲۸:۷۰۔

جائے اسی کی پیروی کی جائے جو قانون اس نے مقرر کیا ہے اسی کے مطابق فیصلے کئے جائیں، زندگی کے ہر موڑ پر اسی سے رہنمائی لی جائے اسی میں انسان کے لئے فلاح و نجات ہے۔
اسی طرح منصب رسالت عطیہ الٰہی ہے جسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اپنا پیامبر بنا کر لوگوں کی ہدایت کے لئے نازل فرماتا ہے اور تمام انبیاء کرام پر بلا تفریق یقین رکھنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ اللہ نے جو مقدس کتابیں نازل فرمائیں ہیں انکے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کا حکم دیا گیا ہے اور جو ملائکہ ہیں وہ نورانی مخلوق ہیں اور وہ اللہ کے حکم سے ہی اعمال بجالاتے ہیں ان پر یقین کرنا ایمانیات کے اہم ارکان میں سے ایک رکن ہے۔
۱- سورۃ النساء میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا"۔ [43]

"اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ ضرور تمہیں قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اور بات کہنے میں اللہ سے زیادہ کون سچا ہے؟"

نیز فرمایا:

"فَمَا لَكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا" ۔[44]

پس تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم منافقین کے باب میں دو گروہ ہو رہے ہو۔ اللہ نے تو انہیں ان کے کیے کی پاداش میں پیچھے لوٹا دیا ہے، کیا تم ان کو ہدایت دینا چاہتے ہو جن کو خدا نے گمراہ کر دیا ہے، جن کو خدا گمراہ کر دے، تم ان کے لیے کوئی راہ نہیں پا سکتے"۔

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ ایمان والے لاکھ چاہیں کہ یہ منافقین ایمان لے آئیں مگر وہ

---

[43] القرآن، ۴:۸۷

[44] القرآن، ۴:۸۸۔

ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو واپس پہلے دین کی طرف لوٹا دیں اور جس کو اللہ گمراہی میں مبتلا فرمادے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

ان آیات میں منافقین کا ذکر کیا جارہا ہے انکی روش کو بیان کیا جارہا جو بلاکسی عذر معقول کے، محض اپنے رشتوں اور قرابتوں یا جائیداد و املاک کی محبت میں ہجرت سے گریزاں اور مدینہ میں دار الاسلام قائم ہوجانے کے باوجود، اب تک بدستور دارالکفریا دارالحرب میں پڑے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے پاس چونکہ کوئی عذر شرعی موجود نہیں تھا اس وجہ سے ان کا نفاق واضح تھا لیکن مسلمانوں میں سے کچھ لوگ، جو ان کے ساتھ رشتہ داریاں اور قرابتیں یا خانانی اور قبائلی نسبتیں رکھتے تھے، ان کے معاملے میں بہت نرم تھے۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ ان کو نہ صرف ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے بلکہ ان کے ساتھ ربط و تعلق بھی قائم رکھا جائے، آہستہ آہستہ یہ لوگ سچے اور پکے مسلمان بن جائیں گے۔ قرآن نے اس خیال کے لوگوں کو تنبیہ کی کہ جو لوگ اس طرز پر سوچ رہے ہیں، غلط سوچ رہے ہیں۔ اب یہ منافقین اسلام کی طرف بڑھنے والے نہیں ہیں، انہوں نے اسلام کی طرف جو قدم بڑھایا تھا، دنیا کی محبت میں انہوں نے اپنے اٹھائے ہوئے قدم کو پھر پیچھے ہٹا لیا جس کی سزا میں اللہ نے اپنی سنت کے مطابق ان کو پھر اسی کفر میں دھکیل دیا جس میں وہ پہلے تھے۔ جو لوگ خدا کے قانون اور اس کی سنت کی زد میں آچکے ہوں وہ اب راہ راست پر نہیں آسکتے، کوئی لاکھ چاہے ان کو راہ ملنی ناممکن ہے۔ فرمایا کہ تم ان کی ہدایت کی توقع رکھتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں بھی اسی کفر میں واپس لے جانے کی آرزو رکھتے ہیں جس میں وہ خود ہیں اس وجہ سے جب تک وہ ہجرت نہ کریں اس وقت تک تم ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھو۔ یہ ہجرت ہی ان کے ایمان و اسلام کی کسوٹی ہے۔ اگر وہ اس سے گریز کرتے ہیں تو تم ان کو دشمن اور دشمنوں کا ساتھی سمجھو اور ان کو جہاں پاؤ گرفتار اور قتل کرو۔"۵۸

ان آیات میں اللہ تبارک و تعالیٰ ان مسلمانوں کا ذکر فرمارہے ہیں جو منافقین کے لئے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں اور انکو چھوڑنا نہیں چاہتے یہ تقریری آیات استفہام ہے اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا اصول سمجھا کر بیان فرمارہے ہیں کہ کون اللہ سے زیادہ سچا ہو سکتا ہے ؟ کوئی نہیں وہی سچی ذات ہے۔ اس سے زیادہ کسی کی بھی بات سچی نہیں ہو سکتی۔

۲۔ سورۃ المآئدہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"مَا الْمَسِیحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّیقَةٌ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَكُونَ"۔[45]

"مسیح ابن مریم تو بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزرے ہیں اور ان کی ماں ایک صداقت شعار بندی تھیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو، کس طرح ہم ان کے سامنے اپنی آیتیں کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ پھر دیکھو کہ وہ کس طرح اوندھے ہوئے جا رہے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"اس آیت میں مسیح ابن مریم کے متعلق بیان کیا جا رہا ہے کہ تم نے انہیں خدا بنا کے رکھ دیا حالانکہ وہ اللہ کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ جس طرح وہ خدا کے رسول تھے اسی طرح یہ بھی خدا کے رسول تھے۔ کردار، مزاج، دعوت، عبدیت، بشرہت اور خشیت ہر چیز میں مشترک اور ایک دوسرے سے مشابہ۔ پھر بھی ایک فرد کو خدائی میں شریک کر دینے کے کیا معنی؟ ان کی ماں جنھوں نے ان کو پیدا کیا خدا کی نہایت وفادار اور صداقت شعار بندی تھیں، مومنہ، قانتہ، عابدہ، مزید یہ کہ یہ ماں بیٹے دونوں کھانا کھاتے تھے۔ اپنی زندگی کو قائم رکھنے لیے یہ اسی طرح غذا اور پانی کے محتاج تھے جس طرح ہر انسان ان کا محتاج ہوتا ہے۔ ان تمام باتوں کی دلیل خود انجیلوں میں موجود ہے۔ آخر غذا، پانی اور تمام انسانی ضروریات کی محتاج مخلوق خدا کی خدائی میں شریک کس طرح کر بیٹھے ہو؟ غذا کا استعمال تو بشریت کی دلیل ہے ہی لیکن اہل کتاب بالخصوص نصاریٰ کے ہاں تو یہ ایک دلیل بشریت ہے۔ حضرت ابراہیم کے پاس جب فرشتے بیٹے کی ولادت کی خوشخبری اور قوم لوط کے لیے عذاب لے کر آئے تو حضرت ابراہیم نے ان کو بشر سمجھا اور ان کی مہمان نوازی کے لیے ان کے سامنے بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت پیش کیا۔ لیکن جب انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا تو

---

[45] القرآن،۵:۷۵۔

حضرت ابراہیم فوراً سمجھ گئے کہ یہ بشر نہیں بلکہ خدا کے فرشتے ہیں۔ اسی طرح انجیلوں میں خود حضرت عیسیٰ کے متعلق ہے کہ جب ان کے شاگردان کو ایک روح سمجھ کر ان سے ڈرے تو انہوں نے بھنی ہوئی مچھلی کا ایک قتلہ ان کے سامنے کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ وہ کوئی روح نہیں بلکہ آدمی ہیں"۔

"کائنات کا مالک و خالق تو اللہ وحدہ لاشریک ہے لیکن ان ظالموں نے اس خدائی کو تین میں تقسیم کر دیا ہے۔ عقیدہ تثلیث کفر ہے، انسان کو عبادت تو صرف اس ذات کی کرنی چاہیے جو حقیقی معنوں میں نافع و ضار ہے۔ ایسی ذات صرف خدا کی ذات ہے۔ وہی نافع و ضار بھی ہے اور وہی سمیع و علیم بھی ہے۔ دوسروں کی عبادت سے کیا حاصل جو نہ نافع وضار ہیں نہ سمیع و علیم۔"[46]

اس آیت میں تعالیٰ اظہارِ تعجب کے سوال فرما رہے ہیں کہ تم لوگ اللہ کے اولاد اور بیوی اللہ ہی کے بندوں کو قرار دے رہے ہیں (معاذ اللہ) وہ رب جو سب کا تخلیق کرنے والا ہے وہی سب کو پالنے والا ہے تو کیسے تم اس کی سلطنت میں اسکے بنائے ہوئے انسانوں کو ہی اس کا شریک ٹھہراتے ہو تو ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اگر یہ دنیا میں تائب ہو جائیں تو انکو معاف کر دیا جائے گا مگر آخرت میں ان کے لئے کوئی معافی نہیں ہے۔

(۳) سورہ التوبہ میں ارشادِ ربانی ہے:

"اَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ سِرَّہُمۡ وَ نَجۡوٰىہُمۡ وَ اَنَّ اللّٰہَ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ" ۔[47]

"کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ان کے راز اور ان کی سرگوشی کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کو جاننے والا ہے"۔

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ اللہ پاک سب انسانوں کے احوال سے باخبر ہے ظاہری اعمال سے بھی اور پوشیدہ اعمال سے بھی، ان کے تمام رازوں کو جانتا ہے اور انکے متعلق غیب کو علم رکھتا ہے اگر انسانوں کو لگے کہ ہم کوئی گناہ چھپ کر کریں گے تو اس کو کوئی دیکھنے والا نہیں ہے اللہ کے فرشتے ہر وقت انسان کے ساتھ ہوتے ہیں اور اسکی حرکات وسکنات کو لکھ رہے ہوتے ہیں تو کیا یہ پھر بھی لاعلم بنے ہوئے

[46] اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/۵۵۹

[47] القرآن، ۹:۷۸۔

ہیں تو ان پر تعجب ہی کیا جا سکتا ہے۔
مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:
"اتنی طویل تعلیم و تربیت، ایسی مسلسل سعی تطہیر و تزکیہ اور اتنے بیشمار حقائق کے انکشاف کے بعد بھی کیا یہ لوگ اتنے ٹھس اور غبی ہیں کہ اتنی موٹی سے بات بھی یہ نہ سمجھ سکے کہ خدا ان کے سارے راز اور ساری سرگوشیوں کو جانتا ہے اور اللہ تمام غیب کا عالم ہے۔ یہ بات ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں کہ خدا ہر چیز کو فعلاً بھی جانتا ہے صفتاً بھی، اسی وجہ سے یہاں اور اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ قرآن کے دوسرے مقامات میں، خدا کے احاطہ علم کو فعل کے صیغہ سے بھی واضح کیا گیا ہے اور صفت کے صیغہ سے بھی۔ باعتبار نظم یہ آیات آگے والی آیت کی تمہید ہے جس میں ان منافقین کی ان نکتہ چینیوں اور سرگوشیوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو وہ مومنین مخلصین کی حوصلہ شکنی کے لیے اپنے حلقوں میں کرتے رہتے تھے۔ اس آیت میں یہ بیان ہوا تھا کہ منافقین اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ صرف یہی نہیں کرتے کہ خود خرچ نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی خدا کی راہ میں خرچ کرتے دیکھ نہیں سکتے۔ جس کو خرچ کرتے دیکھتے ہیں اس کو مذاق کا نشانہ بنا لیتے ہیں جو فیاض اور مخلص مسلمان فیاضی اور خوش دلی سے خدا کی راہ میں دیتے ہیں ان کو تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار اور شہرت پسند ہے۔ اپنی دینداری اور سخاوت کی دھونس جمانے کے لیے ایسا کرتا ہے۔ جو غریب بے چارے کچھ رکھتے ہی نہیں، اپنی محنت مزدوری کی گاڑھی کمائی ہی میں سے اللہ کی راہ میں کرچ کرتے ہیں، ان کی حوصلہ شکنی کے لیے ان کا یہ مذاق اڑاتے ہیں"۔[48]

"منافقین خود اسلام کے لیے نہ کوڑی خرچ کرنا چاہتے تھے نہ اس پر راضی تھے کہ کوئی دوسرا خرچ کرے۔ اپنی اس خواہش کے برخلاف وہ دوسروں کو جب دیکھتے کہ وہ اسلام کے لیے سب کچھ اس دریادلی سے لٹا رہے ہیں گویا اپنے ہی گھر بھر رہے ہیں، یہاں تک کہ مزدور اپنی مزدوری ہی میں سے، بیوی بچوں کا پیٹ کاٹ کر، اس خوشی سے دیتا ہے گویا اپنی سیر آدھ سیر کھجور یا جو کے عوض دولت کونین خرید رہا ہے تو ان منافقین کے سینے پر سانپ لوٹ جاتا۔ وہ غصہ سے کھولتے اور حسد سے جلتے۔ پھر اپنے دل کا بخار طعن

[48] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۳/۶۱۱

و تشنیع، طنز اور پھبتی سے نکالتے۔ اللہ کی ڈھیل ہے کی جس طرح یہ تو اہل ایمان کا مذاق اڑار ہے ہیں لیکن اللہ ان کا مذاق اڑارہا ہے کہ ان کی رسی دراز کیے جارہا ہے کہ یہ خوب کلیلیں کر لیں تب ان کو وہاں سے پکڑے جہاں سے پکڑے جانے کا ان کو گمان بھی نہ ہو۔"[49]

اس آیت میں بطور استعجاب اور حسرت کے اظہار کے لئے استفہام کیا گیا ہے کہ اتنا سمجھانے اور اتنے معجزات کو دیکھنے کے بعد اللہ تبارک و تعالی جانتے ہیں یہ جو بھی کر رہے ہیں پھر بھی یہ سر گوشی کرتے ہیں ہیں ایمان والوں کے خلاف ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں تو ان کی عقل کا ماتم ہی کیا جا سکتا ہے اسی لیے یہاں پر بطور حسرت استفہام کیا گیا ہے۔

(۴)سورہ یونس میں ارشاد خداوندی ہے:

"قُل مَن يَّرزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ وَالاَرضِ اَمَّن يَّمِلكُ السَّمعَ وَالاَبصَارَ وَ مَن يُّخرِجُ الحَيَّ مِنَ المَيِّتِ وَيُخرِجُ المَيِّتَ مِنَ الحَيِّ وَمَن يُّدَبِّرُ الاَمرَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَقُل اَفَلَا تَتَّقُونَ۔"

" اور ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جو سمع اور بصر پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے، تو جواب دیں گے اللہ۔ تو ان سے کہو کہ کیا تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں؟"۔

نیز فرمایا"

"فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الحَقُّ فَمَاذَا بَعدَ الحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصرَفُونَ "۔[50]

"پس وہی اللہ تمہارے رب حقیقی ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو کہاں تمہاری عقل الٹ جاتی ہے؟"

---

[49] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۳/ ۶۱۲

[50] القرآن، ۱۰: ۳۲۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں اہل عرب کی روش بیان کی جارہی ہے کہ وہ کائنات کا خالق ومالک اور مدبر اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن ساتھ ہی شرک میں بھی مبتلا تھے۔ وہ جن دیوتاؤں کو پوجتے تھے ان کے متعلق ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ یہ آسمان وزمین کے خالق ہیں یا سورج اور چاند کے بنانے ہیں یا زندگی اور موت پر متصرف ہیں یا نظام کائنات کا سر نظام ان کے ہاتھ میں ہے بلکہ صرف یہ مانتے تھے کہ یہ خدا کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ خدا ان کی سنتا ہے، جو کام خدا سے کرانا چاہیں کرا سکتے ہیں۔ ان کو اگر راضی رکھا جائے تو یہ خدا سے سفارش کر کے دنیا کی نعمتیں بھی دلواتے ہیں اور اگر بالفرض مرنے کے بعد اٹھنا ہی ہوا اور حساب وکتاب کی نوبت آئی تو اس وقت بھی یہ دستگیری کریں گے اور اپنی بندگی کرنے والوں کو نہ صرف بخشوا لیں گے بلکہ اونچے اونچے درجے دلوائیں گے۔ قرآن نے یہاں خدا سے متعلق ان کے انہی اصولی مسلمات کو بنیاد قرار دے کر ان کو خبردار کیا ہے کہ جب تم ان ساری باتوں کو مانتے ہو تو نہ تمہارے لیے آخرت کے انکار کی گنجائش ہے اور نہ خدا کے شریک ٹھہرانے کا کوئی جواز ہے۔ جب خدا ہی مردہ سے زندہ کو اور زندہ سے مردہ کو برآمد کرتا ہے اور تمام خلق وتدبیر اسی کے ہاتھ میں ہے تو وہ کسی کا محتاج کب ہے کہ اپنی خدائی میں کسی کو شریک بنائے اور اس کے لیے اس امر میں دشواری کیا ہے کہ وہ سب کو مرنے کے بعد دوبارہ اٹھا کھڑا کرے؟ مطلب یہ کہ تمہاری یہ باتیں تمہارے اپنے مسلمات کے خلاف ہیں۔ اس طرح تم اپنے ہی منہ سے اپنے کو جھٹلاتے ہو۔ یعنی جب تم یہ ساری باتیں مانتے ہو تو اس خدا کے قہر وجلال سے ڈرتے نہیں کہ اس کی طرف بے جوڑ باتیں منسوب کر کے اس کی تمام اعلیٰ صفات کی نفی کر دیتے ہو۔ جن صفات کا اہل عرب کو اعتراف بھی تھا اور جو صحیح بھی تھیں۔ ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ وہی اللہ جس کے لیے یہ صفتیں مانتے ہو وہی تمہارا رب حقیقی بھی ہے" ۵۶

اہل عرب کے جو اعترافات بیان کئے گئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف خالق و رازق، سمع وبصر کا مالک، زندگی اور موت کا منبع مانتے تھے بلکہ کائنات کا مدبر ومنتظم بھی اسی کو تسلیم کرتے تھے۔ ہمارے نزدیک اہل عرب کے عقائد سے متعلق اصل حقیقت یہی ہے۔ اہل عرب اپنے معبودوں کو کائنات کے نظم وانصرام کا اصل سرچشمہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ایک بادشاہ اپنے مقربین کو کچھ اختیارات وفرائض سونپ دیتا ہے جو صرف تفویض کردہ لیکن تقرب واعتماد کے

سبب سے وہ عملاً مقربین ہی کے حقوق و اختیارات بن جاتے ہیں۔ اسی طرح کے کچھ اختیارات خاص طور پر، رزق اور اولاد وغیرہ سے متعلق، ان کے شرکاء کو بھی حاصل ہیں۔ قرآن نے بہت سے مقامات پر ان کے اس تصور کی غلطیوں پر تنقید کی ہے اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے زمانے کے مشرکین اور اہل عرب کے مشرکین میں کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ تمہارا رب کون ہے تو جواب اللہ ہی دیتے ہیں ہیں مگر ان کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے ہے کہ کہ سمجھنے کے باوجود گمراہی میں مبتلا ہو جاتے ہیں وہ سراسر بھکے پھر رہے ہیں ان کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے بس وہ حق کے بعد گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اس آیت میں مشرکین کی ذہنی استعداد کو جانچنے کے لئے سوال کیا جارہا ہے کہ حق کو پہچانتے بھی ہیں مگر پھر بھی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

(۵) سورہ الرعد میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

"قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ قُلِ اللّٰهُ قُلۡ اَفَاتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ لَا يَمۡلِكُوۡنَ لِاَنۡفُسِهِمۡ نَفۡعًا وَّلَا ضَرًّا قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ اَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوۡرُ اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ" ۔ [51]

"ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کا مالک کون ہے ؟ کہہ دو، اللہ ! ان سے پوچھو تو کیا اس کے بعد تم نے اس کے سوا ایسے کارساز بنا رکھے ہیں جو خود اپنی ذات کے لیے بھی نہ کسی نفع پر کوئی اختیار رکھتے اور نہ کسی ضرر پر۔ ان سے پوچھو، کیا اندھے اور بینا دونوں یکساں ہو جائیں گے ! یا کیا روشنی اور تاریکی دونوں برابر ہو جائے گی ! کیا انہوں نے خدا کے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں جنہوں نے اسی کی طرح خلق کیا ہے جس کے سبب سے ان کو خلق میں اشتباہ لاحق ہو گیا ہے ! بتادو کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے اور وہ واحد اور سب پر حاوی ہے"۔

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ جس طرح دیکھنے والا اور اندھا برابر نہیں ہو سکتے، روشنی اور

[51] القرآن، ۱۳:۱۶۔

اندھیرا برابر نہیں ہوسکتے بالکل ایسے ہی ایمان والے اور کافر برابر نہیں ہوسکتے، جب یہ اس چیز کا اقرار کرتے ہیں کہ سب کا مالک اور خالق صرف اللہ ہے تو پھر اسکی بادشاہی میں کیوں اوروں کو شریک ٹھہراتے ہیں اور ان کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں تو کیا ان کی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت مفلوج ہوگئی ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی یوں رقمطراز ہیں:

" ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک اور کائنات کا رب کون ہے؟ پھر فرمایا کہ ان کو بتادو کہ ان سب کا مالک اور رب خدا ہی ہے۔ ہم دوسرے مقام میں یہ واضح کرچکے ہیں کہ اہل عرب آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک اصلاً اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے لیکن اولیاء اور شرکاء انہوں نے اور بھی بنالیے تھے جن کی نسبت ان کا گمان یہ تھا کہ یہ خدا کے بڑے چہیتے ہیں، ان کی عبادت خدا کی قربت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ انہی کی عنایت سے تمام دنیوی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں اور اگر آخرت کا کوئی مرحلہ بالفرض پیش آیا تو یہ ان کو بخشوالیں گے۔ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا۔ یعنی جب آسمانوں اور زمین کا مالک وہی ہے تو ان سے پوچھو کہ کس منطق سے انہوں نے خدا کے دوسرے ولی اور کارساز بنالیے جن کا حال یہ ہے کہ یہ بے چارے دوسروں کو کوئی نفع پہنچانا یا ان سے کسی ضرر کو دفع کرنا تو الگ رہا خود اپنے کو کوئی نفع پہنچانے یا اپنے اوپر کسی آئی ہوئی مصیبت کو دور کرنے پر بھی قادر نہیں ہیں۔ " اعمیٰ اور بصیر " کے الفاظ یہاں عقلی و اخلاقی اندھوں اور بیناؤں کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ اسی طرح "ظلمٰت " سے مراد عقلی اور اخلاقی تاریکیاں ہیں اور "نور " سے مراد عقلی و ایمانی روشنی۔ تم خدا کے شریک مانتے ہو جن کی نسبت تمہارا گمان یہ ہے کہ وہ اپنے پجاریوں کو، خواہ ان کے اعمال و افعال اور عقائد و نظریات کچھ ہوں، خدا کی پکڑ سے بچالیں گے دوسرے لفظوں میں اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا کی نگاہ میں اندھے اور بصیر، اور تاریکی اور روشنی دونوں یکساں ہوئے۔ اس طرح تم نے اس حق و عدل کی بنیاد ہی ڈھادی جس پر یہ آسمان و زمین قائم ہیں اور جس کی نفی کے بعد یہ سارا عالم ایک اندھیر نگری یا کسی کھلنڈرے کا کھیل بن کے رہ جاتا ہے۔ شرک کس دلیل کی بنا پر؟ یعنی آخر کس دلیل کی بنا پر انہوں نے خدا کے شریک بنائے ہیں۔ کیا مخلوقات میں کچھ ان کے مزعومہ شرکاء کی پیدا کی ہوئی مخلوقات بھی ہیں جن کے سبب سے ان کو یہ گھپلا پیش آگیا ہے کہ یہ متعین نہیں کرپارہے ہیں کہ کس کو خدا کی مخلوق قرار

دیں اور کس کو اپنے شرکاء کی، مطلب یہ ہے کہ خالق تو ہر شے کا اللہ ہی ہے اور اس حقیقت سے تمہیں بھی انکار نہیں ہے تو پھر خدا کی خلق میں تم نے دوسروں کو کس دلیل سے شریک بنا کے رکھ دیا۔ لفظ "قہار" کا مفہوم ہے سب کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا، مطلب یہ ہے کہ وہ خالق بھی ہے اور سب کو اپنے کنٹرول میں رکھنے پر قادر بھی ہے تو ضرورت کیا ہے جس کی بنا پر دوسرے شریکوں کو اس کی خدائی میں شریک مانا جائے۔"[52]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو ترغیب دلانے کے لئے سوال فرما رہے ہیں۔ اس آیت میں سوال کرنے کا مقصد کہ جب حق تمہارے سامنے واضح ہو چکا ہے تم حقیقت کو جان گئے ہو اس کے باوجود بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہر حالانکہ وہ بتا چکا ہے کہ وہ اپنے بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوں تو پھر ان لوگوں کو خدا کے قرب کا ذریعہ کیوں سمجھتے ہو۔

(٦) سورہ الانبیاء میں ارشادِ باری ہے:

"اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰہُمَا ؕ وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ"۔[53]

"کیا ان کفر کرنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں بند ہوتے ہیں، پھر ہم ان کو کھول دیتے ہیں اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندہ کیا، تو کیا وہ پھر بھی ایمان نہیں لا رہے ہیں؟"۔

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ تم دیکھتے ہو آسمان میں کوئی شگاف یا سوراخ نہیں ہے بالکل بند ہے اور اس میں سے ہم بارش برساتے ہیں جس سے تم فائدہ حاصل کرتے ہو اور اسی پانی سے ہم زندگی عطا کرتے ہیں اور زمین اسی پانی کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اور مختلف قسم کی نباتات اگاتی ہے تو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار اللہ کے پاس ہے کیا تم ان نشانیوں کو دیکھنے کے بعد ایمان لانے میں تردد کا شکار ہو۔

---

[52] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۴/۲۷۹۔

[53] القرآن، ۲۱:۳۰۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

اس آیت میں آفاق کی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی کہ وہ کسی نئی نشانی کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں، خدا کی یہ کائنات، اس کی قدرت، رحمت، ربوبیت اور توحید و معاد کی نشانیوں سے بھری پڑی ہے، ان نشانیوں پر کیوں نہیں غور کرتے ؟ جب وہ ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ اگر کوئی نئی نشانی دکھا دی گئی تو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی ! دل میں ہدایت کے اترنے کی اصل راہ عقل ہے، جب انہوں نے عقل پر پٹی باندھ رکھی ہے تو ان کو ہدایت کس طرح نصیب ہو سکتی ہے! آفاق کی شہادت توحید، معاد اور جزا اسی مفہوم میں بیان ہوئے ہیں۔ رتق کے معنی بند اور رفتق کے معنی کھولنے کے ہیں۔ آسمان اور زمین کے بند ہونے اور ان کے کھولنے سے مقصود یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا ہے کہ دیکھتے ہو کہ آسمان بند ہوتا ہے، اس سے بارش نہیں ہوتی، اسی طرح زمین بند ہوتی ہے اس سے سبزہ نہیں اگتا، پھر دیکھتے ہو کہ آسمان کھلتا ہے اور اس سے دھڑا دھڑ پانی برسنے لگتا ہے اور اس کے بعد خدا زمین کو بھی کھول دیتا ہے اور وہ اپنی نباتات کے خزانے اگلنا شروع کر دیتی ہے کل تک زمین بالکل خشک اور مردہ پڑی ہوئی تھی لیکن بارش کے ہوتے ہی اس کے گوشے گوشے میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے۔

اللہ نے اپنی اس کائنات میں یہ نشانیاں اس لئے تو نمایاں فرمائی تھیں کہ لوگوں کو ان سے صحیح راہ کی طرف رہنمائی حاصل ہو! غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ اسی ایک مشاہدہ کے اندر ان تمام باتوں کی دلیلیں موجود ہیں جن کی قرآن ان کو دعوت دے رہا تھا۔ اس میں نہایت واضح دلیل توحید کی موجود ہے۔ اگر آسمان میں الگ الہ اور زمین میں الگ معبود ہوتے تو آسمان کو کیا پڑی تھی کہ وہ زمین کو زندہ و شاداب رکھنے کے لئے اپنے ذخیرے کا پانی صرف کرتا۔ زمین و آسمان میں یہ زوجین کی سی سازگاری اس بات کی صاف شہادت ہے کہ دونوں کا خالق و مالک ایک ہے اور دونوں پر اسی کا ارادہ کار فرما ہے۔ دوسری شہادت اس کے اندر معاد کی ہے۔ جب زمین خشک و بے آب و گیاہ، یا بالفاظ دیگر مردہ ہو کر از سر نو زندہ و شاداب ہو جاتی ہے تو موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو کیوں مستبعد خیال کیا جائے! تیسری شہادت اس کے اندر انسان کے مسئول ہونے کی ہے۔ جب خدا نے انسان کی پرورش کے لئے یہ کچھ اہتمام فرمایا ہے کہ اپنے آسمان و زمین، سورج چاند، اور آب و ہوا ہر چیز کو اس کی خاطر سرگرم رکھتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ اس کو

بالکل شتر بے مہار بنا کر چھوڑ دے، محاسبہ کا کوئی دن ضرور ہے"۔[54]

اس آیت میں معلومات کو دہرانے اور پائیدار بنانے کے لئے استفہام کیا گیا ہے۔ اس میں آفاقی نشانیوں کی طرف اشارہ کر کے انسان کے ایمان کو استحکام بخشا جا رہا ہے کہ ان سب کے باوجود جو ایمان لاتے ہیں انکے لئے فایدہ ہی فائدہ ہے اور جو لوگ ان نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود مزید نشانیوں کا مطالبہ کرتے ہیں وہ ان کو دیکھ کر بھی ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(۷) سورہ العنکبوت میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ يُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَرَحۡمَةً وَّذِكۡرٰى لِقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ "۔[55]

"کیا ان کے لئے یہ چیز کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری وہ ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے۔ بیشک اس کے اندر رحمت اور یاد دہانی ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں۔"

اس آیت میں قرآن مجید کی عظمت کا بیان ہے کہ ہم نے تم پر ایسی کتاب نازل فرمائی جو حکمت سے بھری ہوئی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے متقین (خدا سے ڈرنے والوں) کے لئے ہدایت ہے جب اسکی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو دل پر اثر ہو جاتا ہے اس کے اندر رحمت پوشیدہ ہے اسکے پڑھنے سے برکات کا نزول ہوتا ہے اتنے بڑے معجزے کے بعد انکار کی کہاں گنجائش باقی ہے کیونکہ انکو چیلنج بھی کیا گیا کہ اس جیسی ایک آیت ہی بنالاؤ جبکہ وہ ایسا کرنے سے قاصر رہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جا رہا ہے کہ کیا ان کے لئے تمہاری نبوت و رسالت کی یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ ہم نے تمہارے اوپر ایک کتاب اتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جا رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب ایک پوری کتاب ان کو سنائی جا رہی ہے جو اپنے دعوے پر خود حجت ہے اور اس کا

[54] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۵/۱۴۰۔

[55] القرآن، ۲۹:۳۰۔

سنانے والا بھی سامنے موجود ہے تو اس عظیم نشانی کے ہوتے کسی اور نشانی کی ضرورت کہاں باقی رہی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے کہ کسی معجزے یا کسی نشانی عذاب کے بجائے اس نے ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی۔ اگر وہ کسی حسی معجزہ دکھاتا تو وہ بہر حال ایک وقتی اثر ہوتا اور اگر کوئی نشانی عذاب دکھاتا تو وہ ایک آفت ہوئی اور معلوم نہیں وہ کس شکل میں نمودار ہوتی۔ یہ تو اللہ کا بہت بڑا فضل ہوا ہے کہ اس نے ان پر کتاب اتاری جو ان کے واسطے ایک دائمی رحمت اور یاد دہانی ہے بشرطیکہ وہ اس کی قدر کریں اور اس پر ایمان لائیں۔ لفظ 'ذکری' کا مطلب کہ قرآن درحقیقت انسان کو انہی حقائق کی یاد دہانی کرتا ہے جو خود اس کی عقل و فطرت کے اندر موجود ہیں لیکن وہ ان کو بھولا ہوا ہے۔ قرآن کی صداقت ثابت کرنے کے لئے کسی خارجی نشانی یا معجزے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی ضرورت ہے کہ انسان قرآن کی رہنمائی میں اپنی فطرت کے خزانوں کا جائزہ لے۔ وہ خود پکار اٹھے گا کہ قرآن جو کچھ بتا رہا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔"۔

اس آیت میں رویہ سازی کے بارے میں استفہام کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اگر اتنا بڑا معجزہ "قرآن مجید" کو دیکھ کر ایمان نہیں لا رہے تو ان سے کوئی اور معجزے کے بعد بھی توقع نہیں کی جا سکتی۔ یہ کہنا کہ کوئی اور معجزہ دکھاؤ تو ہم ایمان لے آئیں گے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ انکے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں یہ حق بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے۔

(۸) سورہ یٰسین میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ "۔[56]

"کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ان کے لئے چوپائے پیدا کیے، پس وہ ان کے مالک ہیں!"

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"اس آیت میں ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے اور پھر خدا ہی کی شکر گزاری کا مطالبہ کیا ہے اسی طرح

[56] القرآن، ۳۶:۷۱۔

یہاں بھی قرآن کی دعوت کو تائید میں اپنی ربوبیت کی بعض نشانیوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد خدا ہی کی شکر گزاری کا مطالبہ کیا ہے۔ گویا تمہید کا مضمون خاتمہ میں ایک نئے اسلوب سے پھر سامنے آگیا۔ "فرمایا" کہ کیا وہ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے چوپائے بنائے اور پھر ان کو ان کا مالک بنا دیا۔ وہ ان پر پوری آزادی سے مالکانہ تصرف کرتے اور اپنی تمام ضروریات میں ان کو استعمال کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں خود اپنے وجود سے شاہد ہیں کہ صرف خدا ہی کی قدرت و حکمت نے ان کو وجود بخشا ہے، کسی دوسرے کی مجال نہیں تھی کہ ان کو وجود میں لا سکتا یا ان کو انسان کا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا۔ یہ محض رب کریم کی کریمی ہے کہ اس نے ان کو وجود میں لا سکتا یا ان کو انسان کا مطیع و فرمانبردار بنا سکتا۔ یہ محض رب کریم کی کریمی ہے کہ اس نے ان کو اپنی قدرت و حکمت سے بنایا اور پھر ان کو انسان کی غلامی میں دے دیا۔"

انسان اگر غور کرے کہ قدرت کے اس بے پایاں انعام کے عوض میں اس پر کوئی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے یا نہیں؟ قرآن اس سوال کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا اور اس کے نتائج سے آگاہ کرنا چاہتا ہے لیکن بے وقوف لوگ حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ یہ محض خدا کی ربوبیت و رحمت ہے کہ اس نے ان چوپایوں کو انسان کی معاشی ضروریات کے لئے ساز گار بنایا اور پھر ان کو اس طرح انسان کا مطیع بنا دیا ہے کہ وہ جس طرح چاہے ان کو استعمال کرتا ہے۔ اگر خدا نہ چاہتا تو یہ چوپائے نہ تو انسان کی ضروریات کے لئے ساز گار ہوتے اور نہ وہ ان کو اپنا مطیع بنا سکتا۔ آخر دنیا میں کتنے جانور ایسے ہیں جو نہ تو انسانی ضروریات کے لئے کار آمد ہیں اور نہ وہ ان کو چوپایوں کی طرح اپنا مطیع بنا سکتا ہے۔ فرمایا کہ ان چوپایوں ہی میں سے بعض وہ ہیں جن سے وہ سواری کا کام لیتا ہے اور بعض وہ ہیں جن سے وہ اپنی غذائی ضروریات پوری کرتا ہے۔ یعنی سواری اور غذا کے علاوہ اور بھی بہت سے فوائد ان سے حاصل ہوتے ہیں۔ ان کی کھال، ان کے بال، ان کی ہڈی، ان کے بول و براز، غرض کون سی چیز ہے جو انسان کے لئے نافع نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے دودھ اور اس دودھ سے بنی ہوئی پینے کی مختلف چیزیں لسی، دہی، چھاچھ۔ سب انسان کے لئے خوشگوار، لذیذ اور صحت بخش ہیں۔ تو کیا یہ نعمتیں ان سے یہ مطالبہ نہیں کرتیں کہ جس رب کی بخشی ہوئی نعمتوں سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں اس کے شکر گزار اور فرمانبردار بھی بنیں۔ یہ نعمتیں انسان کو اس بات کی یاد دہانی کروا رہی ہیں کہ ایسی واضح حقیقت کو سمجھنے اور ماننے کے بجائے اس کو شاعری قرار دے

کر اس سے گریز کی راہیں کیوں سوچ رہے ہو۔ اس آیت میں اللہ پاک اپنے مظاہر قدرت کا ذکر کرنے کے بعد باطل کے رد کرنے کیلئے استفہام فرمار ہے ہیں۔[57]

(۹) سورہ الحجرات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قُل اَتُعَلِّمُونَ اللہَ بِدِینِکُم وَاللہُ یَعلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الاَرضِ وَاللہُ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیمٌ" ۔[58]

" کہہ دو، کیا تم اپنے دین سے اللہ کو آگاہ کر رہ ہو! درآں حالیکہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے"۔

اس آیت میں منافقین کی منافقانہ روش کو بیان کیا جارہا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے گویا وہ اللہ کو بتا رہے ہیں اپنے ایمان لانے کی خبریں پھیلا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو دھوکہ دے سکیں۔ وہ سوچتے ہیں جیسے اللہ پاک کو انکے دل کے ارادوں کی خبر ہی نہیں ہے وہ تو انکے دل میں آئے ہوئے ہر خیال سے واقف ہے

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"یعنی یہ لوگ بڑے سرپرستانہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں تو ان سے پوچھو کہ کیا تم لوگ اللہ کو اپنے دین سے آگاہ کر رہے ہو اگر یہ لوگ اللہ کو آگاہ کر رہے ہیں تو ان کو بتا دو کہ اللہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اللہ ہر بات سے باخبر ہے۔ وہ فعلاً بھی ہر چیز کو جانتا ہے اور صفتاً بھی ہر بات سے باخبر ہے۔ کوئی چیز بھی اس سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اپنے ایمان پر ناز ہے تو اس پر وہ کسی ایسے کے سامنے ناز کریں جو ان کے دین و ایمان سے بے خبر ہو۔ اس کے سامنے ناز کرنے سے کیا فائدہ جو اس کائنات کے ہر سر و علانیہ سے اچھی طرح آگاہ ہے۔ کیا جو ہر چیز سے آگاہ ہے وہ ان کے ایمان کے طول و عرض سے آگاہ نہیں ہو گا۔"[59]

---

[57] اصلاحی، تدبر قرآن، ۷/ ۴۴۲۔

[58] القرآن، ۱۶:۴۹۔

[59] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۷/ ۵۲۲۔

اس آیت میں غلطی کے ادراک کے لئے استفہام کیا گیا ہے کہ کیا تم اللہ کو اپنا دین سکھاؤ گے؟ (نعوذ باللہ) اللہ پاک ہر چیز کا جاننا والا ہے۔ وہ ہر طرح کے اسرار و رموز سے واقف ہے۔ تم لوگ سوچتے ہو کہ مسلمانوں کو اپنی باتوں کے شکنجے میں پھنسا رہے ہو انکے پیچھے سے مذاق اڑاتے ہو حالانکہ تم اپنے آپ کو ہی دھوکہ میں ڈال مبتلا کر رہے ہو تمہارے لئے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خسارہ ہی خسارہ ہے۔

(۱۰) سورہ ق میں ارشادات الٰہی ہے:

"اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ "۔[60]

"کیا انہوں نے اپنے اور آسمان کو نہیں دیکھا، کس طرح ہم نے اس کو بنایا اور اس کو سنوارا اور کہیں اس میں کوئی رخنہ نہیں!"۔

اس آیت میں آسمان کے بنانے اور اسکو ستاروں سے مزین کئے جانے کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے کہ تم دیکھتے نہیں کیسے ہم نے آسمان کو بنایا اور پھر اسے ستاروں سے مزین فرمایا اس میں کہکشاں، ستارے جڑ دیئے جو رات کو بہت خوب صورت سماں پیش کرتے ہیں اور اس میں کوئی بھی رخنہ یا دراڑ نہیں ہے ان آفاقی نشانیوں کو دیکھ کر رب کو جھٹلانا کیونکر ممکن ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے مکذبین قیامت کو اپنی قدرت، ربوبیت اور حکمت کی ان بدیہی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اوپر اور نیچے ہر جگہ نظر آتی ہیں اور ہر اس شخص کے اندر بصیرت اور یاد دہانی پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں جس کے سینہ میں اثر پذیر اور متوجہ ہونے والا دل ہو۔ سب سے پہلے اپنی عظیم قدرت و حکمت کی طرف توجہ دلائی کہ کیا انہوں نے کبھی اپنے اوپر آسمان کی طرف نگاہ نہیں اٹھائی کہ دیکھتے کہ کس طرح ہم نے اس کو بلند کیا، اس کو ستاروں سے سجایا اور ہماری قدرت و حکمت کا اعجاز ہے کہ اس کا پیدا کرنا تو درکنار کسی رخنہ کی نشان دہی وہ نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس کی قدرت و حکمت کا یہ کرشمہ وہ اپنے سروں پر دیکھتے ہیں، کیا اس کے لئے ان کے

---

[60] القرآن، ۶:۵۰۔

مرنے کے بعد ان کو دوبارہ پیدا کر دینا مشکل ہو جائیگا؟ اس کے بعد قدرت و حکمت کے ساتھ اپنی ربوبیت اور پرورش کے اہتمام کی طرف بھی توجہ دلائی۔ فرمایا کہ وہ اپنے نیچے دیکھیں کہ کس طرح ہم نے زمین کو ان کے قدموں کے نیچے بچھایا ہے اور اس کے توازن کو برقرار رکھنے کے لئے اس کے اندر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دی ہیں اور اس میں طرح طرح کی چیزیں اگا رکھی ہیں جو ان کی غذا کے کام آتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس پروردگار کی قدرت و حکمت اور جس کی پروردگاری کی یہ شانیں وہ دیکھ رہے ہیں کیا اس کے لئے دشوار ہے کہ وہ ان کے مر جانے کے بعد ان کو دوبارہ اٹھا کھڑا کرے؟ کیا جس پروردگار نے ان کی پرورش کا یہ اہتمام کر رکھا ہے وہ ان کو اس طرح چھوڑے رکھے گا کہ وہ کھائیں پئیں، عیش کریں، ان سے کبھی اس باب میں کوئی پرسش نہیں ہوگی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے اندر اپنی قدرت، حکمت اور ربوبیت کی یہ شانیں اس لئے نمایاں فرمائی ہیں کہ جو لوگ توجہ کرنے والے ہیں، ان کے اندر یہ بصیرت اور یاددہانی پیدا کریں"۔[61]

نیز فرمایا ہے:

"اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ"۔[62]

"کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر رہنے کہ وہ ان کی طرح پھر پیدا کر دے"۔

"منکرین قیامت کے اسی شبہ کا جواب سورۃ نازعات میں ان الفاظ میں دیا ہے۔ "کیا تمہارا پیدا کیا جانا زیادہ کٹھن ہے یا آسمان کا بنانا، اس کے گنبد کو بلند کیا، پھر اس کو اچھی طرح ہموار کیا اور اس کی رات کو ڈھانک دیا اور اس کے دن کو بے نقاب کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔ اس سے اس کا پانی اور چارہ برآمد کیا اور پہاڑوں کو لنگر انداز کیا۔ تمہارے اور تمہارے چوپایوں کو برتنے کے لئے۔"

ان آیات پر تدبر کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں قدرت، عظمت، حکمت اور ربوبیت کے سارے پہلو وسعت کے ساتھ سمٹ آئے ہیں۔ اس آیت میں بطور تعجب استفہام فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ اتنی نشانیوں

---

[61] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۷/۵۳۸۔

[62] القرآن، ۱۷:۹۹۔

کو دیکھ کر بھی اللہ کے بارے میں شکوک وشبہات کا شکار ہیں۔

(۱۱)سورہ الملک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اَمَّن هٰذَا الَّذِي هُوَ جُندٌ لَّكُم يَنصُرُكُم مِّن دُونِ الرَّحمٰنِ اِنِ الكٰفِرُونَ اِلَّا فِي غُرُورٍ" ۔[63]

"بتاؤ تمہارے پاس وہ کون سا لشکر ہے جو خدائے رحمان کے مقابل میں تمہاری مدد کرسکے گا! یہ کافر بالکل دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں!"

پھر فرمایا:

"اَمَّن هٰذَا الَّذِي يَرزُقُكُم اِن اَمسَكَ رِزقَهٗ بَل لَّجُّوا فِي عُتُوٍّ وَّنُفُورٍ " ۔[64]

"بتاؤ! وہ کون ہے جو تمہیں روزی دے گا اگر وہ اپنی روزی روک لے! بلکہ یہ لوگ سرکشی اور حق بیزاری پر اڑ گئے ہیں!"۔

پھر ارشاد فرمایا:

"اَفَمَن يَّمشِي مُكِبًّا عَلٰى وَجهِهٖ اَهدٰى اَمَّن يَّمشِي سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّستَقِيمٍ " ۔[65]

"کیا وہ جو اوندھے منہ چل رہا ہے راہ یاب ہونے والا بنے گا یا وہ جو سیدھا ایک سیدھی راہ پر چل رہا ہے؟"۔

ان آیات میں کہا جا رہا ہے کہ اللہ کے مقابلے میں کوئی ہے جو تمہاری مدد کرسکے اور جو تمہارے ساتھ مل کر نعوذ باللہ اللہ کے مقابلے میں تمہاری مدد پر قدرت رکھ سکے؟ اسی طرح اللہ پاک تمہیں رزق دیتا ہے اگر اللہ تم سے رزق کو بند کردے تو کوئی اور ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اللہ کے حکم کے بغیر ایک ذرہ بھی حرکت پر قدرت نہیں رکھتا تو تم نے کیسے سمجھ لیا کہ صراط مستقیم اور صراط مستقیم پر چلنے والے لوگ برابر

---

[63] القرآن،۶۷:۲۰۔

[64] القرآن،۶۷:۲۱۔

[65] القرآن،۶۷:۲۲۔

ہو سکتے ہیں تو ایسا تصور ہی محال ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

کوئی فوج خدائی حملہ کا دفاع نہیں کر سکتی، یعنی اگر تم عذاب کا مطالبہ کر رہے ہو کہ تمہیں دکھا دیا جائے تو تمہارے پاس کون سا لشکر ہے جو خدائے رحمان کے مقابل میں تمہاری مدد کرے گا؟ یہ ان لوگوں کی بدبختی پر اظہار افسوس ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑا ہی ناقابل تسخیر دفاعی حصار ان لوگوں نے تعمیر کر رکھا ہے جس کو کوئی طاقت بھی توڑ نہیں سکتی لیکن یہ لوگ سخت دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔ عذاب الٰہی کا کوئی معمولی سا جھونکا بھی آ گیا تو ان کے سارے قلعے اور حصار خس و خاشاک کی طرح اڑ جائیں گے۔ فرمایا کہ فرض کرو اللہ تعالیٰ اس بارش ہی کو روک لیتا ہے جو تمہارے لیے رزق رسانی کا ذریعہ ہے تو کیا تمہارے پاس ہے کوئی ایسا زور آور جو اس بند دروازے کو از سر نو کھول دے؟ ان لوگوں کی ہٹ دھرمی پر اظہار افسوس ہے کہ اگرچہ ان میں سے کسی سوال کا جواب بھی یہ اثبات میں دینے کی جرأت نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود یہ اپنی سرکشی اور حق بیزاری پر بضد ہیں۔[66]

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ سوچنے سمجھنے والے ہوں تو ان کو بات سمجھائی جا سکتی ہے لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج! اب اگلی آیت میں یہ وضاحت فرمائی ہے اس بات کی کہ کیوں ان لوگوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھل رہی ہے اور سمجھانے کے باوجود یہ گمراہی میں بھٹک رہے ہیں؟ فرمایا کہ یہ لوگ کتے کے مانند اپنی خواہشوں کے غلام ہیں جس طرح کتا زمین کو سونگھتا ہوا چلتا ہے کہ شائد کوئی چیز کھانے کی مل جائے اسی طرح ان لوگوں کی رہنما بھی عقل کی جگہ ان کی خواہش ہے اور یہ سر جھکائے، آنکھ بند کیے، اپنی خواہش کے پیچھے چل رہے ہیں۔ خواہش کے پیچھے چلنے والا کبھی ہدایت کی راہ نہیں پا سکتا۔ ہدایت کی راہ اس کو ملتی ہے جو سیدھی راہ پر، سر اٹھا کر، دائیں بائیں اور آگے پیچھے کا جائزہ لیتا ہوا چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے انسان کو مستوی القامت پیدا کیا، جانوروں کی طرح زمین کی طرف جھکا ہوا نہیں پیدا کیا، لیکن بہت سے انسان جانوروں ہی کی روش کی تقلید کرتے ہیں اور اس طرح وہ اس اعلیٰ خصوصیت کو کھو بیٹھتے ہیں جو انسان کا اصلی شرف ہے۔ خواہشوں کے پیچھے چلنے والوں کی مثال قرآن میں جگہ جگہ جانوروں بالخصوص

[66] اصلاحی، تدبرِ قران، ۸/۴۹۹۔

کتوں سے دی گئی ہے۔"[67]

اس آیت میں احکامات کو یقینی بنانے کے لئے استفہام فرمایا گیا ہے۔یعنی اگر اللہ تم سے بارش کو روک لے پانی کی تنگی ہو جائے زمین سے کوئی پیداوار نہ اگ سکے قحط سالی ہو جائے تو کیا کوئی اور ہے جو تمہیں رزق پہنچانے پر قادر ہو اللہ کی ذات کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی بھی تمہاری مدد پر قادر نہیں ہو سکتا۔

(۱۲)سورہ الفیل میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِيۡلِ "۔[68]

"کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے خداوند نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا!"

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

یہاں قریش کو مخاطب کر کے توجہ دلائی ہے کہ اصحاب فیل کے ساتھ تمہارے رب نے جو معاملہ کیا، کیا وہ تم نے نہیں دیکھا؟ یہ امر ملحوظ رہے کہ اصحاب الفیل کے واقعہ پر ابھی زیادہ زمانہ نہیں گزرا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت عام الفیل ہی کے دوران میں ہوئی ہے اس وجہ سے اس سورہ کے نزول کے وقت بہت سے ایسے لوگ رہے ہوں گے جنھوں نے اس واقعہ کا بچشم خود مشاہدہ کیا ہو گا اور اگر مشاہدہ نہیں کیا ہو گا تو اس تواتر کے ساتھ سنا ہو گا کہ وہ مشاہدہ ہی کے حکم میں ہے۔اس وجہ سے 'اَلَمۡ تَرَ' کا خطاب یہاں بالکل اپنے موزوں محل میں ہے۔اصحاب الفیل کون تھے؟ قرآن نے یہاں ان ہاتھی والوں کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی ہے کہ وہ کون تھے، کہاں سے آئے تھے اور ان کے آنے کا مقصد کیا تھا؟ اجمال کے ساتھ صرف ان کے انجام کی طرف اشارہ کر کے بات ختم کر دی ہے۔

اس اجمال کی وجہ یہ ہے کہ مخاطب گروہ کو ان کا سارا واقعہ معلوم تھا۔'اصحاب الفیل' کے الفاظ سے ان کا تعارف ہی یہ سمجھ جانے کے لیے کافی تھا کہ یہ اشارہ یمن کے حبشی حکمران، ابرہہ کی طرف ہے جس کے حملہ آور لشکر کے ساتھ کوہ پیکر ہاتھی بھی تھے۔ہاتھیوں والے لشکر کا تجربہ عربوں کو پہلی بار اسی جنگ میں ہوا اس وجہ سے اسی نام سے انھوں نے اس حملہ کو یاد رکھا جس سے اس کی سنگینی کا

[67] اصلاحی، تدبرِ قران،۸/۵۰۰۔

[68] القرآن،۱۰۵:۱۔

اظہار ہوتا ہے۔ ہاتھیوں کا ایک پورا دستہ فوج کے ساتھ تھا جس سے اس کی قوت اور ہیبت میں بڑا اضافہ ہو گیا تھا۔"

"ابرہہ کو اگرچہ بعض مورخین نے ایک بردبار حکمران لکھا ہے لیکن اس کے حالات زندگی سے اس ظن کی تائید نہیں ہوتی بلکہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک موقع پرست، غدار اور نہایت متعصب عیسائی تھا۔ اس نے خود حبش کے بادشاہ کے ساتھ غداری کی جس کی فوجوں کے ذریعہ سے اس نے یمن پر قبضہ کیا تھا۔ عیسائیت کے تعصب کے جنون میں اس نے یہ اسکیم بنائی کہ عربوں کو عیسائی بنالے۔ اس اسکیم کو بروئے کار لانے کے لیے اس نے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا اور حبش کے نجاشی کو، جس کے نائب السلطنت کی حیثیت سے وہ یمن پر حکومت کر رہا تھا، اس نے لکھا کہ میں نے ایک ایسا گرجا تعمیر کرایا ہے جس کی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی ہو گی۔ میں چاہتا ہوں کہ عربوں کے حج کا رخ بھی اسی کی طرف موڑ دوں اور ان کے مکہ کے معبد کو ڈھا دوں۔ اس کے بعد اس نے کعبہ پر حملہ کا جواز پیدا کرنے کے لیے مشہور کیا کہ اس کے تعمیر کردہ گرجا کو کسی عرب نے بقصد توہین ناپاک کیا ہے۔ یہ واقعہ اول تو بالکل جھوٹ معلوم ہوتا ہے، عرب ہمیشہ تلوار کے دھنی رہے ہیں، بہادر قوموں کے افراد اس طرح کی پست حرکتیں نہیں کیا کرتے، لیکن بالفرض صحیح بھی ہو تو کسی ایک شخص کا انفرادی فعل اس بات کو جائز ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے کہ اس کا انتقام پوری قوم سے لیا جائے، یہاں تک کہ اس جرم کی پاداش میں ان کے دینی معبد کو ڈھا دینے کی جسارت کی جائے لیکن عیسائیوں کے جذبات بھڑکانے اور نجاشی کی تائید حاصل کرنے کے لیے اس جھوٹ کو خوب شہرت دی گئی یہاں تک کہ ساٹھ ہزار کا لشکر جرار، جس کے ساتھ نو دس ہاتھی بھی تھے، جمع کر کے مکہ پر حملہ کر دیا گیا۔"[69]

اس آیت میں انذار کے لئے استفہام فرمایا گیا ہے کہ کیا تمہیں ہاتھی والوں کا قصہ یاد نہیں کہ کس طرح اللہ نے انہیں عذاب سے دوچار فرمایا اور ہر سرکشی کرنے والا کا یہی انجام ہوتا ہے۔ اس وقت لوگوں نے مشاہدہ کر کے دیکھ لیا تھا کہ جو لوگ اللہ کے ساتھ جنگ کرتے ہیں ان کا انجام بہت برا ہوتا ہے اس لئے آئندہ آنے والے لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے۔

[69] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۹/ ۵۵۳، ۵۵۴۔

خلاصہ بحث

دین جو عبارت ہے ایک ایسے عقیدے کی جس کے سبب زندگی کے اصولوں کا ظہور اور ترتیب عمل میں آتی ہے جو ایک اللہ پر ایسے ایمان سے جو دنیا کے انسانوں کی زندگی کو تعمیر و توانائی بخشتا ہے اور یہ ایک ایسی عبادت ہے جو انسانی معاشرے کی پرورش اور تربیت کی ضامن ہے آج جو کام کریں گے تو کل کو اس کا اجر پائیں گے جتنا خوبصورت اور سچا عمل ہو گا اسی قدر حسین اور عمدہ انعام ملے گا۔ اس میدان عمل میں ہم اپنا اپنا عمل اور سعی کرنے آئے ہیں۔

اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن سے اسے ایمانیات کے بارے میں آیات استفہام کی وضاحت کی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

سورۃ نساء آیت نمبر نمبر ۸۸,۸۷، سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۵، سورۃ توبہ آیت نمبر ۷۸، سورۃ یونس آیت نمبر ۳۲,۳۱، سورہ الرعد آیت نمبر ۱۶، سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰، سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۵۱، سورہ یسین آیت نمبر ۱۷، سورۃ الحجرات آیت نمبر ،۱۶ سورۃ ق آیت نمبر ۶ ،سورۃ الملک آیت نمبر ۲۲,۲۱,۲۰ سورہ الفیل آیت نمبر ۱۔

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عبادات

اسلام دین کائنات یعنی ازل سے سے اب تک تمام انسانوں کے لئے اللہ تعالی کا بنایا ہوا دین ہے اسلام کا مطلب ہے اللہ کی رضا کے سامنے نے سر تسلیم خم کر دینا جو مرد یا عورت رات کو اللہ تعالی کے احکامات کے تابع کر لیتے ہیں وہی مسلمان کہلاتے ہیں ہیں اسلام کوئی نیا دین نہیں ہیں بلکہ روز اول سے موجود ہے جب انسان نے دنیا یا خدا کی زمین پر پہلا قدم رکھا تھا۔

"اللہ تعالی نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے عربی لفظ عبادہ "عبد" سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے اللہ کے احکام کی بجا آوری۔ بہت سے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ عبادت سے مراد صرف نماز پڑھنا ہے مگر یہ تاثر درست نہیں عبادت کا اعلی ترین عمل ضرور ہے مگر عبادت صرف نماز ہی نہیں بلکہ اعمال کا مجموعہ ہے اللہ تعالی کے تمام احکام کی بجا آوری عبادت ہے اللہ تعالی نے جن چیزوں سے منع فرمایا ہے ان سے اپنے آپ کو روکنا بھی عبادت ہے ہر وہ کام جس کا اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے اس کی ادائیگی بھی عبادت ہے۔ اسلام جسم اور روح دونوں کی ضروریات کا اہتمام کرتا ہے اس کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو انسانیت کے خلاف ہو گو بعض لوگ اسلام سے متعلق مکمل معلومات نہ ہونے کے سبب تشکیک کا شکار ہو سکتے ہیں کہ ایسا نہیں ہیں اور یہ کہ اسلام کا حکم درست نہیں ہے اسلام کے تمام احکامات سے متعلق حقائق سامنے لائے جائیں تو یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ اسلام کا کوئی ایک حکم بھی انسانیت کے خلاف نہیں ہے اور یہ کہ کہ اسلام کا ہر حکم جسم یا پھر روح کے لئے سود مند ہو گا انسان کو پیدا ہی اسی مقصد کے لئے کیا گیا ہے کہ اللہ کی ذات عبادت کے لائق ہے اس کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں قرآن میں بہت سے مقامات پر عبادت سے متعلق متعدد آیات بیان ہوئیں ہیں"۔[70]

"اگر انسان خاندانی اور ماحولیاتی اثرات سے الگ اور آزاد ہو کر اپنی عقلِ سلیم کی مدد سے اپنے مقصدِ وجود پر سنجیدگی سے غور و فکر کرے تو اس کی عقل کا جواب یہ ہو گا کہ اس کی زندگی محض کھانے پینے کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ اس کو اللہ کی عبادت کا فرض انجام دینے کے لیے وجود بخشا گیا ہے۔ احادیثِ قدسیہ میں

[70] ذاکر نائیک، ڈاکٹر، اسلام دین کائنات، بیکن بکس لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۳۴،۳۵۔

وارد ہوا ہے: "اے میرے بندو! میں نے تم کو اس لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وحشت میں تم سے مانوسی حاصل کروں اور قلت میں تمہارے ذریعے کثرت حاصل کروں نہ ہی کسی نفع کے حصول کے لیے اور نہ ہی دفعِ ضرر کے لیے۔ میں نے تمہیں صرف اس لیے پیدا کیا کہ تم میری خوب عبادت کرو' کثرت سے میرا ذکر کرو اور صبح و شام میری پاکی بیان کرو۔ اسی طرح بعض آسمانی کتابوں میں یہ بھی آیا ہے کہ: "اے فرزندِ آدم! میں نے تم کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے' لٰہذا تم لہو و لعب چھوڑ دو' میں نے تمہارے رزق کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔ تم میری عبادت کرو' مجھے پالو گے۔ اگر تم مجھے پا گئے تو سب کچھ پا گئے' ورنہ تم سب کچھ کھو دو گے۔ میری محبت تمہارے دل میں ہر چیز سے زیادہ ہونی چاہیے"۔[71] خداوندِ قدوس نے انسانوں کی تخلیق سے بہت پہلے عالمِ ارواح میں تمام انسانوں سے جو عہدِ الست لیا وہ یہی تھا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔[72] قرآن میں اللہ انسانوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

"يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ"۔[73]

"اے آدم کی اولاد! کیا میں نے تم کو ہدایت نہ کی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کرو' وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی بندگی کرو' یہ سیدھا راستہ ہے"۔

پھر ہر پیغمبر کی زبان سے اس کی قوم کو پہلا پیغام خدائے واحد کی عبادت کا دیا گیا' حضرت عیسیٰؑ کو عیسائیوں نے غایتِ عظیم میں الوہیت کے مقام تک پہنچا دیا تھا' اس کی تردید میں فرمایا گیا: "حضرت عیسیٰؑ نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب

---

[71] ابن کثیر، تفسیر ابنِ کثیر: ۶/۴۲۶۔

[72] القرضاوی، العبادۃ للقرضاوی/ ۱۹۔

[73] القرآن، ۳۶: ۶۰۔ ۶۱

کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا۔"،اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عبادت کی اتنی اہمیت ہے کہ اسے انسانی وجود کا مقصدِ حقیقی بتایا گیا ہے اور تخلیقِ آدم سے بہت پہلے تمام انسانوں سے اس کا عہد لیا گیا۔ پھر ہر نبی کے ذریعہ پہلا پیغام عبادتِ خداوندی کا پہنچایا گیا اور پوری زندگی اللہ کی عبادت میں اشتغال و انہماک کی مکمل تاکید کی گئی۔ عبادت کے لفظی معنی بندگی اور غلامی کے ہیں، مگر شریعت میں عبادت سے مراد خاص وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو بندہ اللہ کے حضور میں اس کی رضا اور رحمت کا طالب بن کر اپنی بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لیے اور اپنے عمل سے اس کی معبودیت اور عظمت و کبریائی کی شہادت ادا کرنے کے لیے کرتا ہے، جیسے اسلام میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات، ذکر، دعا، تلاوت اور قربانی وغیرہ۔ یہ سارے عبادتی اعمال بندہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اس کا معبود اس سے راضی ہو، اس پر رحمت فرمائے اور ان کے ذریعے اس کی روح کو پاکیزگی اور خدا کا تقرب حاصل ہو۔"[74]

امام ابنِ تیمیہ لکھتے ہیں:

"عبادت کی حقیقت میں دو بنیادی چیزیں آتی ہیں: (۱) اللہ کے سامنے کامل سرافگندگی (۲) اللہ کی مکمل محبت۔ اگر سرافگندگی محبت کے بغیر ہو بلکہ عداوت کے ساتھ ہو تو وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر محبت سرافگندگی محبت کے بغیر ہو بلکہ عداوت کے ساتھ ہو تو وہ عبادت نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر محبت سرافگندگی و اطاعت کے بغیر ہو تو بھی وہ عبادت نہیں، عبادت کے لیے محبت اور سرافگندگی و اطاعت کا مکمل اجتماع لازم ہے۔ پھر سرافگندگی کا حاصل پوری شریعت کی پابندی ہے۔ ظاہری و باطنی تمام اعمال و اقوال میں اللہ کی پسندیدہ چیزوں کا اہتمام اور ناپسندیدہ امور سے اجتناب عبادت ہے۔"[75]

ذیل میں تفسیر تدبر قرآن سے عبادات کے ضمن میں آیاتِ استفہام پیش کی جارہی ہیں:

(۱) سورہ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا

---

[74] قاسمی، محمد اسجد، عبادت کا جامع اور ہمہ گیر تصور، اکیڈمی بکس سنٹر کراچی، اگست ۲۰۰۶ء، ص ۵۲۔

[75] ابن تیمیہ، العبودیۃ: ۱۰۔

كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ"۔[76]

"اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مساجد کو اس بات سے محروم کریں کہ ان میں اس کا ذکر کیا جائے اور ان کی ویرانی کے درپے ہوں۔ ان کے لیے زیبا نہ تھا کہ ان میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی تحریر فرماتے ہیں:

"ایک دوسرے کے معابد کی تخریب کی طرف یہ اشارہ ہے ان مدعیان جنت کے ان کارناموں کی طرف جو انہوں نے باہمی عناد وعداوت کی بنا پر ایک دوسرے کے معابد کو تباہ وبرباد کرنے کے سلسلہ میں انجام دیے۔ تاریخوں سے ثابت ہے کہ یہود ونصاری کے درمیان بیت المقدس میں بھی ایک دوسرے کو ذکر و عبادت سے روکنے کے لیے نہایت خونریز جنگیں ہو چکی ہیں اور باہر بھی جہاں جہاں اور جب جب ان میں سے کسی کو موقع ملا ہے اس نے مخالف فریق کے عبادت خانے برباد کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ ازیں تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ نصاریٰ نے لوگوں کو حج بیت اللہ سے روکنے کی سعی کی لیکن جب اس کوشش میں ان کو ناکامی ہوئی تو ابرہہ نے مکہ پر چڑھائی کر دی اور خانہ کعبہ کو منہدم کر دینے کا ارادہ کر لیا جس کی پاداش میں اس پر اور اس کی فوجوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا"۔[77]

"دنیا میں سب زیادہ ظالم وہ مدعیان ہدایت وتقوی ہیں جو اللہ کی مسجدوں سے اللہ کا ذکر کرنے والوں کو روکیں اور ان مساجد کی بربادی کے درپے ہوں۔ جو گھر خدا کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا ہے وہ خدا کا گھر ہے کسی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ خدا کے گھر میں اس کی تخریب کی جسارت کے ساتھ داخل ہو۔ اللہ کے گھر میں داخل ہونے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ جو بھی اس میں داخل ہو ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے

---

[76] القرآن، ۲:۱۱۴۔

[77] اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/۸۸۔

داخل ہو۔ جو لوگ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ مساجد الٰہی کے احترام کے اسی اصول کے تحت مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ جنگ کی حالت میں بھی ان کے گرجوں اور معابد کے ہدم یا ان کی توہین کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہ مقام ان مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابل غور ہے جو محض گروہی تعصبات کے تحت اپنے سے ذرا مختلف مسلک رکھنے والوں کو اپنی مساجد سے روکتے ہیں اور بعض اوقات دوسرے مسلک رکھنے والوں کی مساجد کی بے حرمتی کرنے کی جسارت بھی کر گزرتے ہیں۔"[78]

اس آیت میں اللہ کی مساجد سے لوگوں کو منع کرنے کی صورت میں سخت عذاب کی دھمکی دی جارہی ہے کہ جو اللہ کے گھر سے لوگوں کو روکیں گے اور جو آنے والوں پر ظلم کریں گے ان کو داخل ہونے سے روکیں گے اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کریں گے تو ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بہت سخت عذاب ان کا منتظر ہو گا۔ اس آیت میں اللہ تعالی بطور انذار کے ارشاد فرمارہے ہیں کہ اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہو سکتا ہے؟ جو لوگوں کو اللہ کی مساجد میں آنے سے روکے؟ مطلب یہاں پر ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ کی عبادت سے لوگوں کو روکنا اتنا سخت گناہ ہے ایسے لوگوں کے لئے اللہ پاک نے بہت سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(۲) سورہ الکھف میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعۡرَضَ عَنۡهَا وَنَسِىَ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ‌ ؕ اِنَّا جَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ وَفِىۡۤ اٰذَانِهِمۡ وَقۡرًا‌ ؕ وَاِنۡ تَدۡعُهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى فَلَنۡ يَّهۡتَدُوۡۤا اِذًا اَبَدًا"۔[79]

"اور ان سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جن کو ان کے رب کی آیات کے ذریعے سے یاد دہانی کی جائے تو وہ اس سے اعراض کریں اور اپنے ہاتھوں کی کرتوت کو بھول جائیں اور ہم نے ان

[78] اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/ ۸۷۔

[79] القرآن، ۱۸: ۵۷۔

کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے دی ہے کہ اس کو نہ سنیں"۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں بد قسمت لوگوں کے حالات پر افسوس کیا ہے یہ کہ اپنی جانوں پر ان سے بڑھ کر ظلم ڈھانے والا کون ہو سکتا ہے جن کو آیات الٰہی کے ذریعے سے یاد دہانی کی جائے لیکن وہ اس سے نفع اٹھانے کے بجائے ان کو ٹھکرائیں اور عذاب کا مطالبہ کریں اور یہ نہ سوچیں کہ جو اعمال انہوں نے کیے ہیں ان کی بنا پر وہ ہر وقت عذاب الٰہی کے سزاوار ہیں۔ اگر ان کو مہلت مل رہی ہے تو محض خدا کی رحمت کے سبب سے مل رہی ہے۔ فرمایا کہ یہ اپنی کرتوتوں کے سبب سے ختم قلوب کے سزوار ہو چکے ہیں اس وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ قرآن کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈال دی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب خدا کے قانون کے تحت ان کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں اور ان کے کان بہرے ہو چکے ہیں تو اب تم ان کو لاکھ اللہ کی آیات سناؤ وہ ہدایت قبول کرنے والے نہیں بن سکتے۔ اب ان کا معاملہ اللہ کے حوالے کرو اور صبر کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو تا آنکہ ان پر اچھی طرح حجت تمام ہو جائے۔"[80]

اللہ تبارک وتعالیٰ اس آیت میں بطور استعجاب کے سوال فرمارہے ہیں کہ اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو ہماری آیات سے منہ موڑتا ہے اور جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں ہمارے پاس لکھی ہوئے ہیں۔ بلکہ ہم نے ان کے دلوں پر تالے لگا دیے ہیں اور ان کے کانوں میں بھی پردے لگا دیئے ہیں تاکہ حق بات کو نہ سن سکیں اور یہ لوگ کبھی بھی ہدایت نہیں پاسکتے۔

سورہ المؤمنون میں ارشادِ خداوندی ہے:

"اَفَحَسِبۡتُمۡ اَنَّمَا خَلَقۡنٰكُمۡ عَبَثًا وَّاَنَّكُمۡ اِلَيۡنَا لَا تُرۡجَعُوۡنَ "۔[81]

---

[80] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۴/۵۹۸۔

[81] القرآن، ۲۳:۱۱۵۔

"تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو بس یوں ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹائے نہیں جاؤ گے!"۔

اس آیت میں یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ انسان کو بے مقصد نہیں پیدا کیا گیا بلکہ انسان کو بھی اس کائنات کو بھی اور اس میں موجود ہر چیز کو کسی نہ کسی مقصد کے تحت پیدا کیا گیا ہے جو لوگ اس میں تدبر و تفکر نہیں کرتے وہ اپنی زندگیوں کو برباد کر دیتے ہیں حالانکہ قرآن میں انسان کو اس کے دنیا میں بھیجنے کا مقصد صاف صاف بتا دیا گیا ہے اگر پھر بھی یہ اعراض کرتے ہیں تو انجام کار انکو ہی بھگتنا ہو گا۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"جزاو سزا صفات الٰہی کا لازمی تقاضا ہے یعنی اگر تم جزاء و سزا سے بے پرواہ بیٹھے ہو تو کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم اسی طرح شتر بے مہار چھوٹے پھرو گے اور ایک دن مر جاؤ گے اور تمہاری واپسی ہماری طرف نہیں ہونی ہے؟ مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے یہ سمجھا ہے تو ہمیں تم نے بہت ہی غلط سمجھا ہے۔"[82]

اس آیت میں بطور استعجاب کے سوال کیا جارہا ہے کیا تمہاری زندگی کا مقصد کچھ بھی نہیں ہے یعنی بیکار پیدا کیا گیا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی بھی چیز بنائی جائے اور اس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور تم پھر انسان ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک نے ایک انسان بنایا ہو اسے بے شمار نعمتیں عطا کیں اس کی ہدایت کے لئے مختلف زمانوں میں قاصد بھیجے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو اسے بغیر کسی وجہ کے پیدا کیا ہو اس سے اسکے اعمال سے متعلق کوئی پوچھ گچھ نہ ہو گی؟ ایک عقل رکھنے والا شخص کبھی بھی ایسی سوچ کا متحمل نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح فرما دیا ہے کہ انسان کی پیدائش کا ایک خاص مقصد ہے وہ ہے اللہ کی عبادت کرنا وہی معبود بر حق ہے انسان اللہ کے احکامات کے تابع ہے ان احکامات کے مطابق ہی زندگی گزارنے سے اسے حقیقی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۴) سورہ العنکبوت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

---

[82] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۵/ ۳۵۰۔

"اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّیُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنۡ حَوۡلِهِمۡ اَفَبِالۡبَاطِلِ یُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَةِ اللّٰهِ یَكۡفُرُوۡنَ "۔[83]

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان کے لئے ایک مامون حرم بنایا اور حال یہ ہے کہ لوگ ان کے گردوپیش سے اچک لیے جاتے ہیں! تو کیا وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں!"۔

اسلام سے پہلے عرب خانہ جنگی کا شکار تھا عزتیں محفوظ نہ تھیں ہر طاقتور کمزور کو دبا دیتا تھا اقتدار میں طاقتور لوگ تھے جو اپنی طاقت کے بل بوتے پر کچھ بھی کر سکتے تھے ان کو کوئی روکنے والا نہ تھا کمزور لوگ ان سے ڈرتے تھے اسلام اور نبی کی آمد کے ساتھ ہے حرم کو امن والی جگہ بنادیا گیا تاکہ لوگ محفوظ رہ سکیں اس آیت میں اسے نعمت کی یاددہانی کروائی جارہی ہے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"فرمایا کہ بالکل یہی حال قریش کے ان ناشکروں کا ہے۔ یہ اپنی تاریخ کی اس حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے لئے ایک مامون حرم بنایا جس میں یہ چین کی زندگی بسر کر رہے ہیں درآنحالیکہ ان کے گردوپیش کا حال یہ ہے کہ لوگ دن دہاڑے اچک لیے جاتے ہیں، نہ کسی کی جان کے لئے امان ہے نہ کسی کا مال محفوظ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کی قدر انہوں نے یہ کی ہے کہ اس کے بنائے ہوئے حرم کے کونے کونے میں انہوں نے بتوں کو لابٹھایا ہے اور ان کی پوجا کر رہے ہیں۔ ان بدبختوں سے پوچھو کہ کیا وہ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے ہیں۔ غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اوپر کشتی کی جو مثال دی ہے اس میں اور اس صورت واقعہ میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ یہ مامون حرم قریش کے لئے ایک سفینہ نجات کے مانند تھے جس میں ہر خطرے بالکل نچنت وہ چین کے زندگی گزار رہے تھے۔ اس چین کی زندگی نے ان کو خدا سے بالکل غافل کر دیا۔ حالانکہ اگر خدا چاہتا تو ان کو بھی وہ اسی بے اطمینانی میں مبتلا کر سکتا تھا جس میں ان کے گردوپیش کے لوگ مبتلا تھے اس حرم کی تولیت کی بدولت

---

[83] القرآن،۲۹:۶۷۔

قریش کی جو رفہیت اور سارے عرب پر جو قیادت وسیادت حاصل ہوئی وہ ڈھکی چھپی نہیں ہے"۔[84]

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالی مشرکین مکہ پر کیے گئے احسان کی یاد دہانی کے لئے استفہام فرمارہے ہیں کہ اللہ پاک نے مکہ کو امن والا شہر بنا دیا وہاں پہ رہنے والے لوگ ہر طرح کی لوٹ مار قتل وغارت سے محفوظ ہیں جبکہ عرب کے دوسرے علاقے اس طرح کے امن و سکون سے محروم ہیں اور دوسرے علاقوں قتل وغارت عام معمول تھا ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ جھوٹے معبودوں اور بتوں کی پرستی چھوڑ کر ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتے اور اس کے پیغمبروں پر ایمان لاتے بلکہ انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوئے جھوٹے معبودوں کی پرستش کرنے لگے تو ایسا کرنا ان کے حق میں کبھی بھی بہتر نہ ہوگا اسکے باعث انہیں قیامت کے دن سخت عذاب دیا جائے گا۔

(۵) سورہ القدر میں ارشادِ ربانی ہے:

"وَمَا أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ"۔[85]

"اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے!"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"اس آیت میں شب قدر کی عظمت وبرکت واضح فرمائی ہے کہ وہ ایسی باعظمت وبابرکت رات ہے کہ اس کی عظمتوں اور برکتوں کا کماحقہٗ اندازہ نہیں کرایا جاسکتا۔ اس کی یہ عظمت وبرکت اس وجہ سے ہے کہ اس میں اس کائنات سے متعلق بڑے بڑے فیصلے ہوتے ہیں۔ جب اس دنیا کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے وہ دن بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں جن میں وہ اپنے سال بھر کے منصوبے طے کرتی ہیں تو اس رات کی اہمیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس میں پوری کائنات کے لیے خدائی پروگرام طے ہوتا اور سارے جہان کا فیصلہ ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ فیصلے رحمت اور عذاب، فتح اور شکست دونوں طرح کے امور سے متعلق ہوتے ہیں لیکن چونکہ یہ اس کی طرف سے ہوتے ہیں جس کا ہر فیصلہ عدل، رحم اور حکمت پر مبنی اور جس کا ہر کام اس مجموعی دنیا کی فلاح وبہبود کے لیے ہوتا ہے اس وجہ سے اس رات میں جو کچھ بھی

[84] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۵/۴۷۸۔

[85] القرآن، ۹۷:۲۔

ہوتا ہے مجموعی حیثیت سے مبارک ہی ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۂ دخان کی آیت میں اس رات کو 'لَیۡلَةٍ مُّبٰرَکَةٍ' سے تعبیر فرمایا ہے اور آگے اس سورہ میں اس کو ہزار مہینوں سے بڑھ کر قرار دیا ہے۔ اس کی ان صفتوں کے بیان سے مقصود، قرآن کے مخالفوں کو یہ آگاہی دینا ہے کہ ایسی عظیم اور مبارک رات میں نازل ہونے والی کتاب کو اگر کسی نے کہانت، نجوم اور شاعری کے قسم کی کوئی چیز سمجھا تو وہ گمراہی میں مبتلا رہا اس مبارک رات میں شیطانی القاء کی تمام راہیں مسدود ہوتی ہیں۔ اس میں رحمت الٰہی برستی ہے جس کا ایک ایک قطرہ ایک گوہر گراں مایہ ہوتا ہے۔"[86]

"جس طرح خاص چیزوں کے بونے کے لیے خاص موسم اور مہینے ہیں، ان میں آپ بوتے ہیں تو وہ پروان چڑھتی اور مثمر ہوتی ہیں اور اگر ان موسموں اور مہینوں کو آپ نظر انداز کر دیتے ہیں تو دوسرے مہینوں کی طویل سے طویل مدت بھی ان کا بدل نہیں ہو سکتی اسی طرح روحانی عالم میں بھی خاص خاص کاموں کے لیے خاص موسم اور خاص اوقات و ایام مقرر ہیں۔ اگر ان اوقات و ایام میں وہ کام کیے جاتے ہیں تو وہ مطلوبہ نتائج پیدا کرتے ہیں اور اگر وہ ایام و اوقات نظر انداز ہو جاتے ہیں تو دوسرے ایام و اوقات کی زیادہ سے زیادہ مقدار بھی ان کی صحیح قائم مقامی نہیں کر سکتی۔ اس کو مثال سے یوں سمجھیے کہ جمعہ کے لیے ایک خاص دن ہے۔ روزوں کے لیے ایک خاص مہینہ ہے۔ حج کے لیے خاص مہینہ اور خاص ایام ہیں۔ وقوف عرفہ کے لیے معینہ دن ہے۔ ان تمام ایام و اوقات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی عبادتیں مقرر کر رکھی ہیں جن کے اجر و ثواب کی کوئی حد نہیں ہے لیکن ان کی ساری برکتیں اپنی اصلی صورت میں تبھی ظاہر ہوتی ہیں جب یہ ٹھیک ٹھیک ان ایام و اوقات کی پابندی کے ساتھ عمل میں لائی جائیں۔ یہی حال لیلۃ القدر کا ہے۔ یہ بڑی برکتوں اور رحمتوں کی رات ہے۔ بندہ اگر اس کی جستجو میں کامیاب ہو جائے تو اس ایک ہی رات میں خدا کے قرب کی وہ اتنی منزلیں طے کر سکتا ہے جتنی ہزار راتوں میں نہیں کر سکتا۔ خوش قسمت ہیں وہ جو اس کی جستجو میں سرگرم رہ سکیں اور اس کو پانے میں کامیاب ہو جائیں! دوسرے مقام میں یہ تصریح ہے کہ قرآن رمضان کے مہینے میں نازل ہوا۔ رہا یہ سوال کہ یہ رمضان کی

[86] اصلاحی، تدبر قرآن، ۹/ ۴۶۷۔

کون سی تاریخ ہے تو روایات کے اختلاف کے سبب سے اس کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے بس زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ میں اس کے ہونے کا گمان غالب ہے۔"[87]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ انسان کو ترغیب دلانے کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ ہم نے تمہیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور تمہیں ایسے موقع عطا کر دیے کہ تم ایک رات عبادت کروگے تو ایک ہزار مہینے کی عبادت کا ثواب حاصل کرلوگے اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہیں اس لئے لیے وہ انسان کے لیے نیکیاں حاصل کرنے کے لیے ایسے احکامات نازل کرتے رہتے ہیں جس سے انسان کم وقت میں زیادہ نیکیاں حاصل کرلے پہلے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کے بارے میں سوال فرمایا اور پھر اس کی اہمیت بیان فرماکر انسان کے لیے بے شمار اجر کا باعث بنایا تاکہ انسان کے اندر ان آیات سے عبادت کا شوق بیدار کیا جاسکے۔

خلاصہ بحث

دلائل آفاق و انفس میں غور و فکر، آسمان و زمین میں پھیلے ہوئے خدا کے عجائب قدرت اور غرائب حکمت میں تدبر' آیاتِ قرآنی میں تفکر' تاریخ سے عبر و نصائح یہ دماغ کی عبادت ہے۔ للہ اور اسکے رسول سے محبت' اللہ کا ڈر' امیدِ اجر' حیا و توکل' صبر و شکر، اخلاص و بے لوثی، رضا بالقضا، وغیرہ قلب کی عبادتیں ہیں۔'تسبیح و تکبیر' ذکر و تلاوت، دعا وغیرہ زبان کی عبادتیں ہیں۔ روزہ اور نماز کا شمار جسمانی عبادتوں میں ہوتا ہے۔ پھر نماز میں زبان کی عبادت بھی داخل ہے۔ زکوٰۃ و نفقات کا تعلق مالی عبادات سے ہے' ہر عبادت کے لیے نیت ضروری ہے جو دل کی عبادت ہے۔

انسان کے اعمال حسنہ میں صرف عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق براہِ راست صرف اللہ تبارک و تعالیٰ سے ہوتا ہے' یعنی عبادات صرف اسی کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار کرنے اور رشتۂ عبودیت کو استوار کرنے ہی کے لیے کی جاتی ہیں تاکہ مٹی سے بننے والے اور گندے پانی کے ناپاک قطرہ سے پیدا ہونے والے انسان کو اللہ کا قرب حاصل کرسکے۔

ان تمام آیات کا حاصل یہ ہے کہ ہر انسان کے ذمہ اللہ کا واجبی حق عبادت ہے اور اس کی اہمیت کا سب

[87] اصلاحی، تدبر قرآن، ۹/ ۴۶۸۔

سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ وہ حیاتِ انسانی کا مقصود ہے اور اس کی جامعیت کا عالم یہ ہے کہ وہ ہر لمحۂ زندگانی کو محیط اور ہر شعبۂ زندگی تک وسیع ہے اور اس کے فوائد و برکات یہ ہیں کہ اس سے انسانی زندگی میں ایمانی اور روحانی انقلاب آجاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ''اسلام اس لیے آیا ہے کہ اپنے ماننے والوں کے پاؤں کے نیچے دونوں جہان کی بادشاہتیں رکھ دے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب عبادات کے مفہوم کو اسکی وسعت کے ساتھ سمجھا جائے جو اسلام کا منشا ہے اور اسی کے ساتھ اس کو ادا کیا جائے جو اسلام کا تقاضا ہے۔

اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں درج ذیل آیات کا استفہامی اسلوب عبادات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر، ۱۱۴ سورۃ الکھف آیت نمبر ۵۷، سورۃ المؤمنون آیت نمبر ۱۱۵، سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۶۷، اور سورۃ القدر آیت نمبر ۲۔

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہمِ معاملات

ہر انسان کو اپنی اصلاح اور درستگی اور سیرت کی تعمیر پر توجہ دینی چاہیے اللہ تبارک وتعالیٰ سورۃ المائدہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"يَاَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا عَلَيكُم اَنفُسَكُم لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ اِذَا اهتَدَيتُم اِلَى اللهِ مَرجِعُكُم جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُم تَعمَلُونَ" ۔[88]

"اے ایمان والو، تم اپنی فکر رکھو، اگر تم ہدایت پر ہو تو جو گمراہ ہو اوہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اللہ ہی کی طرف تم سب کا پلٹنا ہے، وہ تمہیں بتائے گا جو کچھ تم کرتے رہے ہو"۔

"اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر وقت دوسروں کے اعمال کی برائیوں دوسروں کے عقائد کی خرابیوں پر نظر رکھنے کی بجائے خود اپنے افعال واعمال، کردار وسیرت، اخلاق اقوال، افکار وخیالات کو خرابی اور برائی سے بچانے کی فکر وسعی ہونی چاہیے انسان کو ہمہ وقت اپنی ذات کا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ وہ خدا اور بندگان خدا کے حقوق کی ادائیگی کر رہا ہے یا نہیں یہ احساس اور فکر پیدا ہو جائے تو وہ کامیاب ہے۔ اس لیے صاحب عقل وہی ہے جو قوت وضعف کے پہلوؤں کو فراموش اور نظر انداز نہ کرے وہ اپنی قوت ذہانت اور معلومات پر اکڑ نہ دکھائے اور اپنی برتری کا مدعی نہ ہو اور اس کا احساس برتری کی ضرورت کی حد تک نہ پہنچے اسی طرح وہ اپنی کمزوری بے بسی اور ناتوانی کے پیش نظر اپنے کو حقیر نہ سمجھیں اور اس کا احساس کمتری ناکامی کی حد تک اسے نہ پہنچائے افراد واقوام کی یہ بیماریاں ہوتی ہیں کہ یا تو ان کا احساس برتری کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے یا ان کا احساس کمتری کا شکار ہو تو دل سے جاملتا ہے کہ غرور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی دوسرے کو ذلیل وحقیر باور کرنے لگتا ہے اپنے دائرہ اختیار سے خارج میں دخل اندازی کر بیٹھتا ہے جن چیزوں سے ناآشنا ہوتا ہے وہ کسی کے مسائل اور ہدایات پر کام نہیں کرتا کسی بڑے کو بڑا نہیں مانتا اسلامی تعلیمات میں احساس برتری کے افراد اور احساس کمتری کی تفرید دونوں سے نکال کر خود اعتمادی اور جذبہ عمل کی تعداد علم کی ترغیب کے نمونے دیکھے جاسکتے ہیں ایک طرف اسلام کبر وغرور سے

---

[88] القرآن، ۵:۱۰۵۔

سختی سے منع کرتا ہے اسے پستی وذلت کا سبب بتاتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ ہر نعمت اللہ کی عطا کردہ ہے اور انسان بے حد ناتواں جاھل عاجز اور بے بس ہے"۔[89]

دین اسلام، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر مبنی وہ نظام حیات ہے، جو ہر اعتبار سے کامل ومکمل ہے، اور انسانی زندگی کے ہر شعبے کی ضروریات کے متعلق بہترین راہنمائی فراہم کرتا ہے، اس میں انفرادی زندگی سے لے کر اجتماعی، بین الاقوامی زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں راہنمائی موجود ہے، بلکہ اسلامی قوانین انسانی زندگی کے لیے پیدائش سے لے کر موت تک پورے معاشرے کے وجود کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ عمومی طور پر اسلام کو پانچ اہم شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات۔ اس فصل میں معاملات سے بحث کریں گے۔ باہمی لین دین، خرید وفروخت قرض وغیرہ کو "معاملات" کہتے ہیں، انسانی زندگی میں باہمی ربط وتعلق کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ معاملات ناگزیز ہیں، بلکہ زندگی کا دارومدار ہی معاملات پر ہے۔ اسلام نے دیگر شعبہ ہائے زندگی کے ساتھ معاملات میں بھی انسانوں کی راہنمائی کی ہے، تاکہ لین دین کرتے وقت انسان احکام شرح اور وحی الٰہی کی روشنی میں اپنے معاملات کو جائز اور پاک صاف رکھ سکیں، ایک دوسرے کے ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ وفریب وغیرہ جیسی چیزوں سے پرہیز کر سکیں۔

"حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بازار میں بیچنے کے لیے کوئی سامان رکھا اور اس کے بیچنے کے سلسلے میں قسم کھائی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ "جو لوگ اللہ کی قرار پر اور اپنی قسموں پر تھوڑا سا مول لے لیتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں۔ قیامت کے دن ان سے نہ اللہ بات کرے گا اور نہ ان کی طرف نگاہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔"[90]

"ایک اور حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جس آدمی نے جھوٹی قسم کے ذریعے کسی کا حق دبایا تو اس نے آگ کو واجب کیا، راوی نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر وہ کوئی معمولی چیز

---

[89] ندوی، محمد اسجد قاسمی، اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت واخلاق، مرکز الکوثر التعلیمی والخیری، مرآد آباد ۲۰۰۷ء، ص ۴۱،۴۲۔

[90] پانی پاتی، تفسیر مظہری ۲/ ۷۵۔

ہو تب بھی؟ آپ علیہ السلام نے جواب فرمایا" اگر چہ وہ درخت کی سبز ٹہنی ہی کیوں نہ ہو"۔[91]

اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں آیات استفہام کو معاملات کے ضمن میں پیش کیا جائے گا۔

(1) سورہ آل عمران میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یٰأَھلَ الکِتٰبِ لِمَ تَکفُرُونَ بِأٰیٰتِ اللہِ وَأَنتُم تَشھَدُونَ "۔[92]

"اے اہل کتاب اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو۔"

نیز فرمایا:

"یٰأَھلَ الکِتٰبِ لِمَ تَلبِسُونَ الحَقَّ بِالبَاطِلِ وَتَکتُمُونَ الحَقَّ وَأَنتُم تَعلَمُونَ "۔[93]

"اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل کے ساتھ گڈ مڈ کرتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو در آں حال یہ کہ تم جانتے ہو۔"

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"حق اور باطل کو ایک دوسرے کے ساتھ گڈ مڈ کرتے ہو جیسے یہود نے پوری تورات کو اپنی تحریفات سے مسخ کر ڈالا تھا جس کے سبب سے حق و باطل کا امتیاز مشکل ہو گیا تھا لیکن یہاں خاص طور پر ان تحریفات کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور تعمیر بیت اللہ سے متعلق حالات و واقعات اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پیشین گویوں ان کے اندر تھیں۔ ان تحریفات کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابراہیم کا تعلق مکہ اور بیت اللہ سے اس طرح کاٹ دیا جائے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے متعلق انبیا کے بیان کردہ حقائق پر پردہ ڈالا جا سکے۔ علمائے یہود بھی ان تحریفات

---

[91] عثمانی، معارف القران ۲/ ۹۴۔
نعیم الدین، اسلام میں معاملات کی اہمیت، مکالمہ، اپریل ۲۰۱۷ء، https://www.mukaalma.com/۲۴۴۲/

[92] القرآن، ۳:۷۰۔

[93] القرآن، ۳:۷۱۔

سے واقف تھے اور فی الواقع ان تحریفات کی نوعیت ہے ہی ایسی کہ ان پر گرفت کی جا سکتی ہے۔"[94]

" یہاں زیر بحث یہود کے عوام کا کردار نہیں بلکہ ان کے علماء کا کردار ہے۔ سیاق وسباق اور آیت کے الفاظ اس پر دلیل ہیں۔ آگے اہل کتاب، بالخصوص یہود کی بعض سازشوں اور شرارتوں کا ذکر کیا ہے جن کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیریں۔ پھر اس گہرے بغض وحسد کا پتہ دیا ہے جو بنی اسرائیل کے اندر بنی اسماعیل کے خلاف تھا جس کے سبب سے وہ کسی طرح بھی اس بات کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے کہ بنی اسماعیل بھی ان کی طرح کتاب وشریعت کے حامل سمجھے جائیں اور اللہ کے ہاں ان کے جرائم کے گواہ بنیں۔ گویا اس جوش عداوت میں خدا کے فضل کے اجارہ دار وہ خود بن بیٹھے تھے کہ جس کو چاہیں اس میں سے حصہ دیں اور جس کو چاہیں محروم کر دیں۔ اس عداوت وحسد نے بنی اسماعیل کے خلاف بنی اسرائیل کے مجموعی باخلاق وکردار کو ایک خاص سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ وہ ان کے معاملے میں کسی اخلاقی وشرعی ضابطے کی پابندی کے قائل نہیں تھے۔ ان کی رکھی ہوئی امانتوں میں خیانت کرنا وہ ثواب سمجھتے تھے کہ یہ کافر کا مال ہے، اس کو دبا بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قرآن نے ان باتوں کا حوالہ اس لیے دیا کہ مسلمانوں کو متنبہ کرے کہ جن کا حسد اور بغض تمہارے خلاف اس حد تک بڑھا ہوا ہے ان سے یہ توقع نہ رکھو کہ ان کا کوئی مشورہ تمہارے لیے خیر خواہانہ ہو سکتا ہے اور تمہارے حق میں ان کی زبان سے کوئی سچی بات نکل سکتی ہے۔ یہ تو تمہارے ایک پیسے کی بھی چوری کر سکتے ہیں، پھر ان سے یہ توقع کیسے رکھتے ہو کہ یہ تمہاری ایک لاکھ کی امانت ادا کر دیں گے اور تمہارے نبی کے بارے میں اس حق کی شہادت دیں گے جس کے وہ امین بنائے گئے تھے۔"[95]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہودیوں کی روش کا ذکر فرماتے ہوئے بطور انذار کے استفہام فرمارہے ہیں کہ اے اہلِ ایمان! تم یہودیوں کی طرح کیوں کرتے ہو جان بوجھ کر حق کا باطل کے ساتھ ملا رہے ہو ایسا کرنے سے جان لو کہ تم کو بھی انکی طرح دردناک انجام سے دوچار ہونا پڑے گا۔

(۲) سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

---

[94] اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/ ۱۱۰۔

[95] اصلاحی، تدبر قرآن، ۲/ ۱۱۱۔

"اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا "[96]

" دیکھو، یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھ رہے ہیں اور صریح گناہ ہونے کے لیے تو یہی کافی ہے۔"

پھر فرمایا:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا "۔[97]

"ذرا ان کو دیکھو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ ملا۔ یہ جبت اور طاغوت پر عقیدہ رکھتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ایمان والوں سے زیادہ ہدایت پر تو یہ ہیں"

"اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا "۔[98]

"کیا خدا کے اقتدار میں کچھ ان کا بھی دخل ہے کہ یہ لوگوں کو کچھ بھی دینے کو تیار نہیں ؟"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"جبت سے مراد اعمال سفلیہ، مثلاً سحر، شعبدہ، ٹونے ٹوٹکے، رمل جفر، فال گیری، نجوم، آگ پر چلنا اور اس قسم کی دوسری خرافات ہیں۔ ہاتھ کی لکیروں کا علم بھی اسی میں شامل ہے۔ دین کی بنیاد توحید پر ہے۔ یہ صرف عقیدوں میں سے ایک عقیدہ ہی نہیں ہے بلکہ سارے دین کے قیام وبقا کا انحصار اسی پر ہے۔ جو لوگ ہر پہلو سے اس کی حفاظت کرتے ہیں وہی اپنی دوسری کوتاہیوں کے باوجود اپنے اصلی دین کی حفاظت کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جو لوگ توحید میں رخنہ پیدا کر دیتے ہیں وہ اصلی دین کو ہدم کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے دوسرے کام بھی، جو بظاہر دینداری کے ہوں، بالکل بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا لیکن دوسرے گناہوں کو جن کے لیے چاہے گا معاف

[96] القرآن، ۴:۵۰۔

[97] القرآن، ۴:۵۱۔

[98] القرآن، ۴:۵۳۔

فرمادے گا۔ 'جن کے لیے چاہے گا' کی قید اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے گناہوں کے معاملے میں بھی کسی کو دلیر نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ان کی معافی بھی اللہ ہی کی مشیت پر منحصر ہے۔ اس کی مشیت میں نہ تو کسی دوسرے کو کوئی دخل ہے، نہ اس کی کوئی مشیت حکمت سے خالی ہے۔ علاوہ ازیں گناہوں کے معاملے میں دیدہ دلیری اور ڈھٹائی بجائے خود بھی شرک کی ایک قسم ہے۔"[99]

"شرک کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرمائے گا یہود جو لعنت کے مستحق قرار پائے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حامل کتاب ہوتے ہوئے انہوں نے دین کی جو بنیاد ہے وہی اکھاڑ دی ہے اور اس کی جگہ انہوں نے شرک کو اختیار کر لیا ہے۔ 'شرک' اللہ پر ایک افترائے عظیم ہے جس کو اللہ تعالیٰ کبھی معاف فرمانے والا نہیں ہے۔ شرک کو افترا کہنے کی وجہ ہم دوسری جگہ واضح کر چکے ہیں کہ شرک کرنے والے اپنی تمام مشرکانہ حرکات کو دین کی سند دینے کے لیے یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان باتوں کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح تہمت ہے۔ اور اگر کوئی گروہ جو اللہ کے دین کی گواہی دینے پر مامور ہو، وہ خدا پر تہمت باندھنے کا پیشہ اختیار کر لے تو وہ لعنت کے سوا اور کس چیز کا مستحق ہو سکتا ہے!"[100]

یہود کی ذہنیت مسلمانوں کے خلاف یہ تھی کہ وہ مشرکین تک کو گوارا کرنے کے لیے تیار تھے۔ جبکہ مسلمانوں کو گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے! ظاہر ہے کہ جس طرح حق کی حمایت حق پرستی ہے اسی طرح شرک کی حمایت شرک پرستی ہے۔ مطلب یہ کہ کیا خدا کے اقتدار و اختیار میں کچھ ان کی بھی حصہ داری ہے کہ اس کے فضل انعام میں سے یہ جس کو چاہیں حصہ دیں، جس کو چاہیں محروم کر دیں، چنانچہ اپنے اسی اختیار کی بنا پر وہ مسلمانوں کو خدا کے فضل و کرم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں ان آیات میں باطل کے رد کے لئے استفہام کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اللہ کے بادشاہت میں شریک ہیں کیا تبھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں یا یہ (نعوذ باللہ) خدائی کے دعویدار بنے بیٹھے ہیں جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اللہ پاک کے اختیار میں ہے جسے چاہے فائدہ پہنچائے اور جسے چاہے نقصان سے دوچار کرے۔

---

[99] اصلاحی، تدبر قرآن، ۴/ ۳۱۲۔

[100] اصلاحی، تدبر قرآن، ۴/ ۳۱۳۔

(۳) سورہ الاسرآء میں ارشادِ ربانی ہے:

"اَفَاَمِنتُم اَن یَّخسِفَ بِکُم جَانِبَ البَرِّ اَو یُرسِلَ عَلَیکُم حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَکُم وَکِیلًا"[101]

"کیا تم اس بات سے نچنت ہو گئے کہ وہ خشکی کی جانب تمہارے سمیت زمین کو دھنسا دے یا تم پر باد تند بھیج دے، پھر تم کسی کو اپنا کارساز نہ پاؤ"۔

مزید اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

"اَم اَمِنتُم اَن یُّعِیدَکُم فِیهِ تَارَةً اُخرٰی فَیُرسِلَ عَلَیکُم قَاصِفًا مِّنَ الرِّیحِ فَیُغرِقَکُم بِمَا کَفَرتُم ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَکُم عَلَینَا بِهٖ تَبِیعًا"۔[102]

"یا تم اس سے بے خوف ہو گئے کہ تم کو دوبارہ اسی میں لوٹائے پھر وہ تم پر باد تند کا جھونکا بھیج دے پس وہ تمہاری ناشکری کی پاداش میں تم کو غرق کر دے اور تم اس پر ہمارا کوئی پیچھا کرنے والا اپنے لیے نہ پاؤ"۔

اس آیت میں صراحت کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو تم پر شدید اور تیز و تند ہوا بھیج کر تم کو ہلاک کر ڈالے کیونکہ تم سے سابقہ اقوام کو بھی نافرمانی کے سبب مختلف قسم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑا اور ان کو نیست و نابود کر دیا گیا اور کچھ کو پانی کے عذاب میں مبتلا کر کے انکو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تو ان کا کوئی پیچھا کرنے والا یا ان کو بچانے والا کوئی نہ تھا اسی طرح نافرمانی کے باعث اللہ کفار و مشرکین کو بھی تباہ و برباد کرنے پر قادر ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی یوں رقمطراز ہیں:

"سرکشوں سے یہ سوال فرمایا ہے کہ دریا سے خشکی میں آجانے کے بعد خدا سے بے خوف اور بے پروا کیوں ہو جاتے ہو؟ کیا سمجھتے ہو کہ خدا کی خدائی دریا ہی تک محدود ہے۔ خشکی اس کی خدائی سے باہر ہے؟

---

[101] القرآن، ۱۷:۶۸۔

[102] بنی اسرائیل، ۱۷:۶۹۔

اگر وہ خشکی میں زمین کو تمہارے سمیت دھنسا دے یا تم پر کنکر پتھر برسا دینے والی باد تند بھیج دے جو تم کو اور تمہارے مکانوں کو تہس نہس کر کے رکھ دے تو آخر کون ہے جو تم کو خدا سے بچانے والا بن سکے گا۔ سرکشوں کی اس حالت کی تمثیل ہے کہ جب وہ کسی مصیبت میں پکڑا جاتا ہے تب وہ خدا خدا پکارتا اور اسی کے آگے روتا اور گڑگڑاتا ہے لیکن جوں ہی اس مصیبت سے نجات پا جاتا ہے پھر اکڑنے اور سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اسے یہ بات بالکل فراموش ہو جاتی ہے کہ اگر خدا چاہے تو اس کو پھر اسی حالت میں گرفتار کر سکتا ہے اور اس طرح گرفتار کر سکتا ہے کہ پھر اس سے کبھی رہائی نصیب نہ ہو۔ ہر نعمت جو انسان کو ملتی ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ملتی ہے اس کا حق یہ ہے کہ انسان اس نعمت سے متمتع اور اپنے رب کا شکر گزار ہو لیکن یہ انسان کی عجیب بدبختی ہے کہ جب اس کو نعمت ملتی ہے تو وہ خدا سے اکڑتا ہے اور ہر چیز کو اپنی سعی و تدبیر کا کرشمہ اور اپنے مزعومہ دیویوں دیوتاؤں کا فضل و کرم سمجھتا ہے لیکن جب کسی گردش میں آجاتا ہے تو خدا خدا پکارنے لگتا ہے، اس وقت سارے دیوی دیوتا اس کو بھول جاتے ہیں۔ پھر جب اللہ اس گردش سے اس کو نجات دے دیتا ہے تو وہ پچھلی خرمستی اس پر عود کر آتی ہے اور خدا کو بھول جاتا ہے"۔[103]

"اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کشتی اور دریا کے سفر کی مثال دی ہے کہ یہ خدا ہی کی قدرت ہے کہ ہزاروں ٹن کا وزنی جہاز سمندر کے سینے پر چلتا ہے۔ اللہ نے یہ انتظام اس لیے فرمایا ہے کہ انسان اپنے سفروں میں اس سے فائدہ اٹھائے اور خدا کے اس فضل و رحمت پر اس کا شکر گزار ہو لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب کشتی رواں دواں رہتی ہے اس وقت تک تو خدا کا اس کو کبھی خیال بھی نہیں آتا لیکن جب کشتی کسی طوفان میں گھر کر ہچکولے کھانے لگتی ہے تو اس وقت اس کو اپنی اکڑ بھی بھول جاتی ہے اور دوسرے دیوی دیوتا بھی بھول جاتے ہیں، اس وقت وہ صرف خدا ہی سے فریاد و استغاثہ کرتا ہے لیکن یہ حالت صرف اس وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کشتی گردابِ بلا میں رہتی ہے۔ جو ہی کشتی اس گرداب بلا سے نکلی اور انسان نے خشکی پر قدم رکھا پھر نہ اسے مصیبت کی وہ ساعت یاد رہتی ہے اور نہ اس کو خدا سے اپنا رونا اور گڑگڑانا یاد رہتا ہے۔ تم ایک مرتبہ خدا سے چھوٹ جانے کے بعد یہ کیوں سمجھ بیٹھے

[103] اصلاحی، تدبر قرآن، ۴/ ۵۲۲۔

کہ خدا سے ہمیشہ کے لیے آزاد ہو گئے۔ آخر یہ بھی تو ممکن ہے کہ خدا تمہیں کفرانِ نعمت کی سزا دینے کے لیے پھر ایسے حالات پیدا کر دے کہ تمہیں دوبارہ پھر اسی سمندر سے سابقہ پیش آئے اور وہ تم پر ایسی باد تند بھیجے جو سب کچھ توڑ پھوڑ کر تمہیں غرق کر دے اور تمہارا کوئی حامی تمہاری حمایت میں ہمارا تعاقب کرنے والا نہ بن سکے!"۔[104]

ان آیات میں مشرکین کا معاملہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کس طرح مصیبت میں اللہ کو پکارتے ہیں جب وہ مصیبت ختم ہو جائے تو پھر ہٹ دھرمی کے ساتھ پرانی روش ہو لوٹ آتے ہیں یہاں مخالف کو چیلنج کرنے کے لئے سوال کیا جا رہا ہے کہ اگر تمہارے جھوٹے معبود تمہیں بچا سکیں تو انکو کہو کہ تمہاری مدد کریں در حقیقت اللہ اگر چاہے تو تم پر تیز ہوائیں بھیج کر تمہارا خاتمہ کر دے اور اس وقت کوئی بھی تمہارا مددگار نہ ہو گا۔

(۴) سورہ لقمان میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَیُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ وَسَخَّرَ الشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ ۫ کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّاَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ"۔[105]

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی ہے جو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور دن کو رات میں اور اس نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک گردش کرتا ہے ایک مقررہ وقت تک اور یہ کہ اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔"

اس آیت میں اللہ پاک بیان فرما رہے ہیں کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم کس طرح دن کو رات میں بدل دیتے ہیں اور رات کو دن میں، اور سورج کو روشنی کا ذریعہ بنایا ہے اور وہ اپنے مدار میں گردش کرتا رہتا ہے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے اور وقت کے مطابق ہی چلتا ہے اسی طرح چاند بھی اس حکیم ذات کے حکم کے مطابق ہے گھٹتا اور بڑھتا ہے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آسکتی ہے اور نہ دن رات کے بعد آسکتا ہے یہ

---

[104] اصلاحی، تدبر قرآن، ۴/۵۲۳۔

[105] القرآن، ۳۱:۲۹۔

اس حکیم وخبیر ذات کا بنایا ہوا نظام ہے جس میں کوئی بھی ردوبدل کا اختیار نہیں رکھتا۔
اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"یہ خدا ہی کی قدرت وحکمت ہے کہ وہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرنا، تصویر ہے، پابند اوقات کے ساتھ، ان کی آمد وشد کی۔ یہ اسی کی قدرت وحکمت ہے کہ اس نے سورج اور چاند کو اپنی خلق کی خدمت گزاری کے لئے مسخر کر رکھا ہے اور یہ دونوں پوری پابندی اوقات کے ساتھ اپنے عار میں گردش کرتے ہیں۔ مجال نہیں ہے کہ مدار سے سرمو انحراف ہو یا نظام اوقات کی پابندی میں منٹ یا سیکنڈ کا بھی فرق واقع ہونے پائے۔ ان نشانیوں کی طرف توجہ دلانے سے مقصود انہی حقائق کو واضح کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس خدا کی قدرت کی یہ نشانیاں دیکھتے ہو اس کی نسبت تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ تم کو دوبارہ پیدا نہیں کر سکتا؟ جو رات اور دن اور سورج اور چاند کو اس طرح گردش دے رہا ہے کیا اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا شریک ہونے کا درجہ رکھتی ہے! اور کیا جس نے اپنی ربوبیت کی یہ شانیں دکھائی ہیں اس کی نسبت اس سوئے ظن کی کوئی گنجائش ہے کہ اس نے یہ سارا کارخانہ بالکل عبث بنایا ہے، اس کے پیچھے کوئی روزِ اجر نہیں ہے۔ اگر تم اس نظام ربوبیت وقدرت پر غور کرو تو اس امر میں ذرا شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہے گی کہ جو اس سارے نظام کو چلا رہا ہے وہ تم سے اور تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ بے خبر ہو تو وہ تمہاری پرورش کس طرح کرے گا؟ اور اگر باخبر ہے تو آخر وہ تم سے پرسش کیوں نہیں کرے گا کہ تم نے اس کی پروردگاری کا حق ادا کیا یا نہیں!"۔[106]

ان آیات میں اللہ اپنی قدرت کاملہ کے اثبات کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ تم لوگ غور نہیں کرتے کہ ہم نے انسان کے فائدے کے لئے بے شمار چیزیں پیدا کیں اور اسکو زندگی گزارنے کے لئے رشتے دیئے اور انکے حقوق وفرائض اس پر عائد کئے تو اگر تم اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی کروگے تو تم سے ضرور بازپرس کی جائے گی۔

(۵) سورہ لقمان کی اگلی آیت میں اللہ پاک نے مزید ارشاد فرمایا:

[106] اصلاحی، تدبر قرآن، ۶/ ۱۴۴۔

"اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡكَ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمۡ مِّنۡ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ" ۔[107]

"کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی کے فضل سے کشتی دریا میں چلتی ہے تاکہ وہ تم کو اپنی نشانیوں کا مشاہدہ کرائے۔ بیشک اس کے اندر نشانیاں ہیں ہر صبر و شکر کرنے والے کے لئے۔"

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"کشتی کی مثال سے مخاطبوں کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مغرور اور مایوس ہو جانے والے نہ بنو بلکہ امتحان و آزمائش میں صبر کرنے والے اور نعمت میں شکر کرنے والے بنو۔ یہی راستہ سلامتی کا ہے اور اسی پر چل کر فلاح حاصل کرنے والے بن سکو گے مگر تمہارا حال یہ ہے کہ اس وقت خدا کی عنایت سے جو تمہارے حالات ساز گار ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین پر تمہارے پائوں ہی نہیں پڑ رہے ہیں، حالانکہ یہ سارا نشہ بالکل عارضی ہے۔ اگر ابھی خدا کی کسی پکڑ میں آ گئے تو سارا نشہ ہرن ہو جائے گا اور توبہ توبہ پکار اٹھو گے۔ لیکن یہ توبہ بی بالکل وقتی ہو گی، جونہی حالات ساز گار ہوں گے وہی سرمستی پھر عود کر آئے گی۔ ایک کشتی کے مسافروں کو جس طرح کے حالات پیش آتے ہیں ان سے سبق لو۔ اگر کوئی آزمائش میں صابر اور نعمت میں شاکر رہنا چاہے تو اس کے لئے ان کے حالات میں بڑا درس ہے۔"[108]

سمندروں میں کشتیوں کا چلنا بھی اللہ کے کمال قدرت کی نشانی ہے ان کشتیوں کو انسانوں کے فائدے کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں اور اپنے رب کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق زندگی گزاریں اگر انسان پھر بھی سرکشی کا راستہ اپنائے گا تو ناکام ہو جائے گا اس میں بطور ترغیب سوال کیا گیا ہے۔

(۶) سورہ الصافات میں ارشادِ خداوندی ہے:

---

[107] القرآن، ۳۱:۳۱۔

[108] اصلاحی، تدبر قرآن ۶/ ۱۴۵۔

"اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ، اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ، مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ، اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ، اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ ۔ [109]

"کیا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ رہے تھے! آگاہ، کیا اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو ترجیح دی!، تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیسا فیصلہ کرنے ہوا، کیا تم ہوش سے کام نہیں لیتے!، کیا تمہارے پاس واضح حجت ہے!"۔

ان آیات کی تفسیر میں صاحب تفسیر تحریر فرماتے ہیں:

"مشرکین عرب خود بیٹیوں کو ناپسند کرتا تھے اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں سمجھتے تھے یعنی اگر اسے اولاد ہی کا شوق تھا تو سوچنے کی بات ہے کہ اس نے بیٹوں پر بیٹیوں کو کیوں ترجیح دی۔ وہ جب بیٹے بھی پیدا کر سکتا تھا تو آخر اس نے اپنے لئے وہ چیز کیوں گوارا کی جس کو تم اپنے لیے بادل نخواستہ ہی گوارا کرتے ہو۔ تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے کہ تم ایسا الٹا فیصلہ کرتے ہو۔ فلا تذکرون یعنی تمہاری یہ بات صاف شہادت دے رہی ہے کہ تم ذرا بھی ہوش وحواس سے کام لینے والے لوگ نہیں ہو ورنہ آخر خدا کے لئے وہ بات کس طرح پسند کرتے ہو جو اپنے لئے پسند کرنے پر تیار نہیں ہو کہ اگر تمہارے پاس کسی آسمانی کتاب کی شہادت تمہارے اس دعوے کے حق میں موجود ہو تو اس کو پیش کرو۔ خدا کے بارے میں کسی کو کوئی بات من گھڑت طور پر کہنے کا حق نہیں ہے۔ بلکہ صرف دلیل وبرہان کی بنیاد پر کہنے کا حق ہے اور سب سے زیادہ واضح اس کی کتاب ہو سکتی ہے جو اس نے لوگوں کی تعلیم وہدایت کے لئے اتاری ہو۔"[110]

ان آیات میں اللہ پاک مشرکین کے انوکھے فیصلے کے بارے میں بطور ذہنی استعداد جانچنے کے لیے استفہام فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور خود بیٹی کو باعثِ عار سمجھتے ہیں اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیتے ہیں اگر اللہ پاک کو اولاد ہی بنانی ہوتی تو وہ بیٹا بنا سکتا تھا اگر تم یہ سچ کہتے ہو تو تمہارے پاس جو دلیل ہے وہ لیکر آؤ مگر وہ ایسے جھوٹی باتوں کی دلیل لانے سے قاصر ہیں اللہ تو وہ پاک

---

[109] القرآن، ۳۷:۱۵۰تا۱۵۶۔

[110] اصلاحی، تدبر قرآن، ۶/۴۴۷۔

ذات ہے نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ ہی وہ جنا گیا ہے۔

(۷) سورہ الزخرف میں فرمان الٰہی ہے:

"أَمْ أَبْرَمُوا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرِمُونَ، أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ" [111]

"کیا انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی ایک قطعی فصلہ کر لیں گے۔ کیا ان کا گمان ہے کہ ہم ان کے رازوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سن رہے ہیں؟ ہاں، ہم سن رہے ہیں اور ہمارے فرستادے ان کے پاس لکھ رہے ہیں"۔

اسی طرح کا مفہوم آگے بیان فرمایا:

"وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ"۔ [112]

"اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے پیدا کیا تو وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے تو پھر کہاں بھٹک جاتے ہیں!"۔

ان آیات کی تفسیر میں امین احسن اصلاحی بیان کرتے ہیں کہ:

"ابرام کے معنی کسی امر کو محکم کرنے کے ہیں۔ یہاں یہ کسی بات کا قطعی فیصلہ کر لینے کے مفہوم میں آیا ہے۔ یہ قریش کو فیصلہ کن عذاب کی دھمکی دی ہے اور دھمکی میں شدت پیدا کرنے کے لئے اسلوب اچانک حاضر سے غائب کا اختیار کر لیا ہے گویا وہ لائق خطاب و التفات نہیں رہے۔ فرمایا کہ اگر انہوں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو لازماً ہم بھی ایک قطعی فیصلہ کر لیں گے۔ یعنی انہوں نے اگر قرآن اور رسول کی تکذیب کا فیصلہ کر لیا ہے تو یاد رکھیں کہ اس کے بعد اپنی سنت کے مطابق ہم بھی ان کو ہلاک کر دینے کا فیصلہ کر لیں گے۔ رسولوں کے باب میں اس سنت الٰہی کی وضاحت اس کتاب میں جگہ جگہ گزر چکی ہے کہ جب قوم رسول کے اخراج یا اس کے قتل کا فیصلہ کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو مزید مہلت نہیں

---

[111] القرآن، ۴۳: ۷۹-۸۰۔

[112] القرآن، ۴۳: ۸۷۔

دیتا بلکہ رسول اور اس کے باایمان ساتھیوں کو اپنی امان میں لے لیتا اور قوم کو ہلاک کر دیتا ہے۔ یہاں اسی سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ لوگ رسول کی تکذیب کے معاملے میں یکسو ہو گئے ہیں تو اب لازماً یہ سنت الٰہی کی زد میں بھی آجائیں گے اور کوئی چیز اس سے ان کو بچانے والی نہیں بنے گی۔ اس سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ قوم جب تک رسول کی دعوت کے باب میں مذبذب رہتی ہے اس وقت تک تو اللہ تعالیٰ اس کو مہلت دیتا ہے لیکن جب وہ داعی اور دعوت کو ختم کر دینے کا حتمی فیصلہ کر لیتی ہے تو اس کے باب میں خدا کا آخری فیصلہ بھی ظہور میں آجاتا ہے۔"[113]

"دوسری آیت میں اللہ ان کی خفیہ سرگوشیوں کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں تو لوگوں کے ہر راز اور ان کی ہر سرگوشی کو جانتا ہے لیکن سیاق و سباق کلام یہاں دلیل ہے کہ اس سے خاص طور پر ان سرگوشیوں کی طرف اشارہ ہے جو قریش کے لیڈر دارالندوہ وغیرہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قتل یا اخراج سے متعلق کر رہے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اس مغالطہ میں نہ رہیں کہ خدا ان کی سازشوں اور سرگوشیوں سے بیخبر ہے۔ وہ ان کی تمام خفیہ حرکتوں سے اچھی طرح باخبر ہے اور اس کے فرشتے ان کی ایک ایک بات کا ریکارڈ رکھ رہے ہیں۔ یہ جس وقت پیغمبر کے باب میں اپنا آخری فیصلہ کر لیں گے خدا کا فیصلہ بھی ان کے باب میں ظہور میں آجائے گا۔ پھر ان کے تمام منصوبے دھرے رہ جائیں گی اور خدا کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ اب اس آیت میں بیان ہے کہ مشرکین کے حال پر اظہار تعجب ہے کہ وہ اللہ کے مقابل میں دوسروں کو شفاعت کا مجاز سمجھتے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم ان سے یہ سوال کرو کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو اس کا جواب بہر شکل وہ یہی دیں گے کہ اللہ نے! اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد معلوم نہیں ان کی مت کہاں ماری جاتی ہے کہ وہ یہ بھی مانتے ہیں کہ ان کے مزعومہ معبودوں کو خدا کے ہاں تقرب کا وہ مقام حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہیں گے خدا کی پکڑ سے بچا لیں گے اور جس کو چاہیں گے اپنی سفارش سے اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کرا دیں گے۔[114]

ان آیات میں اللہ پاک انذار کے لئے استفہام فرما رہے ہیں کہ اگر کافروں نے قرآن اور رسول کو

---

[113] اصلاحی، تدبر قرآن، ۷/ ۲۵۳۔

[114] اصلاحی، تدبر قرآن، ۷/ ۲۵۴۔

جھٹلانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو ہم نے بھی ان پر عذاب کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے پھر انکے تمام فیصلے ناکام ہو جائیں گے اور قیامت کے دن انکو ناکامی اور حسرت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ چپکے چپکے سرگوشی کرتے تھے تو سمجھتے تھے کہ اللہ کو علم نہیں ہے جیسے دارالندوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قتل کی سازش کی تو اللہ نے بذریعہ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع فرما دی یہ جو کام علی الارکان کریں یا چھپا کر کریں اللہ پاک تمام احوال سے باخبر ہے۔

(۸) سورہ الحدید میں اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں:

"مَن ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهُ لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ"۔ [115]

"کون اٹھتا ہے کہ اللہ کو قرض دے اچھا قرض کہ وہ اس کو اس کے لیے بڑھائے اور اس کے لیے باعزت صلہ ہے!"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"جہاد کے لیے مالی اعانت کی اپیل ہے کہ کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دینے کے لیے اٹھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بڑھائے اور اس کو باعزت اجر عطا فرمائے۔ لفظ 'قرض' سے اگرچہ عام انفاق بھی مراد ہو سکتا ہے لیکن یہاں سیاق وسباق سے واضح ہے کہ اس سے جہاد کے لیے مالی اعانت ہی مراد ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے لیے قرض کے لیے لفظ میں جو اپیل ہے وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ اوپر واضح ہو چکا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی سپرد کردہ امانت ہے۔ اب یہ کتنا بڑا فضل ہے اس رب کریم کا کہ وہ اپنا ہی عطا کیا ہوا مال اپنی راہ میں خرچ کرنے کی جب بندوں کو دعوت دیتا ہے تو اس کو اپنے ذمہ قرض ٹھہراتا ہے جس کی واپسی کا وہ گویا اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح ایک قرض دار اپنے مہاجن کی رقم کی واپسی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ قرض اس لیے نہیں مانگ رہا ہے کہ اس کے خزانے میں کوئی کمی ہے۔ جب سب کچھ اسی کا پیدا کردہ اور اسی کا عطا کردہ ہے تو اس کے پاس کمی کا کیا سوال؟ بلکہ وہ تو صرف اس لیے مانگ رہا ہے کہ لوگوں کے عطا کردہ مال کو وہ اپنے بنک میں جمع کر کے اس کو اچھی طرح بڑھائے

[115] القرآن، ۵۷: ۱۱۔

تاکہ اس کا منافع ایک ابدی زندگی میں ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سرمایہ کی صورت میں ان کے کام آئے۔[116]

مطلب یہ ہے کہ جو اپنا سرمایہ اس دنیا کے بنک میں جمع کرتا ہے تو یہ دنیا اور اس کا سرمایہ ہر چیز چند روزہ ہے البتہ جو اپنا مال اپنے رب کے پاس جمع کرتے ہیں ان کا منافع ابدی اور ہر اندیشہ سے محفوظ ہے۔ (مضاعفۃ) کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے دگنا کرنا کیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اس کے معنی بڑھانے کے ہیں۔ یہ بڑھانا دگنا، چوگنا، دس گنا بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہو سکتا ہے۔ اس کا تعلق دینے والے کے خلوص اور ان حالات سے ہے جن میں وہ مال دیا گیا ہے اور سب سے زیادہ اس رب کریم کے فضل سے ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے ابدی منفعت کی راہ کھولی ہے۔ اس کے ساتھ یہاں صرف ایک شرط لگائی ہے کہ یہ قرض 'قرض حسن' ہو۔ قرآن میں اس کی وضاحت میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرض، قرض حسن، اس شکل میں بنتا ہے جب دل کی پوری فراخی اور بلندی حوصلگی کے ساتھ دیا جاتا ہے، دل کی تنگی کے ساتھ محض مادے باندھے یا دکھاوے کے لیے نہیں دیا جاتا، اچھے مال میں سے دیا جاتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے دیا جاتا ہے، کسی غرض دنیوی کے لیے نہیں دیا جاتا ہے اور نہ دینے کے بعد اس کے دیے جانے پر احسان جتایا جاتا ہے یا کسی پہلو سے کوئی دل آزاری کی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ خاص اپنے فضل سے بھی اس کو نہایت باعزت اجر دے گا۔"[117]

اس آیت میں جہاد جیسے مقدس احکام کی تعمیل کے لئے مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہوئے سوال کیا جا رہا ہے کہ اللہ کو کون اچھا قرض دے گا؟ یعنی کون شخص اللہ کے راستے میں خرچ کر کے سات سو گنا تک واپس وصول کرنے کی خواہش رکھتا ہے کیونکہ اللہ پاک انسان کو اس کا آج بڑھا چڑھا کر واپس کرتے ہیں تو یہ بہت ہی فائدہ مند سودا ہے۔ مال تو سارا اللہ ہی نے عطا فرمایا ہے اور پھر بھی وہ اپنے بندوں کو اجر دینے کے لئے کہتا ہے کہ کون ہے جو میرے راستے میں خرچ کر کے مجھ سے مزید حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جو کہ

---

[116] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۰۶۔

[117] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۰۷۔

سراسر ہی فائدے کا سودا ہے۔

(۹) سورہ الحدیدہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"یُنَادُوۡنَہُمۡ اَلَمۡ نَکُنۡ مَّعَکُمۡ قَالُوۡا بَلٰی وَ لٰکِنَّکُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَکُمۡ وَ تَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَ غَرَّتۡکُمُ الۡاَمَانِیُّ حَتّٰی جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَ غَرَّکُمۡ بِاللّٰہِ الۡغَرُوۡرُ" ۔[118]

"یہ ان سے فریاد کریں گے کہ کیا ہم آپ لوگوں کے ساتھ نہیں تھے؟ وہ جواب دیں گے کہ ساتھ تو تھے لیکن تم نے اپنے کو فتنوں میں مبتلا رکھا، ہمارے لیے گردشوں کے انتظار میں رہے، شبہات میں مبتلا رہے اور آرزوؤں نے تمھیں دھوکے میں رکھا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ ظاہر ہو گیا اور فریب دینے والے نے تمھیں اللہ کے بارے میں مبتلائے فریب ہی رکھا۔"

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"منافقین کی فریاد اور ان کو جواب کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ منافقین جب دیکھیں گے کہ روشنی کی جو جھلک نظر آئی تھی وہ بھی اوجھل ہو گئی اور جن کے ساتھ دنیا میں رہے ان سے بالکل ہی رابطہ ٹوٹ گیا تو وہ دل شکستہ ہو کر فریاد کریں گے کہ بھائیو، آپ لوگوں نے ہمیں بالکل ہی کاٹ پھینکا، کیا دنیا میں ہم آپ لوگوں کے ساتھ نہیں رہے، اپنے بھائیوں سے یہ بے اعتنائی و بے پروائی! جواب ملے گا کہ اس میں تو شبہ نہیں کہ دنیا میں تم لوگ بظاہر ہمارے ہی ساتھ رہے لیکن تمہارے دل ہمارے ساتھ نہیں تھے بلکہ تم انہی فتنوں میں مبتلا رہے جن سے اللہ نے تم کو نکالنا چاہا۔ تم نے ایمان کا دعویٰ بڑی بلند آہنگی سے کیا لیکن اس ایمان کے جتنے مطالبے تمہارے سامنے آئے ان میں سے ایک کو بھی پورا کرنے کا حوصلہ تم نے نہیں کیا۔ اپنے مال اور اپنی جان کو اللہ کے دین اور اس کے رسول سے تم نے زیادہ عزیز جانا، تمہاری وفاداریاں اسلام کے دشمنوں کے ساتھ رہیں اور حق کی جگہ ہمیشہ اپنے مفاد ذاتی کو تم نے ترجیح دی۔ یعنی تم برابر ہمارے لیے گردشوں اور آفتوں کے منتظر رہے۔ اور ان بدوی منافقین میں وہ بھی ہیں جو اگر کبھی اسلام

[118] القرآن، ۵۷: ۱۴۔

کی راہ میں کچھ خرچ کر بیٹھتے ہیں تو اس کو اپنے اوپر ایک تاوان خیال کرتے ہیں"۔[119]

نیز فرمایا:

"تم برابر شک اور تذبذب میں مبتلا رہے۔ اسلام اور پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حقانیت پر کبھی تمہارا دل نہیں جما۔ تم نے کفر اور اسلام دونوں سے تھوڑا تھوڑا تعلق جوڑے رکھنا چاہا کہ اس کشمکش میں جس کو غلبہ حاصل ہوا اپنا مستقبل اس کے ساتھ وابستہ کر لو گے۔ یعنی تم جھوٹی آرزؤں میں برابر پھنسے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں جو ڈھیل ملی تو تم اس دھوکے میں مبتلا ہو گئے کہ تمہاری یہ دورخی پالیسی کامیاب ہے اور اس کو تم آخر تک کامیابی کے ساتھ بناہ لے جاؤ گے لیکن یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ شیطان نے تمہیں دھوکے ہی میں رکھا اور اللہ تعالیٰ کا فیصلہ حق کو غالب کرنے کے لیے صادر ہو گیا اور تمہیں یہ روز بد دیکھنا پڑا۔ اللہ کے بارے میں دھوکے میں رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں یہ آگاہی جو دی جاتی رہی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول اتمام حجت کے لیے بھیج دیا ہے، جو لوگ اس کے بعد بھی اپنے کفر پر اڑے رہیں گے یا نفاق کے پردے میں چھپنے کی کوشش کریں گے وہ لازماً خدا کی گرفت میں آجائیں گے، تو شیطان تم کو یہ سبق پڑھا دیتا تھا کہ یہ سب محض دھونس جمانے کی باتیں ہیں، جو نہ پہلے سچی ثابت ہوئی ہیں نہ آئندہ ہوں گی، ان سے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"[120]

منافقین لوگ قیامت والے دن کہیں گے کہ کیا ہم لوگ ہر معاملے میں تمہارے ساتھ نہ ہوتے تھے تو مومن جواب دیں گے کہ تم تو یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت یا آفت نازل ہو اور ہمیں خوشی ملے تم لوگ ہمارے ساتھ ہونے کا محض دکھلاوہ کرتے تھے اس آیت میں بطور حسرت کے استفہام کیا جا رہا ہے کہ منافق لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں مگر وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کا پروردگار انکے تمام رازوں سے باخبر ہے وہ خود دھوکے میں مبتلا ہیں۔ دنیا میں تو وہ اپنی اس منافقت کی وجہ سے تھوڑا فائدہ حاصل کر لیتے تھے مگر آخرت میں کسی کی بھی کوئی چالاکی کام نہیں آئے گی اللہ انکی زبانوں پر مہر لگا دینگے ان کے ہاتھ انکے اعمال کی گواہی دیں گے۔

---

[119] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۰۸۔

[120] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۰۹۔

(۱۰) سورہ الحدید میں فرمان الٰہی ہے:

"اَلَم یَاْنِ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا اَن تَخشَعَ قُلُوبُھُم لِذِکرِ اللہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الحَقِّ وَلَا یَکُونُوا کَالَّذِینَ اُوتُوا الکِتٰبَ مِن قَبلُ فَطَالَ عَلَیھِمُ الاَمَدُ فَقَسَت قُلُوبُھُم وَ کَثِیرٌ مِّنھُم فٰسِقُونَ" [121]

"کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاددہانی اور اس حق کے آگے جھک جائیں جو نازل ہو چکا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ بن کے رہ جائیں جن کو اس سے پہلے کتاب دی گئی پس ان پر طویل مدت گزر گئی، بالآخر ان کے دل سخت ہو گئے اور ان میں سے بہتیرے نافرمان ہیں۔"

اس آیت کی تفسیر میں امین احسن اصلاحیؒ یوں رقمطراز ہیں:

"ان آیات میں خطاب کا رخ ان منافقین ہی کی طرف ہے۔ ان کو پہلے تو ان کی روش کے انجام بد سے ڈرایا ہے کہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تائید میں اتنی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی اگر تمہارا تذبذب دور نہیں ہوا تو بالآخر تمہارے دلوں پر بھی اسی طرح کی قساوت چھا جائے گی جس طرح کی قساوت یہود پر چھا گئی تھی جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی۔ اس کے بعد ان کو کچھ ابھارا ہے کہ موجودہ حالات سے ہراساں نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت پر بھروسہ رکھو۔ جس اللہ کی یہ شان دیکھتے ہو کہ وہ اس سرزمین کو مردہ ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیتا ہے اس سے بعید نہیں ہے کہ وہ اس دعوت حق کو اتنا فروغ دے کہ یہاں کفر کا کوئی نشان باقی نہ رہ جائے۔ اسی ذیل میں ان کو یہ اطمینان بھی دلایا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے خسارے میں رہنے والے نہیں ہیں بلکہ ایک کا ستر گنا پائیں گے اور یہی راستہ ہے اس امت کے صدیقین اور شہداء میں داخل ہونے کا۔"[122]

"پھر اس دنیا کی ان چیزوں کی بے ثباتی و بے حقیقی کی تصویر کھینچی ہے جن کے عشق میں پھنس کر لوگ

---

[121] القرآن،۵۷:۱۶۔

[122] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۱۰۔

آسمانوں اور زمین کے برابر کی اس ابدی بادشاہی کو بھول بیٹھے ہیں۔ اس دنیا میں یسرا اور عسر، دکھ اور سکھ، فقر اور غنا انسان کی اپنی تدبیروں پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا انحصار اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی تقدیر پر ہے۔ اس وجہ سے نہ تو انسان کے لیے یہ جائز ہے کہ فراخی حاصل ہو تو اس کو اپنی تدبیر کا کرشمہ سمجھ کر اس پر اترانے اور اکڑنے لگ جائے اور نہ یہ جائز ہے کہ کوئی ابتلاء پیش آجائے تو مایوس و دل شکستہ ہو کر واویلا شروع کر دے بلکہ وہ نعمت میں شکر اور مصیبت میں صبر کی روش اختیار کرے اور دونوں صورتوں میں اپنے رب پر اپنے دل کو جمائے رکھے۔ منافقین کے سامنے جب دعوت حق کی صداقت و حقانیت اور اس کے غلبہ کے اتنے آثار و شواہد نمایاں ہو چکے تھے کہ جن کے اندر کچھ شکوک و شبہات تھے وہ دور ہو جانے چاہیے تھے۔ اگر اتنے آثار دیکھ لینے کے بعد بھی ان کے شبہات علیٰ حالہ باقی ہی رہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس وقت تک شرح صدر کے ساتھ اسلام کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے جب تک وہ اس کے ہر دعوے کی صداقت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ اس طرح کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں معتبر نہیں ہے اس وجہ سے ان لوگوں کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اب بھی وہ شبہات ہی میں مبتلا رہے تو ان کا وہی حال ہو گا جو یہود کا ہوا۔ وہ بھی برابر شبہات میں مبتلا رہے اور اسی حالت میں ان پر ایک مدت گزر گئی بالآخر ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی اس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ کسی امر حق میں شبہ و تردد کا پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور نہ کچھ عرصے تک اس کا باقی رہنا کوئی قابل ملامت چیز ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر ان شبہات کی آڑ لے کر اپنے اندر حق کی آواز کو برابر دباتا ہی رہے اور اس کو باطل سے چمٹے رہنے کے لیے ایک بہانہ بنالے تو سنت الٰہی کے مطابق ایسا شخص قبول حق کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے۔[123]

قرآن کے دو خاص پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے کے لیے دو الگ الگ الفظ استعمال ہوئے ہیں۔ (ذکر اللہ) سے مراد وہ تنبیہات ہیں جو ان خطرات و مہالک سے آگاہ کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں جن سے ان لوگوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں لازماً دوچار ہونا پڑے گا جو حق سے اعراض کے لیے بہانے ڈھونڈتے رہیں گے اور حق سے وہ کلیات مراد ہیں جو قرآن نے از سر نو باطل سے الگ کر کے اجاگر کیے فرمایا کہ ان

---

[123] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۱۰۔

کی تائید میں اتنے شواہد و قرائن ظاہر ہو چکے ہیں کہ چاہیے تھا کہ لوگوں کے دل ان کو مان لیتے اگر اب بھی نہیں ہوئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں جس میں یہود مبتلا ہوئے۔ وہ شک کے ایسے مریض تھے کہ اپنے پیغمبر کی موجودگی میں قدم قدم پر، اس کے معجزات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کو دیکھتے ہوئے برابر بے یقینی اور تردد میں مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ ان کی اسی بیماری نے ان کو تورات سے محروم کر دیا اور اسی کی پاداش میں ان کی اکثریت قرآن سے بھی محروم رہی۔ یہاں اسی روش بد اور اس کے انجام سے قرآن نے ان منافقین کو خبر دار کیا ہے کہ تم بھی یہود کی طرح، اپنے رسول کی موجودگی میں بے یقینی کے مرض میں مبتلا ہو، ایسا نہ ہو کہ یہ مرض تمہارے لیے بھی مہلک بن جائے جس طرح ان کے لیے مہلک بنا۔"[124]

اس آیت میں یہود کی روش بیان کرتے ہوئے منافقین سے بطور انتباہ سوال کیا جا رہا ہے کہ تمہارے پاس حق واضح ہو چکا تھا اسکے باوجود تمہارے دل سخت ہو گئے اور شقاوت کا شکار ہو گئے تم جو اللہ کے رسول، قرآن اور قیامت کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو تو پس عنقریب تم جان لوگے کہ ہم نے منافقین کے لئے جہنم کا سب سے نچلا درجہ تیار کر رکھا ہے۔

خلاصہ بحث

انسان کی بنیادی ضروریات کے بعد جب انسان سب کے ساتھ مل کر رہنے لگا تو اسے دوسرے انسانوں کے تعاون کی ضرورت پیش آئی اسلام کا تصور معاشرت اور نظام معاشرت پائیدار اور مضبوط ہے اسکے اصول وضوابط مستقل، جامع اور ہمہ گیر ہیں یہ دین اور دنیا دونوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس لئے اس کے احکامات میں اتحاد و تعاون قائم کرنے کی تعلیمات جابجا ہیں۔

اس باب میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں میں آیات استفہام کا معاملات کے حوالے سے وضاحت پیش کی گئی ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

سورۃ آل عمران آیت نمبر ۷۰،۷۱، سورۃ النساء آیت نمبر ۵۰،۵۱،۵۳، سورۃ الاسراء آیت نمبر ۶۶،۶۹، سورۃ لقمان آیت نمبر ۲۹،۳۱، سورت الصافات آیت نمبر ۱۵۰،۱۵۳،۱۵۴،۱۵۵،۱۵۶، سورۃ

[124] اصلاحی، تدبر قرآن، ۸/ ۲۱۲۔

الزخرف آیت نمبر۷۹،۸۰،۸۷، سورۃ الحدید آیت نمبر ۱۱، ۱۴، ۱۶۔

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہمِ عقیدہ آخرت (تفسیر تدبرِ قرآن کی روشنی میں تخصیصی مطالعہ)

حیات بعد الممات کا سوال ایک فلسفیانہ سوال نہیں ہے بلکہ اس کا ہمارے عملی زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے اگر انسان کو جوابدہ کا احساس نہ ہو تو وہ اپنے اعمال پر کبھی بھی محاسبہ کرنا پسند نہیں کرے گا اس کے اخلاقی تصورات ہی بدل جائیں گے اس کا پورا اخلاقی نظام خود غرضی، بے حسی اور نفسانیت کی بنیاد پر تعمیر ہو گا اس کے برعکس اگر اعمال کی جوابدہی کا تصور ہو گا تو وہ اچھے یا برے انجام کے باعث نتیجے پر غور کرے گا۔ جو لوگ قیامت کا انکار کرتے ہیں انکے بارے میں قرآن میں بیان کیا جارہا ہے:

"وَقَالُوٓا ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَإِنَّا لَمَبۡعُوثُونَ خَلۡقًا جَدِيدًا"۔ [125]

"اور انہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے تو کیا ہم پھر نئے سرے سے پیدا ہونگے ؟"

اس آیت میں منکرین قیامت کی روش بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ بطور تعجب کے کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی ہمارا وجود مٹی میں مل جائے گا تو دوبارہ کیسے پیدا ہو سکتے ہیں ؟ جبکہ یہ بات واضح ہے کہ جو خالق انکو بغیر کسی ماڈل کے پہلی بار تخلیق کرنے پر قادر ہے تو دوبارہ پیدا کیوں نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے تو دوبارہ پیدا کرنا بہت ہی آسان بات ہے۔

"اسلام نے وضاحت فرما دی ہے کہ کارخانہ ہستی کا حدودِ اربعہ صرف وہی عالم رنگ و بو نہیں ہے جو تمہارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے میدانوں، کھلیانوں، دریاؤں، پہاڑوں، آبشاروں، بادلوں، آسمان کی نیلگوں فضا اور ستاروں سے آگے بھی زمان و مکان کی ایک لامتناہی کائنات موجود ہے جب موت کا سرد ہاتھ تمہاری شمع زندگی گل کر دے گا جونہی تمہاری آنکھیں بند ہونگی، مشاہدے کی موجود دنیا اوجھل ہو جائے گی عالم غیب کی وہ زندگی صاف دکھائی دینے لگے گی جو ابدی اور لافانی ہے تم قبروں سے اٹھائے جاؤ گے حشر کے میدان میں کھڑے کر دیئے جاؤ گے، میزان گاڑ دی جائے گی جو کچھ تم اس دنیا میں کرتے

[125] القرآن، ۱۷:۴۹

ہو تمام افعال و اعمال میزان میں تولے جائیں گے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا تو تمہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اللہ نہ کرے اگر گناہوں کا پلڑا بھاری نکلا تو تم جہنم کی غذا بن جاؤ گے "۔[126]

" اسلام نے دوٹوک انداز میں خبردار کر دیا ہے کہ جس طرح اس دنیا میں مادی اعمال کے خواص و نتائج ہیں اسی طرح روحانی اعمال کے بھی لازمی نتائج مرتب ہوں گے مثلاً ڈاکٹر تاکید کرتا ہے کہ زیادہ نمک نہ کھاؤ ورنہ بلڈ پریشر کا مرض لاحق ہو جائے گا، چینی سے پرہیز کرو ورنہ شوگر کی بیماری کی چمٹ جائے گی، ٹھیک اسی طرح اسلام نے بتا دیا کہ وحدہٗ لاشریک کی اطاعت کرو، سچ بولو، حلال روزی کماؤ اور نیکی کی زندگی بسر کرو، اس کے صلے میں تمہیں جنت میں دائمی کامیابی کا تاج پہنایا جائے گا شرک نہ کرو، جھوٹ نہ بولو، ظلم نہ کرو، حرام روزی نہیں کھاؤ، غفلت اور بدی کی زندگی بسر نہ کرو ورنہ تم جہنم کی غذا بن جاؤ گے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اسلام نے آخرت اور قیامت کی خبر دے کر انسان کو اپنی نجات و سعادت کے لئے اعلیٰ اقدار کی زندگی بسر کرنے کا طریقہ اور سلیقہ عطا کیا اور اللہ رب العزت کی بندگی نے، نیکی، پارسائی، سچائی، سخاوت شرافت اور شجاعت کے انوار و برکات سے ایک ایسا معاشرہ قائم کر کے دکھایا جس کی تجلیوں سے ساری دنیا منور ہو گی۔"[127]

قرآن میں عقیدہ آخرت کی اہمیت اور فکر آخرت کے ضمن میں بہت سے قرآنی آیات وارد ہوئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ موت سائے کی طرح ہمارا تعاقب کر رہی ہے انسان کی کتنی زندگی ہے کوئی نہیں جانتا ہے کہ کس گھڑی فرشتہ اجل آ پہنچے اس لیے پاکدامنی، سچائی، دردمندی، سخاوت اور پاکیزگی والی عملی زندگی اختیار کر لی جائے تاکہ ہمیں رب کریم کے حضور قیامت کے دن شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے اور ہم جہنم کی آگ سے بچ کر جنت کے باغات اور محلات میں جانے کے قابل بن سکیں اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں آیت استفہام میں عقیدہ آخرت کا کردار بیان کیا جائے گا جو کہ درج ذیل ہے۔

۱- سورہ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ

[126] عبد اللہ بن جار اللہ، احوال القیامۃ، مکتبہ دار السلام، ۱۴۲۹ھ، ص۸۔

[127] عبد اللہ بن جار اللہ، احوال القیامۃ، ص۸۔

لِّيَطمَئِنَّ قَلبِي قَالَ فَخُذ اَربَعَةً مِّنَ الطَّيرِ فَصُرهُنَّ اِلَيكَ ثُمَّ اجعَل عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنهُنَّ جُزءًا ثُمَّ ادعُهُنَّ يَاتِينَكَ سَعيًا وَاعلَم اَنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ"۔[128]

"اور یاد کرو جب کہ ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب، مجھے دکھا دے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ فرمایا کیا تم اس بات پر ایمان نہیں رکھتے؟ بولا ایمان تو رکھتا ہوں لیکن چاہتا ہوں کہ میرا دل پوری طرح مطمئن ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندے لو اور ان کو اپنے سے ہلا لو، پھر ان کو ٹکڑے کر کے ہر پہاڑی پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکیم ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی بیان فرماتے ہیں کہ:

" لفظ "اطمینان" کے معنی ہیں کسی چیز کا اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک اس طرح ٹک جانا کہ اس کے ادھر یا ادھر جھکنے یا لڑھکنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔ جو نفس اپنے عقائد اور اعمال میں بالکل صحیح ہو، حالات کے تغیر سے اس کے اطمینان اور اس کی دلجمعی میں کوئی فرق واقع نہ ہو، اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ یہ اطمینان ایمان کے اعلیٰ مدارج میں سے ہے۔ قرآن مجید میں اس کو شرح صدر کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے ارشاد ہوا ہے کہ کیا ہم نے تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا۔"

"حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی درخواست شرح صدر کے لیے تھی، انہوں نے اس بات کی خواہش کی کہ ان کو مشاہدہ کرا دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ حشر کے وقت مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ یہ خواہش اسی طرح کی ایک خواہش ہے جس طرح کی خواہش حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے اندر اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے پیدا ہوئی۔ اس خواہش کی وجہ یہ نہیں تھی کہ نعوذ باللہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو قیامت کا اعتقاد نہیں تھا؟ اعتقاد تو تھا۔ لیکن ایک حقیقت عقل کے نزدیک کتنی ہی واضح اور مدلل کیوں نہ ہو، جب تک وہ نادیدہ ہوتی ہے اس وقت تک اس کو ماننے کے باوجود انسان اس کے باب میں شرح صدر کا

[128] القرآن، ۲:۲۶۰۔

آرزو مند ہی رہتا ہے۔ یہ آرزو انبیاء کی شان کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ جہاں تک اطمینان قلب اور شرح صدر کا تعلق ہے اس سے وہ اپنے ان بندوں کو محروم نہیں رکھتا جو صدق دل سے اس کے طالب ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس مقصد کے لیے اگر اس کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے تو وہ اپنے خاص بندوں کو اپنی قدرت کے بعض مخصوص گوشوں کا بھی مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے فضلِ خاص کی دلیل ہے۔ وہ اپنے اوپر ایمان رکھنے والوں کا مددگار اور ولی ہے۔ وہ ان کو کبھی حیرانگی و تشنگی میں نہیں چھوڑتا بلکہ ان کو ہمیشہ تاریکی سے روشنی اور اضطراب سے اطمینان کی طرف بڑھاتا رہتا ہے۔"[129]

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے اضطراب کو دور کرنے کے لیے ان کو یہ ہدایت ہوئی کہ چار پرندے لے کر ان کو پہلے اپنے سے ہلالو، پھر ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے گوشت کا ایک ایک حصہ اپنے گردو پیش کی پہاڑیوں پر رکھ دو۔ پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔ چار پرندوں کی ہدایت اس لئے ہوئی ہو گی کہ چاروں سمتوں سے ان کے مجتمع ہونے کا ان کو مشاہدہ کرایا جائے تاکہ اس بات پر ان کا یقین مستحکم ہو جائے کہ قیامت کے دن اسی طرح نفخ صور پر تمام مخلوق ہر سمت سے اپنے پروردگار کی طرف دوڑے گی۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابراہیم کو تردد مردوں کے زندہ ہونے کے باب میں تھا، پرندوں کا واقعہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا مشاہدہ خاص تھا، البتہ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ یہ واقعہ ان معجزات میں سے نہیں ہے جو حضرت ابراہیم کی طرف سے اپنی قوم پر حجت قائم کرنے کے لیے ظاہر ہوئے بلکہ یہ ان مشاہدات میں سے ہے جو ذاتی طور پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس لیے کرائے گئے کہ ان کو اطمینانِ قلب اور شرح صدر کی دولت حاصل ہو۔ اس قسم کے مشاہدات حضرات انبیاء (علیہم السلام) کو اس لیے کرائے جاتے ہیں کہ ان کی تربیت ہو اور وہ اس بار عظیم کے اٹھانے کے لیے پوری اہل ہو جائیں جو قدرت کی طرف سے ان پر ڈالا جاتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی صفات، عزیز، حکیم، پر نگاہ جمائے رکھنے کی ہدایت اس وجہ سے ہوئی کہ انہی صفتوں کی یاد داشت سے یہ یقین مضبوط ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو دوبارہ ضرور اٹھائے گا اس لیے کہ وہ اس

---

[129] اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/ ۱۸۲۔

پر قادر بھی ہے اور ایسا کرنا اس کی حکمت کا مقتضی بھی ہے۔"[130]

اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب انہوں نے اللہ پاک سے پوچھا کہ اے اللہ! تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بطور تعجب کے سوال فرمایا کہ اے ابراہیم! کیا آپ کسی شک و شبہ کا شکار ہیں؟

آپ نے عرض کی اے پروردگار! ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ میں تو صرف اطمینان قلب کے لئے یہ عرض کر رہا ہوں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو چار پرندوں کو مار کر گوشت مکس کر کے مختلف جگہوں پر رکھنے کا حکم دیا اور ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور جن ان پرندوں کو آواز دی تو وہ دوڑتے ہوئے آپکے پاس آ گئے یہ ایک بہت بڑا معجزہ تھا اور اللہ پاک اسی طرح تمام انسانوں کو قیامت کے دن دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔

۲-سورہ آل عمران میں فرمان الٰہی ہے:

"يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسۡوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اسۡوَدَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ اَكَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ "۔ [131]

"اس دن جب کچھ چہرے روشن ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے تو جن کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے تو اب چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں۔"

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

" اعتصام بحبل اللہ سے محروم ہو جانے کے بعد اہل کتاب اختلاف و انتشار میں مبتلا ہوئے اور یہ انتشار و اختلاف در حقیقت ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹ جانے کے ہم معنی ہے۔ دوم یہ کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ سرفرازی و سرخروئی بخشتا ہے کہ ان کے ہاتھ میں خود اپنی رسی پکڑاتا ہے اگر وہ اپنی شامت اعمال

---

[130] اصلاحی، تدبر قرآن، ۱/ ۱۸۳۔

[131] القرآن، ۳: ۱۰۶۔

سے اس رسی کو چھوڑ کر اور رسی اپنی گردنوں میں ڈال لیتے ہیں تو قیامت کے دن ان کو اسی درجے کی روسیاہی بھی حاصل ہوگی جس درجے کی ان کو سرخ روئی بخشی گئی تھی۔ چہرے روشن ان کے ہوں گے جو ہر طرح کے حالات میں اس رسی کو تھامے رہیں گے۔ یہ لوگ بیشک اللہ کے فضل و رحمت کے حق دار ہوں گے۔ سوم یہ کہ یہ ساری تنبیہات بالحق ہیں ان کو محض خالی خولی دھمکی سمجھ کر جو لوگ نظر انداز کریں گے وہ اپنی ناکامی کا سامان خود کریں گے اور اس کی تمام تر ذمہ داری انہی پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آگاہی پہلے سے اسی لیے بتادی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ کسی کو سزا اس پر حجت تمام کیے بغیر دے" [132]

" چہارم یہ کہ آسمان و زمین میں سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ سارے امور اسی کے حضور پیش ہوں گے اور اسی کا فیصلہ ناطق و نافذ ہوگا۔ اگر کسی نے کسی اور سے امید باندھ رکھی ہو تو اس کی یہ امید محض ایک واہمہ ہے جو حقیقت کے ظہور کے بعد بالکل سراب ثابت ہوگی۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ ساری تنبیہات مسلمانوں کو سنائی جارہی ہیں کہ ان تمام خطرات سے بچ کے رہنا۔ مسلمانوں کو یہ بشارت دی ہے کہ اب یہ اہل کتاب تمہاری مخالفت میں جتنا زور چاہیں لگالیں وہ تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے بلکہ ہر جگہ منہ کی کھائیں گے اور ان کے لیے ذلت مقدر ہوچکی ہے۔ اہل کتاب کے اس گروہ کی تحسین بھی فرمائی ہے جو حق پر قائم تھا اور جو بالآخر دولت اسلام سے سرفراز ہوا۔ پھر اہل کتاب کی اصل بیماری کی طرف اشارہ ہے جو فی الحقیقت قبول حق میں ان کے لیے حجاب بنی اور یہ واضح فرمایا کہ اس حق سے محروم رہنے کے بعد اب وہ اپنی دینداری کا بھرم رکھنے کے لیے جو ظاہر داری بھی کریں گے سب اکارت جائے گی، اس کا کچھ حاصل نہیں ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ اب تم ان سے تمام تعلقات دوستی و محبت ختم کرلو اس لیے کہ اب تمہارے لیے ان کے دلوں میں دشمنی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے اور ان کے اندر خیر کی کوئی رمق باقی نہیں رہی ہے۔" [133]

اس آیت میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کفر کا راستہ اختیار کریں گے

---

[132] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۱/ ۲۶۲۔

[133] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۱/ ۲۶۳۔

انکے چہرے قیامت کے دن سیاہ ہونگے تو ان سے بطور انتباہ کے استفہام کیا جائے گا کہ اب تم عذاب کا مزہ چکھو اپنے برے اعمال کی بدولت، اب تمہارے لئے کوئی بچنے کا راستہ نہیں ہے۔

۳- سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"هَل يَنظُرُونَ اِلَّا اَن تَاتِيَهُمُ المَلٰئِكَةُ اَو يَاتِيَ رَبُّكَ اَو يَاتِيَ بَعضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَومَ يَاتِي بَعضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفسًا اِيمَانُهَا لَم تَكُن اٰمَنَت مِن قَبلُ اَو كَسَبَت فِي اِيمَانِهَا خَيرًا قُلِ انتَظِرُوا اِنَّا مُنتَظِرُونَ"۔[134]

"وہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا رب آئے یا تیرے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر ہو۔ جس دن تیرے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر ہوگی تو کسی ایسے کو ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی ہو، کہہ دو تم انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہی ہیں"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

"یعنی ان کے تمام عذراب ختم ہوگئے اور ہر پہلو سے ان پر حجت قائم کردی گئی لیکن یہ دلیلوں اور حجتوں سے قائل ہونے والے نہیں ہیں۔ یہ تو منتظر ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں، یا خدا خود ان کے لیے نمودار ہو۔ یہ نہیں تو عذاب الٰہی کی نشانیوں میں سے کوئی فیصلہ کن نشانی ظاہر ہو۔ یعنی خدا اور فرشتوں کا اترنا تو الگ رہا، جس فیصلہ عذاب کے یہ منتظر ہیں وہ بھی اگر ظاہر ہو جائے تو اس کو دیکھ کر کسی کا ایمان لانا کچھ سود مند نہیں ایمان معتبر صرف وہ ہے جو آنکھ کان، دل دماغ اور عقل کی صلاحیتوں کو استعمال کر کے لایا جائے نہ کہ عذاب الٰہی کا ڈنڈا دیکھ کر۔ عذاب الٰہی کے ظہور کے بعد کسی کا ایمان کچھ سود مند نہیں ہو گا، اے نبی ان سے کہہ دیں کہ اگر تم اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے نشانی عذاب کے منتظر ہو تو انتظار کرو، اب ہم بھی تمہارے لیے اسی کے منتظر ہیں اس لیے کہ وہ ساری علامتیں جو کسی قوم و مستحق عذاب بناتی ہیں تم میں نمایاں ہو چکی ہیں، سنتِ الٰہی کے مطابق اب ایک ہی چیز باقی رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق و باطل کے

[134] القرآن،۶:۱۵۸۔

درمیان فیصلہ فرمادے، باطل نابود ہو اور حق کا بول بالا ہو۔"[135]

نبی اور اس کے ساتھی جب اپنا حق ادا کر چکتے ہیں لیکن ضدی اور سرکش لوگ کسی طرح ان باتوں پر کان نہیں دھرتے تو انہیں بھی اللہ کے فیصلے کا انتظار ہوتا ہے کیونکہ اسی فیصلہ کے ظہور کے ساتھ حق کا غلبہ وابستہ ہوتا ہے۔ اس انتظار میں حق کی فتحمندی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ انبیاء(علیہم السلام) دنیا میں تزکیہ و اصلاح کا مقصد لیکر آتے ہیں، وہ اس کام میں اپنی پوری قوت نچوڑ دیتے ہیں۔ جن کے اندر خیر کی ادنی رمق بھی ہوتی ہے وہ اصلاح قبول کر لیتے ہیں۔ جو بالکل اندھے بہرے بن جاتے ہیں وہ مردوں کی طرح ہیں جو زمین پر پڑے رہیں تو وہ فساد کے سوا کچھ نہیں پھیلا سکتے اس وجہ سے ان کے فنا ہو جانے میں ہی خلق کی بہبود ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ پاک بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ ان کو ہماری نشانیوں کا اعتبار نہیں ہے جو یہ مزید نشانیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ فرشتے انکے پاس آئیں گے تو پھر یہ ایمان لائیں گے ؟ پس ان سے کہہ دو کہ اللہ کا وعدہ (قیامت) آجانے کے بعد تمہیں کوئی چیز بھی فائدہ نہیں دے گی۔

۴-سورہ الاعراف میں ارشادِ خداوندی ہے:

"وَأَمطَرنَا عَلَيهِم مَّطَرًا فَانظُر كَيفَ كَانَ عَاقِبَةُ المُجرِمِينَ "-[136]

"اور ان پر اچھی طرح پتھراؤ کر دیا تو دیکھو، مجرموں کا کیا انجام ہوا"

اس آیت میں سابقہ اقوام کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جارہاہے کہ کس طرح ہم نے نافرمان قوم پر پتھروں کو عذاب نازل کیا وہ ایسے ہوگئے جیسا کہ بھوسہ ہوتا ہے۔ اور گنہگاروں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے اس لئے آخرت میں ہر انسان کے ساتھ اسکے اعمال کے مطابق ہی فیصلہ کیا جائے گا۔ اچھے اعمال والے لوگ کامیاب ہو جائیں گے اور برے اعمال والے لوگ ناکام و نامراد ہونگے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

"قوم لوط پر جو عذاب آیا تھا اس کا بیان ہے یہاں بارش سے مراد پانی کی بارش نہیں ہے بلکہ کنکروں اور

[135] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۱/ ۴۰۰۔

[136] القرآن، ۷: ۸۴۔

پتروں کی بارش ہے جو صحراؤں سے اٹھتی ہے اور قافلے کے قافلے اور بستیوں کی بستیاں جس کی اٹھائی ہوئی ریت اور جس کے برسائے ہوئے کنکروں اور پتھروں کے نیچے دب کر تباہ ہو جاتی ہیں۔ عربی میں اس کو حاصب یعنی کنکر پتھر برسانے والی آندھی کہتے ہیں۔ قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی جو کنکر پتھر برسانے والی آندھی بن گئی اس سے اول اول تو ان کے اوپر کنکروں اور پتھروں کی بارش ہوئی، پھر اس نے اس قدر شدت اختیار کرلی کہ ان کے مکانات بھی الٹ گئے۔ یعنی ایسی تند آندھی چلی کہ ان کے مکانات زمین کے برابر ہوگئے اور اوپر سے کنکر اور ریت نے ان کو ڈھانک لیا۔ قوم لوط پر اللہ تعالیٰ نے سنگ ریزے برسانے والی آندھی کا عذاب بھیجا جس نے ان کو اور ان کے مکانوں کو ڈھانک لیا اور اگر اس کے ساتھ تورات کا بیان بھی ملا لیا جائے تو اس پر اتنا اضافہ ہوجائے گا کہ ان پر بجلی اور کڑکے کا عذاب بھی آیا۔"[137]

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک قوم لوط کے عذاب کا ذکر فرما کر بطور انذار کے سوال فرما رہے ہیں کہ ان سے پہلے قومیں پر جو تباہی نازل ہوئی ہے کیا یہ لوگ ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اللہ کی نافرمانی کے باعث ان قوموں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا گیا تو اگر اب یہ لوگ بھی اللہ پر ایمان نہیں لائیں گے تو ان کا حال بھی ان سے مختلف نہ ہو گا۔

۵-سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنتُم بِهٖ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنتُم بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ" -[138]

"پھر کیا جب آہی دھمکے وہ دن تو کیا چیز ہے جس کے بل پر مجرمین جلدی مچائے ہوئے ہیں!"

نیز فرمایا:

"ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ"۔[139]

---

[137] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۲/ ۱۱۶۔

[138] القرآن، ۱۰:۵۱۔

[139] القرآن، ۱۰:۵۲۔

"پھر ان ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ یہ تمہاری اپنی کمائی کا تمہیں بدلہ مل رہا ہے"۔

اگلی آیت میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ "۔[140]

"اور وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ یہ بات واقعی ہے؟ کہہ دو کہ ہاں میرے رب کی قسم یہ شدنی ہے اور تم قابو سے باہر نہیں نکل سکو گے"۔

ان تین آیات میں امین احسن اصلاحی یوں تحریر فرماتے ہیں:

"اس سوال میں انکار و استہزا کا پہلو ذرا مخفی ہے۔ اس میں وہ کھل کر سامنے آ گیا ہے۔ سوال کرنے والوں کے مزاج مختلف قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض ذرا رکھ رکھاؤ کے انداز میں اپنے دل کی بات کہتے ہیں۔ بعض منہ پھٹ ہوتے ہیں جو اپنی بات پھینک مارتے ہیں۔ اسی قسم کے لاابالیوں کی زبان سے یہ سوال نقل ہوا ہے کہ یہ پیغمبر سے پوچھتے ہیں کہ یہ جو عذاب اور جزو سزا کی باتیں سنا رہے ہو یہ حقیقت ہے یا یوں ہی محض دھونس جمانے کے لیے ڈینگیں مار رہے ہو؟ "ای" حرف جواب ہے۔ نعم کے معنی میں اور یہ صرف قسم سے پہلے آتا ہے۔ سوال کرنے والوں کی ذہنیت کو پیش نظر رکھ کر صرف سادہ جواب ہی پر اکتفا نہیں فرمایا بلکہ قسم کے ساتھ جواب دیا کہ یہ چیز لازمی ہے جب یہ چیز ظاہر ہو گی تو تم میرے رب کی گرفت سے بچ کے نکل نہ سکو گے۔ یعنی آج تو بڑی رعونت سے تم اس کا مذاق اڑا رہے ہو۔ لیکن جب یہ چیز سامنے آئے گی تو ہر جان، جس نے اس دن سے غفلت برت کر اپنے اوپر ظلم ڈھایا ہو گا۔ اس کا حال یہ ہو گا کہ اگر زمین کی ساری دولت بھی اس کو ہاتھ آ جائے اور اس کو فدیہ میں دے کر اس دن کی ہولناکیوں سے نجات پانا ممکن ہو تو وہ اس کو فدیہ میں دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کرے گی۔ چونکہ ندامت اور افسوس کا منبع انسان کا باطن ہوتا ہے مقصود یہی بتانا ہے کہ آج تو یہ مذاق اڑا رہے ہیں لیکن کل وہ اپنی اس نالائقی پر نادم اور پشیمان ہوں گے اور ان کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا، جو

---

[140] القرآن، ۱۰:۵۳۔

کچھ انہوں نے کیا ہو گا وہی ان کے سامنے آئے گا۔ ان کے اوپر کوئی زیادتی نہیں ہو گی۔ اس میں ایک اشارہ اس بات کی طرف بھی ہو گیا کہ انہوں نے اپنے مزعوم شرکاء اور شفعاء سے جو امیدیں باندھ رکھی ہیں وہ سب بے حقیقت ثابت ہوں گی۔ کوئی چیز خدا کے انصاف پر اثر انداز نہ ہو سکے گی"۔[141]

ان آیات مبارکہ میں اللہ عزوجل بطور وعید کے سوال فرمارہے ہیں کہ یہ لوگ نبی کی بات کا مذاق اڑاتے ہیں قیامت کے بارے میں شک کا شکار ہیں تو قیامت جب انکے سامنے آکھڑی ہو گئی تو انکو ذرا بھی مہلت نہ دی جائے گی پھر قیامت کے دن یہ اپنی نادانی پر سوائے تأسف کے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔

۶-سورہ القصص میں اللہ عزوجل کا فرمان عالیشان ہے:

"اَفَمَن وَّعَدنٰهُ وَعدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعنٰهُ مَتَاعَ الحَيٰوةِ الدُّنيَا ثُمَّ هُوَ يَومَ القِيٰمَةِ مِنَ المُحضَرِينَ "۔[142]

"کیا وہ اس سے ہم نے ایک خوش آئند وعدہ کر رکھا ہے پس وہ اس موعود کو لازماً پا کے رہے گا اس کے مانند ہو گا جس کو ہم نے حیات دنیا کی متاع دی ہے پھر وہ قیامت کے دن حاضر کئے جانے والوں سے بننے والا ہے"۔

"وَيَومَ يُنَادِيهِم فَيَقُولُ اَينَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُم تَزعُمُونَ "۔[143]

"اور اس دن کا دھیان کرو جس دن خدا ان کو پکارے گا پھر پوچھے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک گمان کرتے رہے ہو!"۔

"وَيَومَ يُنَادِيهِم فَيَقُولُ مَاذَا اَجَبتُمُ المُرسَلِينَ "۔[144]

---

[141] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن ۲/۳۰۳۔

[142] القرآن، ۲۸:۶۱۔

[143] القرآن، ۲۸:۶۲۔

[144] القرآن، ۲۸:۶۵۔

"اور اس دن کا دھیان کرو جس دن خدا ان کو پکارے گا اور پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا"۔

ان آیات کی تفسیر میں صاحب کتاب تحریر فرماتے ہیں:

" ایک تو وہ لوگ ہیں جن سے اللہ نے آخرت کی ابدی بادشاہی کا وعدہ کر رکھا ہے اور یہ ابدی بادشاہی لازماً پا کے رہیں گے، اس لئے کہ اللہ کے وعدے سے سچا وعدہ کس کا ہو سکتا ہے۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جن کو میں نے حیات چند روزہ کی متاع فانی تو دی ہے مگر بالآخر قیامت کے دن نہایت ذلت کے ساتھ وہ خدا کے حضور گھسیٹ کر لائے جائیں گے۔ یہاں شرک اور شرکاء کی تردید ہے کہ اگر کسی نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ آخرت میں ان کے مزعومہ شرکاء و شفعاء کچھ کام آنے والے بنیں گے تو وہ اس وہم کو اپنے دماغ سے نکال دے۔ ان شرکاء کو نہ اس دنیا کے انتظام و انصرام میں کوئی دخل ہے، نہ یہ آخرت میں کام آنے والے ہیں۔ ان بے حقیقت چیزوں کے بل پر جو لوگ قرآن کی دعوت کو جھٹلا رہے ہیں وہ اپنا انجام اچھی طرح سوچ لیں۔ قیامت کے دن شرک کرنے والوں، شرک کے داعی لیڈروں اور خود شرکاء کا کیا حشر ہو گا۔ فرمایا کہ اس دن کو نہ بھولو جس دن خدا تمام مشرکین کو اپنی عدالت میں پیشی کے لئے پکارے گا اور ان کو حکم دے گا کہ میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کو تم میرا شریک گمان کرتے رہے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اب ان کو پیش کرو تاکہ تم بھی اور تمہارے ساتھ وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں۔"[145]

" پھر انکی طرف اشارہ کر کے کہیں گے اے ہمارے رب! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تو ان کو دوگنا عذاب دے۔ ارشاد ہو گا، تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تم جانتے نہیں اور اگلے پچھلوں سے کہیں گے، تمہیں بھی تو ہم پر کوئی فضیلت نہ حاصل ہوئی تو اپنے عمل کی پاداش میں اب عذاب چکھو۔ مشرکین کے معبودوں کی بے حقیقی یعنی اپنے جن لیڈروں پر وہ اپنی گمراہی کی ذمہ داری ڈالنا چاہیں گے، جب وہ صاف صاف ان سے اعلان برأت کر دیں گے تو ان سے پھر کہا جائے گا کہ اب بولو، تمہارے ان لیڈروں نے تو تم سے برأت کا اعلان کر دیا تو تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جن کی پرستش کرتے رہو! اس وقت وہ گھبراہٹ میں اپنے ان شریکوں کو پکاریں گے جن کے وہ بت پوجتے رہے تھے۔

[145] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن ٦/ ٥٠١۔

مثلاً لات، منات، عزیٰ اور نائلہ وغیرہ کو لیکن وہ ان کی کوئی فریاد سی نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہو گا۔ وہ محض خیالی بستیاں تھیں۔ آخرت میں راز کھل جائے گا کہ انہوں نے محض گمان کی پرستش کی۔ اسی طرح نصاریٰ جنہوں نے حضرت مسیح (علیہ السلام) کی پرستش کی، قیامت کے دن حضرت مسیح اپنے پرستاروں سے اعلان برأت کردیں گے کہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ کچھ احمق لوگوں نے میری پرستش کی ہے۔ میں نے تو سب کو اللہ واحد کی بندگی کی دعوت دی تھی۔ ان سے سوال ہو گا کہ خدا نے رسول تمہاری ہدایت کے لئے بھیجے ان کی دعوت کا تم نے کیا جواب دیا، ظاہر ہے کہ یہ سوال بھی ان سے ان کے جرم سنگینی واضح کرنے کے لئے ہو گا کہ خدا نے تو تمہاری ہدایت کے لئے یہ اہتمام فرمایا کہ اپنے رسول بھیجے کہ ہر پہلے سے حق تم پر واضح ہو جائے تو تم بتاؤ، تم نے اس اہتمام کی کیا قدر کی!"۔[146]

ان آیات میں بھی قیامت کی منظر کشی کی جارہی ہے ان سے معلومات کے دہرانے اور یقینی بنانے کے لئے استفہام کیا جائے گا کہ یہ لوگ دنیا میں جن کو پکارتے تھے وہ ان سے دستبردار ہو جائیں گے پھر ان لوگوں کو افسوس ہو گا اور اس وقت سوائے حسرت و یاس کے وہ کچھ بھی نہ کر سکیں گے بڑا ہی ہولناک منظر ہو گا کیونکہ واپسی کی تمام راہیں مسدود ہو گئیں ہونگی اور عذاب ہی ان کا مقدر ہو گا۔

۷-سورہ یسین میں ارشادِ الٰہی ہے:

"أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۔[147]

"اور اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمہیں یہ ہدایت نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی بندگی نہ کیجیو، بیشک وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے"۔

"وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ" ۔[148]

---

[146] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن ۶/ ۵۰۲,۵۰۳۔

[147] القرآن، ۳۶: ۶۰۔

[148] القرآن، ۳۶: ۶۲۔

"اور اس نے تم میں سے ایک خلق کثیر کو گمراہ کرلیا، تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے!"

"وَلَو نَشَآءُ لَطَمَسنَا عَلَىٰٓ اَعيُنِهِم فَاستَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبصِرُونَ "[149]

"اور اگر ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے پھر وہ راستہ کی طرف بڑھتے تو کس طرح دیکھ پاتے!"

اس آیت میں اللہ پاک اپنے بندوں سے استفسار فرمائیں گے کہ کیا میں نے تمہیں قرآن میں بار بار منع نہیں کیا تھا کہ شیطان کی پیروی نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اگر اسکی پیروی کروگے تو گمراہ ہو جاؤگے اور وہ قیامت کے دن وہ تمہاری کچھ مدد نہ کرسکے گا۔ اگر اللہ پاک چاہتا تو ان کو جو بینائی عطا فرمائی تھی ان سے وہ چھین لیتا تو وہ کسی چیز پر بھی اختیار نہ رکھتے۔ مگر وہ تم کو ایک مدت تک مہلت دیتا ہے کیونکہ جب اس کا فیصلہ آگیا تو ایک گھڑی بھی پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

ان آیات کی تفسیر میں مولانا اصلاحی یوں رقمطراز ہیں:

"یعنی جب ان کا حال یہ ہے کہ اپنی ان صلاحیتوں سے جو اللہ نے ان کو بخشی ہیں کوئی کام ہی نہیں لے رہے ہیں تو یہ مستحق ہیں کہ ہم ان سے ان کو محروم کردیں اور یہ کام ہمارے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ ہم چاہتے تو ان کی آنکھیں مٹا دیتے، پھر یہ راستہ کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے لیکن ان کو راہ نہ ملتی۔ لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا تو یہ ہماری رحمت ہے اور اب بھی ان کے لئے موقع ہے کہ یہ ہماری اس رحمت سے فائدہ اٹھائیں اور آنکھیں بند کرکے زندگی نہ گزاریں۔"[150]

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ بطور استعجاب کے سوال فرمارہے ہیں کہ ہم نے اولاد آدم سے وعدہ لیا تھا اور انہوں نے رب کی فرمانبرداری کرنے کا اقرار بھی کیا تھا مگر یہ لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے ہم چاہتے تو انکو دنیا میں ہی کسی عذاب میں مبتلا کر دیتے مگر ہم نے انہیں موقع دیا شاید کہ یہ ہماری طرف لوٹ آئیں مگر قیامت کے دن ان کو کسی بھی قسم کی شفاعت کے ذریعے سے کوئی خلاصی نہ ملے گی۔ وہاں ان کے لئے ہیشگی کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور ان کو اس عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے اور اللہ کے

[149] القرآن، ۳۶:۶۶۔

[150] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۵/۱۸۶،۱۸۸۔

حکم کے سامنے کسی کا حکم نہیں چلتا۔ پھر اس وقت صرف یہ افسوس ہی کر سکیں گے کیونکہ جلنا ہی ان کا مقدر ہو گا۔

۸-سورہ القمر میں اللہ فرماتے ہیں:

"وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ "۔[151]

"اور ہم نے اس سرگزشت کو ایک داستان عبرت بنا کر چھوڑا (عبرت حاصل کرنے والوں کے لیے) تو ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا!"۔

پھر فرمایا:

"فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ "۔[152]

"دیکھ لو کس طرح سچا ثابت ہوا میرا عذاب اور میرا ڈرانا!"

نیز فرمایا:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ "۔[153]

"اور ہم نے قرآن کو تذکیر کے لیے نہایت موزوں بنایا ہے۔ تو ہے کوئی یاد دہانی حاصل کرنے والا!"

ان آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحی فرماتے ہیں:

"نشانیاں اور عبرت انگیز واقعات تو بہت ہیں جو صحیفہ وارض پر بھی ثبت ہیں اور تاریخ کے اوراق میں بھی محفوظ ہیں لیکن عبرت حاصل کرنے والے دل کہاں ہیں! اللہ کا عذاب کیسا بے پناہ ہوتا ہے اور اس کی دھمکی کس طرح پوری ہوتی ہے۔ مذکورہ آیت کا مطلب عام طور پر لوگوں نے یہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو حفظ کرنے یا نصیحت حاصل کرنے کے لیے نہایت آسان کتاب بنایا ہے۔ یہ بات اگرچہ بجائے

---

[151] القرآن، ۵۴:۱۵۔

[152] القرآن، ۵۴:۱۶۔

[153] القرآن، ۵۴:۱۷۔

خود صحیح ہے کہ قرآن حفظ کرنے کے لیے بھی آسان ہے اور نصیحت حاصل کرنے کے لیے بھی سہل ہے لیکن آیت کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے۔ لفظ ذکر بھی یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی تعلیم، تذکیر، آگاہی، تنبیہ، نصیحت، موعظت، حصول عبرت اور اتمام حجت سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ اس آیت میں یہ بات ارشاد ہوئی ہے کہ پیغمبر جس عذاب سے تمہیں آگاہ کر رہے ہیں وہ ایک اٹل حقیقت ہے آفاق وانفس سب اس کے گواہ ہیں۔ رسولوں اور ان کی قوموں کی تاریخ اس کی شاہد ہے لیکن تم مچلے ہوئے ہو کہ جب اس عذاب کی نشانی دیکھ لوگے تب مانو گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم و تذکیر کے لیے قرآن اتارا ہے جو ہر پہلو سے اس مقصد کے لیے جملہ لوازم سے آراستہ و مسلح ہے تو آخر اس عظیم نعمت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے، عذاب کے تازیانے ہی کے لیے کیوں بے قرار ہو!"

"جو اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ قرآن ایک سہل کتاب ہے جو صرف حفظ و تلاوت کے لئے نازل ہوئی ہے، اس کے سمجھنے کے لئے کسی تفکر و تدبر کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کے زعم میں ہر شخص جو الٹی سیدھی عربی سمجھ سکتا ہے وہ بے تکلف قرآن بھی سمجھ سکتا ہے۔ یہ غلط فہمی فہم قرآن کی راہ کو مسدود کر دینے والی ہے اس وجہ سے ضروری ہے کہ تیسیرِ قرآن کے جن پہلوؤں کی طرف خود اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔ تیسیرِ قرآن کا سب سے نمایاں پہلو جس کا قرآن نے بار بار تذکرہ کیا ہے یہ ہے کہ وہ 'عربی مبین' میں نازل ہوا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا تاکہ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کو بالتّدریج سنائیں اور سکھائیں اگر پورا قرآن بیک دفعہ جملۃ واحدۃ نازل کر دیا جاتا۔ جیسا کہ کفار کا مطالبہ تھا۔ تو یہ چیز تیسرِ قرآن کے منافی ہوتی۔ تیسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کی تمام بنیادی تعلیمات پہلے گٹھے ہوئے الفاظ اور فقروں اور چھوٹی چھوٹی جامع اور محکم سورتوں کی شکل میں نازل ہوئیں تاکہ لوگوں کے لئے ان کا اخذ کرنا، ان کو محفوظ رکھنا، ان پر عمل کرنا اور دوسروں تک ان کو پہنچانا آسان ہو۔ چوتھا پہلو یہ ہے کہ قرآن میں ہر بات گوناگوں پہلوؤں سے مختلف شکلوں، صورتوں، مختلف سوابق و لواحق اور نئے نئے اطراف و جوانب کے ساتھ بیان ہوئی ہے تاکہ ایک جگہ قاری کے ذہن میں بات نہیں آئی ہے تو دوسری جگہ آجائے اور ایک مقام میں کوئی دلیل دل میں نہیں اتری ہے تو دوسرے سیاق وسباق میں وہ ذہن نشین ہو جائے، قرآن نے اس چیز کو تصریف آیات، سے تعبیر فرمایا

ہے۔ترتیب کا یہ اہتمام اللہ تعالیٰ نے تیسیر ہی کے مقصد سے اختیار فرمایا ہے۔"[154]

ان آیات میں اللہ پاک بطور ترغیب کے سوال فرمارہے ہیں کہ ہم نے اپنی نشانیوں کو بیان فرمادیا ہے اب ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا جو ان آیات سے نصیحت حاصل کرے۔ قرآن کا نزول حالات و واقعات کے مطابق ہوا تاکہ لوگ اس پر عمل کرسکیں اگر مکمل قرآن ایک دفعہ ہی نازل فرمادیا جاتا تو اس کو سمجھنے اور اسکی تعلیمات پر عمل کرنا دشوار ہوجاتا اس لئے اس کی حالات کے مطابق عمل کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ تھی۔

۹-سورہ الملک میں فرمان الٰہی ہے:

"ءَاَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ اَن يَّخسِفَ بِكُمُ الاَرضَ فَاِذَا هِيَ تَمُورُ"۔[155]

"کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے"۔

پھر فرمایا:

"اَم اَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ اَن يُّرسِلَ عَلَيكُم حَاصِبًا فَسَتَعلَمُونَ كَيفَ نَذِيرِ" ۔[156]

"کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے۔ سو تم عنقریب جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔"

نیز فرمایا:

"وَلَقَد كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبلِهِم فَكَيفَ كَانَ نَكِيرِ"۔[157]

---

[154] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن،۸/۵۶,۵۵۔

[155] القرآن،۶۷:۱۶۔

[156] القرآن،۶۷:۱۷۔

[157] القرآن،۶۷:۱۸۔

"اور ان لوگوں نے بھی جھٹلایا جو ان سے پہلے گزرے تو دیکھو کیسی ہوئی ان پر میری پھٹکار۔"

اس آیت میں انسان کے ضعف اور بے ثباتی کا جو ذکر ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ تنبیہ ہے کہ جو انسان اس وسیع زمین میں پھر رہا ہے اس کو اپنی طاقت اور اپنے وسائل پر اتنا غرور نہیں ہونا چاہیے کہ اسے خدا کے عذاب سے ڈرایا جائے تو وہ اس کا مذاق اڑانے لگے کہ اس پر کہاں سے عذاب آئے گا اور کون عذاب لائے گا! کیا وہ عظیم ہستی سے جو آسمانوں میں ہے اس کے عذاب سے بے خوف ہو کہ وہ زمین میں تم کو دھنسا دے بلکہ یہ تو خدا کی عنایت ہے کہ اس نے زمین کو تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا اصلاحی لکھتے ہیں:

"قریش کو قوم لوط کی تباہ شدہ بستیوں پر سے گزرنے کے مواقع اکثر حاصل ہوتے رہتے تھے اس وجہ سے قوم لوط کی تمثیل ان کے لیے موثر ہو سکتی تھی۔ یعنی آج تو تمہیں میرا انذار مذاق معلوم ہوتا ہے لیکن جب وہ سامنے آجائے گا تب تمہیں پتہ چلے گا کہ جس چیز کا تم مذاق اڑا رہے ہو وہ کس طرح حقیقت بنتی ہے اور کیسی ہولناک شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ جبکہ دوسری آیت میں قریش کو تاریخ سے سبق لینے کی ہدایت ہے کہ یہ عذاب اگر ان کے اوپر ابھی نہیں آیا ہے تو اس کے سبب سے اس کا مذاق نہ اڑائیں۔ یہ کوئی دانش مندی کی بات نہیں ہے کہ جو کچھ آدمی کے اپنے سر پر گزر جائے اسی کو مانے بلکہ دوسری قوموں کی سرگزشت سے انھیں سبق لینا چاہیے جن کو انہی کی طرح انذار کیا گیا لیکن انھوں نے اس کا مذاق اڑایا بالآخر وہ عذاب ان پر مسلط ہو کر رہا جس کا انھوں نے مذاق اڑایا۔ تو دیکھیں کس طرح ان پر میری پھٹکار ہوئی! یعنی میں نے کس نفرت و بیزاری کے ساتھ ان کو اپنے عذاب کا ہدف بننے کے لیے چھوڑ دیا اور کوئی ان کو بچانے والا نہ بن سکا۔"[158]

ان آیات میں بطور وعید کے استفہام کیا جا رہا ہے کہ اللہ پاک نے پہلی امتوں کو بھی انکی نافرمانی کے سبب ہلاک فرما دیا تو کیا یہ لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ قریش مکہ تو ان راستوں سے گزرے تھے جن جگہوں پر سابقہ اقوام پر انکی نافرمانی کے سبب عذاب آیا تھا تو انکو عبرت و نصیحت پکڑنی چاہئے تھی نا کہ وہ

---

[158] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۹/ ۴۸۰۔

اپنے ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے حق بات کو قبول کرنے سے انکار کرتے رہے۔

۱۰-سورہ القیامہ میں فرمان تعالیٰ ہے:

"وَقِيلَ مَنْ ۜ رَاقٍ "۔ [159]

"اور کہا جائے گا اب کون ہے جھاڑ پھونک کرنیوالا!"

"اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى "۔ [160]

"کیا انسان گمان رکھتا ہے کہ وہ بس یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا!"

"اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى "۔ [161]

"کیا وہ محض ٹپکائی ہوئی منی کی ایک بوند نہیں تھا!"

"اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى "۔ [162]

"کیا وہ خداوند قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے!"

ان آیات کی تفسیر میں صاحب تفسیر بیان کرتے ہیں کہ:

"عیش دنیا کے متوالوں کو یہ موت کی جان کنی اور اس وقت کی مایوسی و بے بسی کی یاد دہانی ہے کہ قیامت کو بعید از امکان نہ سمجھو۔ وہ لازماً آئے گی اور تمہیں خدا کی طرف اس دن سفر کرنا ہو گا جب تمہاری ساری جولانیاں ختم ہو جائیں گی اور بے بسی کا یہ حال ہو گا کہ پنڈلی سے پنڈلی لپٹی ہوئی ہو گی۔ بہتر ہے کہ اس سے پہلے کہ جان ہنسلی میں آ پھنسے اور پنڈلی پنڈلی سے لپٹ کے رہ جائے خدا کی طرف بھاگو اور اس سفر کے لیے کچھ سامان کر لو اور وہ پکاریں گے، ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا! گویا ایسا سخت وقت ہو گا کہ کوئی شخص قائل کی طرف توجہ کرنے والا نہیں ہو گا، ہمارے نزدیک یہاں دو تاویلوں کا احتمال ہے۔ پہلی تاویل یہ

---

[159] القرآن،۷۵:۲۷۔

[160] القرآن،۷۵:۳۶۔

[161] القرآن،۷۵:۳۷۔

[162] القرآن،۷۵:۴۰۔

ہے کہ جب موت کی بے ہوشی طاری ہو گی اور جان سینے میں گھٹنے لگے گی تو تیماردار گھبرا کر پکاریں گے کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا جو اس جاں بلب کا علاج کرے! دوسری تاویل یہ ہے کہ وہ کہیں گے کہ بس اب معاملہ آخر ہو چکا! اب کون اس کو شفا دے سکتا ہے! یہ اظہار یاس کا فقرہ ہے اور یہ سن کر مریض کو یقین ہو جائے گا کہ بس اب چل چلاؤ کا وقت ہے۔[163]

اب آخر میں اسی سوال کو لے کر اس کا جواب دیا کہ جو لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے پر تعجب کر رہے ہیں کیا وہ یہ گمان کیے بیٹھے ہیں کہ انسان غیر مسؤل چھوڑ دیا جائے گا! اگر غیر مسؤل چھوڑ دیا جانا خدا کے عدل اور اس کی حکمت کے منافی ہے تو خدا کے لیے انسان کو دوبارہ پیدا کر دینا کیوں مشکل ہو جائے گا؟ کیا وہ خود اپنی خلقت کے مراحل پر غور نہیں کرتے کہ انسان پانی کی ایک بوند سے پیدا ہوتا ہے جو رحم میں ٹپکا دی جاتی ہے۔ ٹپکا دینے والا ایک بوند ٹپکا کر الگ ہو جاتا ہے، پھر اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ بوند کہاں اور کس حال میں ہے۔ بعد کے سارے تصرفات اس پر قدرت کرتی ہے اور تہ بہ تہ تاریکیوں کے اندر وہ اپنی صنعت گری سے اس کو مختلف مراحل سے گزارتی ہے۔ پانی کی بوند خون کی ایک پھٹکی کی شکل اختیار کرتی ہے۔ پھر اس کا خاکہ تیار ہوتا ہے۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے جاتے ہیں۔ بالآخر قدرت اس کو مرد یا عورت بنا کر وجود میں لاتی ہے۔ ان تمام مراحل میں قدرت ہی اس پر سارے تصرفات کرتا ہے۔ اب غور کرو کہ جس خدا نے اپنی قدرت، حکمت اور صنعت گری کی یہ شانیں تمہارے وجود کے اندر تمہیں مشاہدہ کرائی ہیں کیا وہ تمہارے مر جانے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کر دینے پر قادر نہیں ہو گا!"[164]

ان آیات میں اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق کو بیان کرتے ہوئے بطور یاد دہانی کے استفہام فرما رہے ہیں کہ تم لوگوں کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ کون ہے جس نے تمہیں ایک نطفے سے پیدا فرمایا کس بات کا غرور ہے کہ تم اسی کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو تو جو خدا تمہیں ایک دفعہ بنانے پر قدرت رکھتا ہے تو اس کے لئے دوبارہ پیدا کرنا کیونکر مشکل ہو سکتا ہے۔ تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ انسان کا پیدا ہونا تمہاری کاریگری ہے بلکہ

---

[163] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۹/ ۴۸۰۔
[164] اصلاحی، تدبرِ قرآن، ۹/ ۴۸۲۔

نہیں اللہ پاک ہی اس ساری تخلیق کو مکمل کرتا ہے اور انسان کا اس میں کوئی ارادہ واختیار نہیں ہے۔
۱۱- سورہ العادیات میں اللہ فرماتے ہیں:

"اَفَلَا یَعلَمُ اِذَا بُعثِرَ مَا فِی القُبُورِ "۔[165]

"کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب قبریں اگلوائی جائیں گی"

اس آیت میں قیامت کو ہولناک منظر پیش کیا جارہا ہے جب اللہ کے حکم سے اسرافیل صور پھونکیں گے اور سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا قبریں شق ہو جائیں گی اور سب لوگ اللہ کے حضور دوڑیں گے کسی کو کسی کی پرواہ نہ ہو گی ہر انسان اپنے بچاؤ کے لئے دوڑ رہا ہو گا تو کیا یہ لوگ غور وفکر نہیں کرتے کہ اس ہولناک منظر میں نجات صرف ان لوگوں کے لئے ہی ہے جو اللہ اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور نیک اعمال کرتے ہیں اللہ کی اطاعت وفرمانبرداری میں اپنی زندگی گزارتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں:

اس آیت میں ناشکرے اور زر پرست انسانوں کو تنبیہ ہے کہ کیا وہ اس دن کو نہیں جانتے جب وہ سب کچھ جو قبروں میں ہے اگلوا لیا جائے گا اور جو کچھ لوگوں کے سینوں میں ہے وہ نکلوا لیا جائے گا۔ قبروں کے اندر سے مردوں کو نکلوانا تو بالکل واضح ہے اس سے وہ فتنے بھی مراد ہیں جو بخیل مال دار، خدا اور اس کے بندوں کے حقوق مار کر، زمینوں میں دفن کر چھوڑتے ہیں۔ 'بُعثِرَ' کے معنی ہیں کسی جمع کی ہوئی چیز کو جائزہ لینے کے لیے پراگندہ اور متفرق کر دینا۔ یعنی اس دن کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہ جائے گی بلکہ ہر چیز سب کے سامنے آجائے گی۔ اعمال کے ریکارڈ کے ساتھ محرکات اعمال کا ریکارڈ بھی خدا کے سامنے ہو گا یعنی دفینوں کی طرح سینوں کے سارے راز بھی اکٹھے کر لیے جائیں گے تا کہ ہر شخص پر حجت قائم کی جاسکے کہ کس نے کون سا عمل کس محرک کے تحت کیا ہے۔ یہ امر واضح رہے کہ کوئی شخص کتنا ہی غلط کام کرے لیکن وہ اس کو جائز ثابت کرنے کے لیے کوئی اچھا محرک تلاش کرنے کی ضرور کوشش کرتا ہے تا کہ اپنے ضمیر کو بھی چپ کر سکے اور دوسروں کی تنقید و تحقیر سے بھی اپنے کو بچا سکے۔ خاص طور پر وہ لوگ جو اپنے

---

[165] القرآن، ۱۰۰:۹۔

کو مذہبی روپ میں پیش کرتے یا قیادت کے مقام پر فائز ہوتے یا ہونے کے متمنی ہوتے ہیں وہ تو اس کے بغیر کوئی کام کر ہی نہیں سکتے۔ وہ اپنے باطن کو خلق کی نگاہوں سے چھپائے رکھنے کے لیے اس طرح کا کوئی لبادہ ضرور ایجاد کر لیتے ہیں۔ اس قسم کے شاطروں کو اس آیت میں متنبہ فرمایا گیا ہے کہ اس دن ان کے اعمال کے ریکارڈ کے ساتھ ساتھ ان کے محرکات کا سارا ریکارڈ بھی ان کے اور ان کے رب کے سامنے ہو گا۔"[166]

اس آیت میں یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ تم جو بھی اعمال لوگوں سے چھپا کر کرو گے قیامت کے دن زمین وہ سارے راز اگل دے گی یہاں اللہ پاک بطور انذار کے سوال فرما رہے ہیں کہ تم کو اس دن کہ ہولناکیوں سے ڈرانے کا مقصد یہ ہے کہ تم عبرت حاصل کرو تم نصیحت حاصل کرو جبکہ تم لوگ اپنی سرکشی میں مبتلا ہو اور آخرت کی فکر نہیں کرتے جس دن کوئی انسان بھی کسی کے کام نہ آسکے گا اور ہر انسان کو اس کے اچھے اور برے اعمال کی بدولت جزا اور سزا دی جائے گی۔

خلاصہ بحث

آخرت پر یقین ہر مسلمان کا بنیادی عقیدہ ہے مرنے کے بعد اللہ کے حضور تمام انسانوں نے پیش ہو کر اپنے کئے گئے اعمال کا حساب دینا ہے اللہ تعالیٰ سے کوئی بھی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ ہمارے ہر عمل سے باخبر ہے انسان کی زندگی کا ایک مقصد ہے جس کے تحت انسان کی تخلیق کی گئی اس لئے ہمیں آخرت کی تیاری کے لئے کوشش کرنی چاہیے تاکہ ہم قیامت کے دن شرمندگی سے بچ سکیں اور کامیاب ہو کر اپنے پروردگار کی خوشنودی حاصل کر سکیں۔ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کا اللہ کے سامنے جوابدہ ہے اس کے خاتمے کے بعد ایک اور جہان بنایا جائے گا جس میں سب کو جمع کر کے ہر ایک کو اپنے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ عقیدہ آخرت کوئی خیالی یا فرضی بات نہیں ہے بلکہ ایک اٹل حقیقت ہے دنیا میں کتنے ہی لوگ ہیں جو برے اعمال کر کے بھی پکڑے نہیں جاتے کسی کی گرفت میں نہیں آتے اگر آخرت نہ ہوتی تو ان کو سزا کیسے ملتی؟ اس لئے کائنات ہے ایک ایسا دن ضرور آئے گا جب سب کچھ ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ہر شے ختم ہو جائے گی سب کچھ فنا ہونے کے بعد انسان دوبارہ اٹھائیں

[166] اصلاحی، تفسیر تدبر قرآن، ۹/ ۵۲۰۔

جائینگے ان کے اعمال کے حساب ہو گا اور نہ کوئی کسی کی مدد کر سکے گا اور نہ کسی کے کام آسکے گا اپنے عمل ہی کام آئیں گے اور جزاوسزا کا فیصلہ ہو گا۔

اس فصل میں تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں عقیدہ آخرت کے ضمن میں مختلف آیات کی وضاحت کی گئیہے اور اس میں سوال کرنے کی حکمت اور نوعیت کو بھی بیان کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۶۰، سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۰۶، سورۃ الانعام آیت نمبر ۱۵۸، سورۃ الاعراف آیت نمبر ۸۴، سورہ یونس آیت نمبر ۵۱,۵۲,۵۳، سورۃ القصص آیت نمبر ۶۱، ۶۲,۶۵، سورہ یاسین آیت نمبر ۶۰، ۶۲، ۶۶، سورۃ القمر آیت نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، سورہ الملک آیت نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، سورۃ القیامۃ آیت نمبر ۲،۷، ۳۶، ۳۷، ۴۰، سورہ العادیات آیت نمبر ۹۔

باب پنجم: آیاتِ استفہام کے فہم میں تفسیر ضیاء القرآن کا کردار

فصل اول: پیر محمد کرم شاہ الازہری کے حالاتِ زندگی

حالات زندگی

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کا سلسلہ نسب

آپ کا سلسلہ نسب ۲۲ واسطوں سے حضرت غوث العالمین بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی سے جاملتا ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔

حضرت پیر محمد کرم شاہؒ بن حضرت پیر محمد شاہ صاحبؒ بن حضرت امیر شاہ بن حضرت پیر شاہؒ بن حضرت شمس الدینؒ بن حضرت عبد اللہ شاہؒ بن حضرت محمد غوثؒ بن حضرت غلام محمد حسین شاہؒ بن حضرت شیخ محمدؒ بن حضرت شیخ محمودؒ بن حضرت شیخ احمدؒ بن حضرت شیخ نظام الدینؒ بن حضرت شمس الدین لاہور لقب کروڑیؒ بن حضرت شیخ صدرالدین بادشاہؒ بن حضرت شہر اللہ صاحب سجادہؒ بن حضرت یوسفؒ بن حضرت شیخ عماد الدینؒ بن حضرت حاجیؒ بن حضرت شیخ رکن الدین سمرقندیؒ بن حضرت صدرالدین حاجیؒ بن حضرت شیخ اسماعیل شہیدؒ بن حضرت مولانا صدرالدین قتال عارف باللہؒ بن حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی۔[167]

پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کی ولادت

آپ نسباً ہاشمی قریشی اور مسلکاً حنفی ہیں۔ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء سہ شنبہ بعد از نماز تراویح بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں آپ کی ولادت ہوئی۔[168]

تعلیم و تربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر بھیرہ میں حاصل کی اور ساتھ ہی اپنے والد محترم کے قائم کردہ مدرسہ "دارالعلوم محمدیہ غوثیہ" میں دینی تعلیم کے حصول کا آغاز کیا۔ والد محترم نے اپنے صاحبزادے کی تعلیم کے لیے خصوصی انتظامات کیے۔

---

[167] ماہنامہ ضیائے حرم، ضیاء الامت نمبر، لاہور، حامد جمیل پرنٹرز، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۔۲۳

[168] ایضاً ص ۲۳

قرآن کی تعلیم

خاندانی روایت کے مطابق آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا جن اساتذہ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی ان کے نام یہ ہیں:

حافظ دوست محمد، حافظ مغل، حافظ بیگ

ثقہ روایت یہ ہے کہ حافظ دوست محمد سے تعلیم کا آغاز ہوا۔ قرآن کریم کا کچھ حصہ حافظ مغل سے اور کچھ حصہ بیگ سے پڑھا۔ ختم قرآن کے بعد ایک مدت تک حافظ کرم علی کو قرآن کریم سناتے رہے۔[169]

سکول کی تعلیم کا آغاز

محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول کا آغاز ۱۹۲۵ء میں ہوا۔ آپ اس سکول کے پہلے طالب علم ہیں۔ اس لحاظ سے سات سال کی عمر میں تعلیم کا آغاز کیا۔ قرین قیاس بات یہ ہے کہ آپ دربار عالیہ سے متصل درس قرآن میں بھی شامل ہوتے رہے اور ساتھ ہی سکول کی تعلیم کا بھی آغاز کر دیا۔

سکول کے اساتذہ میں سے پہلے استاد کا نام ماسٹر برخوردار تھا۔ جو محمدیہ غوثیہ سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ پرائمری سکول میں اس وقت چار کلاسز ہوتی تھیں۔ اس لحاظ سے سکول میں آپ کی تعلیم کا سلسلہ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۲۹ء تک رہا۔ اس کے بعد آپ نے ہائی سکول میں داخلہ لے لیا۔ہائی سکول میں تعلیم کے دوران جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

محترم چوہدری ظفر احمد، محترم فرمان شاہ، محترم قاضی محمد صدیق، محترم شیخ خورشید احمد

یہ سب وہ اساتذہ ہیں کہ جن کے اثرات آپ کی طبیعت پر گہرے ہیں۔[170]

اورینٹل کالج میں داخلہ

اس دور میں چونکہ فاضل عربی کا امتحان یونیورسٹی کے زیر نگرانی ہوتا تھا۔ اس لیے آپ نے فاضل عربی کے لیے ۱۹۴۱ء میں اورینٹل کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ اس کالج میں جن اساتذہ سے استفادہ کیا ان کے نام درج ذیل ہیں:

---

[169] ماہنامہ ضیائے حرم، ضیاء الامت نمبر، لاہور، حامد جمیل پرنٹرز، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۔
[170] ایضاً ص ۲۵

شیخ محمد عربی، محترم رسول خان صاحب، مولانا نور الحق صاحب[171]

اعلیٰ تعلیم کا حصول

پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اعلیٰ تعلیم کے لیے ان تھک کوششیں کیں۔ ۱۹۴۳ء میں دورہ حدیث کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے سر پر حضرت دیوان صاحب آل رسول اجمیری نے دستار بندھائی اور سند عطا کرتے ہوئے حضرت صدرالافاضل نے فرمایا:

"میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس دینی علوم اور حدیث طیبہ کی جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچا دی ہے"۔[172]

جامعۃ الازہر مصر میں دینی اسلامی لاء میں تخصص

آپ کے بزرگوں کی خواہش تھی کہ اپنے بیٹے کو جامعۃ الازہر مصر سے تعلیم دلوائی جائے چنانچہ ۱۹۴۵ء میں پنجاب یونیورسٹی سے بی-اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کو ۱۹۵۱ء میں جامعۃ الازہر مصر میں داخل کروادیا گیا۔ مصر روانگی سے پہلے پیر صاحب اپنے والد محترم کی نصیحت کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والد محترم اور خاندان والے سرگودھا ریلوے اسٹیشن سے کراچی روانہ کرنے کے لیے ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ہوئے تھے کہ والد محترم نے فرمایا:

"میرے بیٹے میں اپنے بڑھاپے کے ایام میں آپ کو علم حاصل کرنے کے لیے اپنے وطن سے دور اتنے لمبے سفر پر بھیج رہا ہوں جب کہ آپ میری بیماری کی حالت میں میرے لیے بہترین سہارا بن سکتے ہیں۔ مگر میں اپنی ذاتی مجبوریوں پر دین کو ترجیح دے رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ پوری توجہ سے دینی علوم میں اعلیٰ مقام حاصل کریں اور وطن واپس آکر امت مسلمہ کو فیض یاب کریں۔"[173]

بوڑھے باپ کی نصیحت و وصیت پیر محمد کرم شاہ کے خاندان کی علم دوستی اور دینی خدمت کا واضح ثبوت ہے۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۴ء تک جامعۃ الازہر قاہرہ مصر میں تعلیم و تحقیق میں مصروف رہے اور "الشہادۃ

---

[171] حافظ خان محمد قادری، کرم ہی کرم، لاہور، اورینٹل پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء، ص ۲۴

[172] ضیاء الامت نمبر، ص ۳۰

[173] ایضاً ص ۳۲

العالمیۃ" و" تخصص القضا" کی اعلیٰ سندات حاصل کیں۔ حصول علم کا شوق اور محنت کا یہ جذبہ بیرون ملک میں اور زیادہ شدت اختیار کر گیا۔

آپ نے دوران تعلیم جان سوزی کا مظاہرہ کیا کہ پورے چھ سال کا کورس ساڑھے تین سال کے عرصہ میں مکمل کیا اور قیام ازہر کے دوران تعلیمی میدان میں وہ کردار پیش کیا کہ اساتذہ و طلباء سبھی کی نظروں میں مقبول اور محترم بن گئے۔ اپ نے انتھک محنت کی اور بھرپور کوشش کے ساتھ جامعۃ ازھر میں تکمیل علم کی اور ۱۹۵۴ء میں سند فراغ لے کر واپس پاکستان لوٹے۔[174]

سنت خیر الانام کی تالیف

پیر کرم شاہ صاحب الازھری نے زمانہ طالب علمی میں کتاب " سنت خیر الانام " تالیف فرمائی۔ جس نے باطل کے ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا۔ فتنی انکار حدیث کا اس موثر اور مسکت انداز میں رد کیا کہ خود غلام احمد پرویز بھی بلا اختیار یہ اعتراف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس سے پہلے اس دلنشین انداز میں اس کا جواب کسی نے نہیں دیا۔[175]

عملی زندگی کا آغاز

جامعۃ الازھر مصر سے واپس آکر دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ کی نشاۃ ثانیہ کا اہتمام کیا۔ دینی مدارس میں رائج قدیم نصاب تعلیم اور عصری علوم کی آمیزش سے نیا نصاب تیار کر کے اپنے ہی دار العلوم میں جاری کیا۔ ابتدائی کلاس پانچ طلباء پر مشتمل تھی اسے لے کر اس عزم و ہمت اور استقامت سے چلے کہ دار العلوم طلباء کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس دار العلوم کی پچیس شاخیں اندرون و بیرون ملک مصروف تعلیم ہیں۔[176]

پیر کرم شاہ الازھریؒ کے قائم کردہ دینی و تعلیمی ادارے

دار العلوم محمدی غوثیہ کی تحریک جس کا آغاز پانچ طلباء اور مسجد درگاہ حضرت امیر السالکینؒ سے متصل

---

[174] ایضاً ص ۳۴

[175] ایضاً ص ۳۴۹

[176] عمران حسین چودھری، اجالوں کا نقیب، پیر کرم شاہ الازھری، لاہور، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۰۔

ایک حجرہ سے ہوا تھا۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازھری کی سرپرستی میں بے شمار تعلیمی ادارے اندرون ملک اور بیرون ملک دینی اور علمی خدمات دے رہے ہیں۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ خیابان کرم چک شہزاد اسلام آباد

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ رستم آباد چک جھمرہ اسلام آباد

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سرگودھا

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ جلیانہ تحصیل شاہ پور ضلع سرگودھا

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ رانا نگر بادامی باغ لاہور

دارالعلوم ضیاء القرآن سعید آباد بوکن گجرات

جامعہ حیدریہ فضل العلوم جلال پور شریف

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سیالکوٹ کینٹ

دارالعلوم قمر الاسلام سلیمانیہ پنجاب کالونی کراچی

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ الفرید ٹاؤن منڈی بہاؤالدین

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ فاضل بھکر

جامعہ اکرم انگلینڈ

دارالعلوم گلزار حبیب میرپور آزاد کشمیر

جامعہ اسلامیہ مجددیہ رضویہ چکسواری میرپور آزاد کشمیر

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ ملک وال

دارالعلوم قادریہ وارثیہ گوجر خان

جامعہ قمر العلوم معظمیہ قمر سیالوی روڈ گجرات[177]

صحافت اور ضیائے حرم کا اجراء

۱۹۷۰ء کو آپ نے صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔ آپ نے ایک ماہنامہ "ضیائے حرم" قوم کی نذر کیا۔

[177] دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، نمبر جون ۱۹۹۶ء، ص ۱۸۱۔۲۴۱

ضیائے حرم نے ہر میدان میں خواہ وہ معاشرتی ہوں یا مذہبی یا سیاسی ہوں یا معاشی اس نے اپنا مضبوط موقف پیش کیا۔[178]

عدالتی خدمات

پیر محمد کرم شاہ صاحب جون ۱۹۸۱ء میں اسلامی شریعت کورٹ کے جج مقرر ہوئے ایک سال تین ماہ اس عدالت میں خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو سپریم کورٹ کی شریعت اپیلنٹ بینچ میں بطور جسٹس کام کرنا شروع کیا اور اپنی طبعی عمر کے آخری ایام تک اس منصب پر فائز رہے۔

عدالتی ذمہ داریوں کے اس دورانیہ روز میں روز مرہ کے مقدمات کی سماعت کے ساتھ ساتھ بعض انتہائی اہم آئینی مقدمات بھی زیر سماعت آئے۔ دوسرے جج صاحبان کی معیت میں ان مقدمات کی سماعت کے بعد آپ نے نہایت واضح دوٹوک اور دقیع انداز میں ایسے فیصلے رقم فرمائے، جن کے نتیجہ میں پاکستان کی وزارت قانون کو اپنے آئین سے متعدد غیر اسلامی دفعات حذف کر کے انقلابی تبدیلیاں کرنا پڑیں۔

حد رجم، قانون شفعہ، زرعی اصلاحات، جبری ریٹائرمنٹ، قبضہ مخالفہ، انعامی بانڈز سکیم، فلم سازی، شناختی کارڈ کے لیے تصاویر اور ان جیسے درجنوں موضوعات ہیں جن پر آپ کے فیصلے پاکستان عدلیہ کے لیے رون مینا کی حیثیت رکھتے ہیں۔[179]

تصانیف

حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہؒ الازھری نے اپنی ترجیحات صرف ایک تعلیمی ادارے پر ہی مرکوز نہ کیں بلکہ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا جائزہ لے کر تصنیف و تالیف اور صحافت کے میدان میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔

آپ کی چند مشہور تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ تفسیر ضیاء القرآن (۵ جلدیں)
۲۔ سیرت ضیاء النبی ﷺ (۷ جلدیں)
۳۔ سنت خیر الانام
۴۔ مقالات ضیاء الامت (۵ جلدیں)

---

[178] ضیاء الامت نمبر، ص ۵۵۱
[179] ایضاً ص ۴۰۹

۵۔ دلائل توحید
۶۔ شرح قصیدہ اطیب النغم
۷۔ ابر کرم
۸۔ فتنہ انکار حدیث
۹۔ علوم نبوت پیر مرید کا تعلق
۱۰۔ رویت ہلال اور اس کا شرعی ثبوت
۱۱۔ عزم و توکل
۱۲۔ تبارک الذی
۱۳۔ پیمان فروشی
۱۴۔ حقیقت شرک اور اس کا بطلان
۱۵۔ محسن کائنات
۱۶۔ اسلامی فلسفی عدل و انصاف
۱۷۔ دورہ چین کے تاثرات
۱۸۔ حضرت امام حسین اور یزید
۱۹۔ کمالات مصطفیٰ ﷺ
۲۰۔ غفلت کا انجام کلمہ طیبہ

وفات

آپ کو کافی عرصہ سے ذیابیطس کا مرض تھا۔ آہستہ آہستہ اعصابی کمزوری بڑھتی گئی یہاں تک کہ بغیر سہارے چلنا مشکل ہو گیا۔ بیماری جھیلتے جھیلتے آخر کار وہ ذوالحجہ کا دن آگیا۔ ساڑھے سات بجے تک آپ کی طبیعت قدرے بہتر تھی۔ ۸ بجے اچانک کیفیت بدلنے لگی۔ آخر کار ۹ ذوالحجہ ۱۴۱۸ھ بمطابق ۱۸ اپریل ۱۹۹۸ء ۹ بج کر ۲۷ منٹ پر آپ کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو بھیرہ شریف میں دفن کیا گیا۔[180]

[180] الازھری پیر محمد کرم شاہ، محسن کائنات، سرگودھا، مکتبہ المجاہد، ص۱۶۔

فصل دوم: آیاتِ استفہام میں فہم ایمانیات

ایمان دین کا ایک اہم جزو ہے اسکے تمام ارکان پر یقین و عمل کے بغیر ایمان مکمل ہونا ناممکن ہے اسی لئے اسلام میں سب سے زیادہ عقیدے پر زور دیا گیا ہے اگر عقیدہ درست ہے تو مسلمان کے لئے نجات کا باعث ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار ہی اس کی بنیاد ہے اللہ کو اس کی ذات، صفات اور صفات کے تمام تقاضوں میں ایک آلہ ماننا ہی توحید ہے ہر چیز بنانے والا وہ ایک ہی اللہ ہے ہر کام سنوارنے والا وہ ایک ہی اللہ ہے لوگوں کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل فرمانے اور ان مقدس کتابوں کی تعلیمات کو پہنچانے کے لئے پیغمبروں کا سلسلہ جاری کرنے والا اور فرشتوں کے ذریعے وحی اپنے انبیاء کرام تک پہنچانے والا وہ ایک ہی اللہ عزوجل ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز ہے تمام تر اختیارات اسی کے پاس ہیں جس کو چاہے فراخی عطا فرمائے، جسکو چاہے تنگدست کر دے، جس کو چاہے اولاد کی کثرت عطا کر دے اور جسے چاہے بانجھ کر دے اسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے اور یہی مکمل ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَالرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ"۔ [181]

"اور تمہارا معبود ایک ہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے"

سید فضل الرحمن لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں اللہ اپنی وحدانیت اور رحمت کا ذکر فرما کر کافروں پر واضح فرما دیا کہ وہی ایک معبود ہے جو رحمن اور رحیم ہے اس کے سوا کوئی پناہ نہیں جو تمہیں اس کی لعنت سے چھڑا سکے۔ رحمت عامہ اور رحمت خاصہ سب اسی کے ہاتھ میں ہے اس لئے اس کی رحمت کے سوا لعنت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوتا تو وہ شاید تمہیں لعنت سے نکال لیتا اور تم پر رحمت کرتا مگر اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جو رحمن بھی ہو اور رحیم بھی، لہذا تمہارے بچنے کی کوئی صورت نہیں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اہل کتاب کے لئے تہدید اور عتاب ہو کہ تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ کی توحید

---

[181] البقرہ، ۲: ۱۶۳۔

صراحتاً مذکور ہے پھر بھی تم لوگ شرک کرتے ہو اور توحید کو چھپاتے ہو"۔[182]

" اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اسکی صفات، عبادت، دعا اور حکم میں اسکی وحدانیت پر ایمان لانا، فرشتے جو اسکی نوری مخلوق اور اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لئے پیدا کیئے گئے ہیں ان پر ایمان لانا، اللہ کی نازل کردہ کتابوں تورات، زبور، انجیل اور سب سے افضل قرآن مجید پر ایمان لانا، انبیاء کرام کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا ان سب انبیاء پر بغیر تفریق کے ایمان لانا، قیامت جو اعمال کے محاسبے اور جزا کا دن ہے اس پر ایمان لانا اچھی یا بری تقدیر پر ایمان لانا اور جائز اسباب اپناتے ہوئے ہر انسان کو اچھی یا بری تقدیر پر راضی رہنا چاہیے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی ہے یہ تمام ایمانیات کے اجزا ہیں"۔[183]

اس فصل میں ایمانیات کے ضمن میں درج ذیل آیات پیش کی جارہی ہیں۔

(۱)-سورۃ النسآء میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا"۔[184]

"رہے وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں، تو انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہو گا"۔

اس آیت میں اللہ پاک بیان فرمارہے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائیں گے اور نیک اعمال کریں گے تو ان کو جنت میں داخل کیا جائے گا اور اس جنت میں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اس کی نعمتوں سے ہمیشہ فائدہ اٹھاتے رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ بالکل سچا ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ سب سے پہلے تو یہ امر ملحوظ رہے کہ ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ ہی شرط ہے جو جنت میں جانے کی ضامن ہے کیونکہ جو شخص اللہ پر ایمان

[182] سید فضل الرحمن، احسن البیان فی تفسیر القرآن، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، اکتوبر ۱۹۹۲ء، ۲۰/۱۔

[183] محمد بن جمیل، ارکان اسلام و ایمان، مکتبہ بیت السلام ہند، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۔

[184] القرآن، ۴:۱۲۲۔

لاتا ہے اس کی فرمانبرداری کرتا ہے اسکی اطاعت اس پر فرض ہو جاتی ہے وہ اسکے تعلیمات کے مطابق ہی زندگی گزارتا ہے تو پھر اس کے لئے اللہ نے ہمیشگی کے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ سے زیادہ کس کا وعدہ سچا ہو سکتا ہے اور یہ بطور تعجب کے فرمایا گیا ہے کہ جو ذات ہمیں بنانے والی ہے نعمتیں عطا کرنے والی ہے تو وہ کیسے ممکن ہے کہ ہم سے کوئی وعدہ کرے تو وہ پورا نہ ہو۔اس آیت میں واضح ہو گیا کہ جو انسان بھی ایمان کے بعد اعمالِ صالحہ کرتا ہے کامیابی اس کا مقدر بن جائے گی اور وہ کامیاب و کامران ہو جائے گا۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"شیطان کے سارے وعدے تو جھوٹے ہیں لیکن اللہ تعالی نے جو وعدہ فرمایا ہے وہ یقیناپورا فرمائے گا اور اللہ پاک نے واضح کر دیا کہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کے شرط لگا دی گئی ہے اس لئے انسان کو ایمان کے بعد اللہ کے حکم و کے مطابق زندگی گزارنے اور اسکی اطاعت کے بعد ہی وہ جنت میں جانے کا اہل ہو گا اور اللہ کی ذات تو وہ بلند ذات ہے جو اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا ان لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل کر دیا جائے گا"۔[185]

"وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۔"[186]

"اُس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیمؑ کے طریقے کی پیروی کی، اُس ابراہیمؑ کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست بنا لیا تھا"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"لفظ خلیل کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب المنار لکھتے ہیں کہ خلیل کا لفظ اس حبیب اور محب پر بولا جاتا ہے

---

[185] کرم شاہ، پیر محمد، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ۱/ ۳۹۶۔

[186] القرآن، ۴:۱۲۵۔

جس کے دل میں اپنے محبوب کی محبت یوں رچ بس جائے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔اے محبوب جہاں جہاں میری روح ہے تیرا عشق وہاں سما گیا ہے اسی وجہ سے تو خلیل کو خلیل کہا جاتا ہے۔صاحب روح المعانیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کا جو مقام محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا ہے وہ اتنا بلند ہے کہ حضرت خلیل کا طائر آرزو بھی وہاں پر نہیں مار سکتا۔"[187]

اس آیت میں وضاحت کی گئی ہے جو اسلام قبول کر لے اللہ کے آگے سر کو جھکا دیا اور اس کے بعد نیکی کرنے والا ہو یعنی اللہ کی عبادت کرنے والا ہو اور اس نے اللہ کے نازل کردہ دین کی پیروی کی ہو جو تمام انبیاء کا دین ہے یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ جیسے یہودی کہتے تھے ہم ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم دین ابراہیم پر ہے تو انکو بتا دیا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہی تو وہ دین ہے جس کی تعلیمات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچائیں ہیں کیونکہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام بھی دین حنیف پر قائم تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی دین کو پھیلانے آئے تھے تو اللہ پاک نے یہ بات واضح فرما دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہی صحیح دین ہے اور اللہ کا وعدہ ہے جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو اختیار کرے گا وہی شخص کامیاب ہو گا اور بطور تعجب اپنے بندوں سے سوال فرما رہے ہیں کہ اللہ سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے؟ تو یہ اس لئے کیا گیا کہ جو سیدھے راستے پر چلے گا وہ شخص کامیاب ہو گا۔

(۲)-سورۃ التوبہ میں ارشاد ربانی ہے:

"اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ"۔[188]

---

[187] کرم شاہ، ضیاء القرآن، ۱/ ۳۹۷-۳۹۸۔

[188] القرآن، ۹: ۱۲۷-۱۲۶۔

"کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں؟ مگر اِس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔ جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ لوگ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہیں کہ کہیں کوئی تم کو دیکھ تو نہیں رہا ہے، پھر چپکے سے نکل بھاگتے ہیں اللہ نے ان کے دل پھیر دیے ہیں کیونکہ یہ ناسمجھ لوگ ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو یہ منافق اس مجلس میں ہوتے تو ان کا جی چاہتا کہ کسی بہانے یہاں سے بھاگ نکلیں ایک تو انھیں قرآن سے کوئی دلچسپی نہ تھی دوسرا انھیں یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں ایسی آیتیں نہ اتریں جن میں ان کو رسوا کیا گیا ہو۔ اگر یونہی اٹھ کر چلتے ہیں تو اپنے نفاق کا راز فاش ہونے کا خطرہ ہے۔ اس لیے ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ صحابہ اللہ تعالی کا کلام سننے میں مستغرق ہیں کہ انھیں دنیاوآخرت کی خبر بھی نہ ہو۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے میرے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے منہ موڑا تو ہم نے ان کے دلوں کو حق قبول کرنے سے منہ موڑ دیا ثم انصرفوا صرف الله قلوبهم کے الفاظ بڑے غور کے مستحق ہیں۔ ان کی کم عقلی اور نادانی کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ نبی رحمت تشریف لائے اور اپنا دامن کرم پھیلا دیا اور وہ کم نصیب دور بھاگتے رہے۔ جان بلب مریض پر مسیحا امرت کا جام ہاتھ میں لیے کھڑا ہوتا ہے اور منتیں کرتا ہے کہ ایک گھونٹ حلق سے نیچے اتار لو صحت یاب ہو جاؤ گے لیکن وہ بضد ہے کہ مرنا منظور ہے لیکن دوا نہیں پیے گا وہ دین آیا جو ان کو دنیا بھر کا امام بنانا چاہتا ہے اور وہ حجر و شجر کی بندگی پر قناعت کیے بیٹھے ہیں۔ ان کو کتاب مقدس دی گئ جس کی ہر سطر سے علم و عرفان کا آفتاب جہاں تاب ہو رہا ہے اور وہ جہالت کے اندھیروں سے چمٹے رہنے پر بضد ہیں۔ ان کی انھیں احسان ناشناسیوں کی سزا انہیں یہ دی گئ کہ ان کے دل کی آنکھ بے نور کر دی گئ فہم و فراست کا جوہر ان سے چھین لیا گیا اور ہلاکت و بربادی کی جس پستی میں وہ گرنا چاہتے تھے اس میں انھیں گرنے دیا گیا۔"[189]

---

[189] کرم شاہ، ضیاء القران ۲/۲۶۸۔

اس آیت میں وضاحت کی جارہی ہے کہ منافقین کی یہ روش ہوتی تھی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اسلام کی تعلیم دیتے تھے تو وہ ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے راز کا انکشاف نہ ہوجائے اس لئے وہ آپس میں اشاروں میں باتیں کرتے تھے کہ ان کے پاس سے کھسک جاتے ہیں تو اللہ فرماتے ہیں کہ جس طرح انہوں نے ہمارے احکامات سے منہ موڑا ہے تو ہم بھی ان کے دلوں پر مہر لگادیں گے یہاں بطور انذار کے سوال کیا جارہا ہے کہ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کس طرح ان پر آزمائش آتی ہے اور یہ اللہ کو پکارتے ہیں اور اور اس آزمائش یا تکلیف کو دور کرنے والے ہیں تو یہ پھر بھی نہیں سمجھتے عقل کو استعمال نہیں کرتے کیونکہ ان کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور انکے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں اس لئے یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔

(۳)- سورۃ یونس میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ"۔ [190]

"ان میں بہت سے لوگ ہیں جو تیری باتیں سنتے ہیں، مگر کیا تو بہروں کو سنائیگا خواہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں؟"

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

"وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ"۔ [191]

"اِن میں بہت سے لوگ ہیں جو تجھے دیکھتے ہیں، مگر کیا تو اندھوں کو راہ بتائے گا خواہ انہیں کچھ نہ سُوجھتا ہو؟"۔

ان آیات میں اللہ پاک کی نعمتیں کی یاددہانی کروائی جارہی ہے کہ اللہ نے لوگوں کو سننے کے لئے دو کان عطا فرمائے ہیں اور دیکھنے کے لئے دو آنکھیں عطا فرمائیں ہیں پھر بھی یہ سچ بات کو قبول کرنے کے بارے میں تردد کا شکار ہیں تو اے نبی! جسے اللہ پاک نہ دکھانا چاہے تو وہ کسی صورت بھی نہیں دیکھ سکتا کسی صورت بھی نہیں سن سکتا تو آپ بھی یہ اختیار نہیں رکھتے کہ ان کو ہدایت دے دیں تو کیونکہ ہدایت دینا تو صرف

---

[190] القرآن، ۱۰:۴۲۔

[191] القرآن، ۱۰:۴۳۔

اللہ رب العزت کے اختیار میں ہے اور جو لوگ ہدایت کے لیے کوشش نہیں کرتے اللہ پاک ایسے لوگوں کو رسوا کر دیتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہو گا یہاں م اللہ تبارک و تعالی بطور استہزا کے ان سے سوال فرمارہے ہیں کہ ہم نے تمہیں آنکھیں دی ہیں دیکھنے کے لیے اور سننے کے لیے کان بھی دیے ہیں مگر حق بات کو نہ تم دیکھ سکتے ہو اور نہ ہی سن سکتے ہو کیونکہ تمہارے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت دینا یانہ دینا صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور کوئی بھی کسی کو ہدایت نہیں دے سکتا۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن کریم کی تلاوت فرماتے یا کچھ وعظ و نصیحت کرتے تو کفار خوب کان لگا کر سنتے لیکن کیونکہ انھوں نے دل کے کانوں میں تعصب اور نفرت کی روئی ٹھونس رکھی تھی اس لیے وہ صدائے حق کو سننے سے قاصر تھے ان کی مثال ایسے شخص کی سی تھی جو کانوں سے بہرا اور عقل سے کورا ہو۔ نہ وہ کچھ سن سکتا ہو اور نہ اشارات و قرائن سے مطلب پا سکتا ہو۔ اسی طرح کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑی ٹکٹکی لگا کر دیکھا کرتے تھے لیکن نور حق انھیں دکھائی نہیں دیتا تھا کیونکہ ان کے دل کی آنکھیں اندھی اور بے نور تھیں اور نور حق کو دیکھنا ان ظاہری آنکھوں کا کام نہیں بلکہ دیدہ دل سے ہی اس کے جلوے دیکھے جاسکتے ہیں۔[192]

(۴)- سورۃ النمل میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ"۔[193]

"بھلا وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعہ سے وہ خوشنما باغ اگائے جن کے درختوں کا اگانا تمہارے بس میں

---

[192] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۲/ ۳۰۲۔

[193] القرآن، ۲۷: ۶۰۔

نہ تھا؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا بھی (اِن کاموں میں شریک) ہے؟ (نہیں)، بلکہ یہی لوگ راہِ راست سے ہٹ کر چلے جارہے ہیں"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

" یہاں بت پرستوں اور مشرکوں سے پوچھا جارہا ہے کہ جن خداؤں کی تم پرستش کرتے ہو آخر اس کی وجہ کیا ہے کائنات کی ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ ہے ہر قسم کے انعامات کا سرچشمہ فقط اسی کی ذات وصفات ہے تو پھر کسی اور کو خدا کیوں بنایا جائے۔ چنانچہ کائنات کی مختلف چیزوں کو مشرکین کے سامنے یکے بعد دیگرے پیش کیا جارہا ہے اور ان سے پوچھا جارہا ہے کہ کیا ان کی تخلیق ان کی تحسین وتزئین اور ان کی نشوونما میں کسی اور کا بھی کوئی حصہ ہے تاکہ اسے خدا بنایا جائے اور اسے پوجا جائے۔ پہلا سوال ان سے یہ کیا گیا کہ یہ آسمان وزمین کس نے پیدا فرمائے۔ پھر یہ بتاؤ آسمان سے پانی کون برساتا ہے۔ تمھارے دائیں بائیں یہ خوش منظر باغات جو لہلہارہے ہیں کس نے اگائے ہیں تم میں تو اتنی طاقت نہیں کہ تم ایک پودا بھی لگا سکو۔ اے بتوں کو پوجنے والو بتاؤ کیا آسمان وزمین کی تخلیق یا ان باغات کی آفرینش میں کوئی اور خدا بھی شریک ہے اگر تم یہی مانتے ہو کہ ان سب کا خالق اللہ تعالی ہے تو پھر اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کیوں نہیں کرتے۔ یہ کافر بھی عجیب وغریب مخلوق ہیں اتنے واضح دلائل کے باوجود اللہ تعالی سے روگردانی کرتے ہیں یا ان بتوں کو اس کا شریک سمجھتے ہیں۔"[194]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اللہ اپنی نعمتوں کا بیان فرمارہے ہیں ہیں کہ تم دیکھو کون ہے جو آسمان سے بارش کو برساتا ہے ہے پھر وہ بارش زمین پر پڑتی ہے تو زمین اس پانی کو جذب کرکے مختلف اقسام کے پھل اور نباتات نکالتی ہے اور تم لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہو اتنا کچھ دیکھنے کے بعد اور سمجھنے کے بعد تم ابھی بھی اپنے کفر کی ہٹ دھرمی پر قائم ہوں تو تعجب ہی کیا جاسکتا ہے تو یہاں پر اللہ پاک بطور تعجب سوال فرمارہے ہیں کہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود تم لوگ اگر ایمان لانے سے محروم ہو تو پھر ایسے لوگوں کے لئے اللہ پاک نے جہنم میں جانے کا سازوسامان کر رکھا ہے اور یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس آگ میں جلتے رہیں گے اور اس وقت ان کی فریادرسی کرنے والا کوئی نہ ہوگا اور پھر افسوس کریں گے کہ

[194] کرم شاہ، ضیاء القران ۳/ ۴۵۲۔

کاش ہمیں دوبارہ زندگی مل جائے اور ہم نیک اعمال کر کے جنت کے وارث بن جائیں مگر اس وقت ایسا ہونا ناممکن ہو گا اور پچھتانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔

(۵)۔سورہ النمل میں دوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

"اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ [195]

"اور وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار بنایا اور اس کے اندر دریا رواں کیے اور اس میں (پہاڑوں کی) میخیں گاڑ دیں اور پانی کے دو ذخیروں کے درمیان پردے حائل کر دیے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا بھی (اِن کاموں میں شریک) ہے؟ نہیں، بلکہ اِن میں سے اکثر لوگ نادان ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

" قرار کا معنی ہے مستقر، قرار کے ایک لفظ میں جتنا بھی آپ غور کریں گے اللہ تعالی کی قدرت اوراس کی شان ربوبیت کے ان گنت کرشمے آپ کو یہاں سمٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ انسانی زندگی کی بقا اور نشوونما کے لیے زمین میں کن خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے، کون کون سی ایسی چیزیں ہیں جو اگر موجود نہ ہوں تو انسانی زندگی ان رعنائیوں سے یکسر خالی ہو جس سے اب اس کا دامن معمور ہے، کون کون سی ایسی چیزیں ہیں کہ اگر ان کا سراغ نہ لگایا جاسکے تو ایجاد واختراع کی بے پناہ قوتیں جو اس کی فطرت میں مضمر ہیں وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بے کار پڑی رہیں۔ ان تمام وسائل اور اسباب کی بہم رسانی کے بعد ہی انسانی زندگی کو بقا اور نشوونما نصیب ہو سکتی ہے۔ غرضیکہ قرار کے لفظ میں آپ جتنا غور کرتے چلے جائیں گے معارف ومعانی کا ایک لامتناہی سلسلہ آپ کے سامنے بے نقاب ہوتا چلا جائے گا۔"[196]

پھر مزید اسکی وضاحت فرمائی:

---

[195] القرآن، ۲۷:۶۰۔

[196] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۳/ ۴۵۵۔

"کرہ زمین محیط ہوا میں معلق ہے۔ اگر ہم اس کو پہاڑوں کے لنگروں سے ایک حالت پر قرار نہ بخشتے تو یہاں آبادی کا امکان تک نہ ہوتا۔ ہر وقت اسی قسم کے خوفناک جھٹکے آتے رہتے جن کا مشاہدہ تم گاہے بگاہے زلزلہ کی صورت میں کرتے ہو جن کی وجہ سے آن واحد میں تمھاری فلک بوس عمارتیں اور گنجان آبادیاں پیوند خاک ہو جاتی ہیں۔ دریاوں کے رخ بدل جاتے ہیں۔ زمین کے شکم سے آگ کے شعلے نکلنے لگتے ہیں۔ ہم نے اپنی قدرت و حکمت سے پہاڑوں کے کیل گاڑ کر اس کا توازن ایسا برقرار رکھا ہے کہ وہ اپنی طبعی حرکت سے متحرک ہونے کے باوجود تمھارے لیے کسی اضطراب کا باعث نہیں بنتی۔ پھر میٹھے اور کھارے پانی کو ہم نے باہم ملنے سے روکا ہوا ہے اور بسا اوقات یہ رکاوٹیں اتنی لطیف اور غیر محسوس ہوتی ہیں کہ تم ان کا انکشاف بھی نہیں کر سکتے لیکن اتنی لطافت کے باوجود وہ اتنی پختہ اور مضبوط ہوتی ہیں کہ کیا مجال کہ دونوں پانی آپس میں خلط ملط ہو سکے۔ اب بتاو یہ سب کچھ کس کی قدرت، حکمت اور علم کی جلوہ نمائی ہے کیا کوئ اور خدا ہے جس کو تم شریک کار بتا سکو جب نہیں اور یقینا نہیں تو پھر تم کسی کو الہ اور معبود کیوں بناتے ہو۔ کیا اس سے بڑی کوئ حماقت اور بھی ہو سکتی ہے۔"[197]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ معلومات کو دہرانے اور یقینی بنانے کے لیے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا تم زمین اور آسمان میں غور نہیں کرتے کہ کس طرح ہم نے زمین کو بچھادیا تاکہ تم چل سکو اور اس پر بڑے پہاڑوں کو میخوں کی طرح طرح گھاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہل سکے کہیں پر خشکی اور کہیں پر لامتناہی سمندر بنادیے اور سمندر بھی تم دیکھتے ہو کہ کچھ میٹھے ہیں اور کچھ کھارے اور ان کے درمیان ایک پردہ حائل ہے اور وہ کبھی بھی آپس میں نہیں مل سکتے اتنا کچھ دیکھنے کے بعد پھر بھی تم کسی اور کو اللہ کے ساتھ معبود بناتے ہو اور اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے باز نہیں آتے اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ جہالت اور بیوقوفی ہے اس کا پچھتاوا کل قیامت کے دن جہنم کی صورت میں تمہیں کرنا ہو گا۔

(۶)-سورۃ السجدہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

" اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ۚ بَلۡ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰىہُمۡ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ مِّنۡ

---

[197] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۳/ ۴۵۳۔

قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ"۔[198]

"کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے اِسے خود گھڑ لیا ہے؟ نہیں، بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو متنبہ کرے ایک ایسی قوم کو جس کے پاس تجھ سے پہلے کوئی متنبہ کرنے والا نہیں آیا، شاید کہ وہ ہدایت پاجائیں"۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"کفار کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام سے شدید عداوت تھی اس نے انہیں غور وفکر کرنے سے محروم کر دیا تھا۔ اس اسلام دشمنی کے باعث وہ سورج سے زیادہ روشن اور واضح صداقتوں کا انکار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہ کرتے تھے۔ اگرچہ قرآن کریم کی وضاحت وبلاغت نے ان پر سکتہ طاری کر دیا تھا اس کی تعلیمات اور قوی دلیلوں کے باعث وہ حیرت زدہ ہو کر رہ گئے تھے لیکن پھر بھی وہ یہ رٹ لگائے رہتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ انہوں نے خود اسے گھڑا اور خوامخواہ اللہ کی طرف منسوب کر دیا ان کے اس اعتراض کی لغویت سب جہان پر اور خود ان پر آشکار تھی۔ اس لیے ان کے اس اعتراض کی تردید کے لیے صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی تھا بل ھو الحق من ربک اس کے ابطال کے لیے دلائل کے انبار لگانا وقت ضائع کرنا ہے۔"[199]

"یہاں قرآن کریم کے نازل کرنے کی غرض وغایت بیان کر دی کہ وہ لوگ جو عرصہ دراز سے دشت ضلالت میں بھٹک رہے تھے اپنے نفس کی رذیل خواہشات کی تکمیل کے بغیر ان کے سامنے زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا جو اپنے انجام سے بے خبر فسق وفجور کا ارتکاب کر رہے تھے، جنہیں عرصہ دراز سے کسی نے آکر ٹوکا نہیں تھا۔ اے محبوب ہم نے یہ کتاب منیر اس لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ انہیں خواب غفلت سے بیدار کر دیں اور کفر وشرک کے بھیانک انجام سے بر وقت متنبہ کر دیں تاکہ وہ راہ ہدایت اختیار کر لیں۔"[200]

---

[198] القرآن، ۳۲:۳۔

[199] کرم شاہ، ضیاء القران ۳/ ۳۲۶۔۳۲۷۔

[200] کرم شاہ، ضیاء القران ۳/ ۳۲۶۔۳۲۷۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی باطل کے رد کے لیے سوال فرما رہے ہیں کہ یہ مشرکین قرآن پاک جیسے بڑے معجزے کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس کے واقعات کو بھی ابھی اپنے سامنے سچ ہوتا دیکھتے ہیں پھر بھی گمراہی اور جہالت کے باعث مزید معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اگر وہ اور معجزات بھی دیکھ لیں تو پھر بھی وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں کیونکہ قرآن مجید جو اتنا بڑا معجزہ ہے کہ اس میں چیلنج کیا گیا ہے کہ اس جیسی کوئی آیت ہی بنالاؤ اتنے سال گزرنے کے بعد بھی کوئی انسان ایک آیت بھی نہیں بنا کر لا سکا قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ اللہ تبارک و تعالی نے خود لیا ہے اور قیامت تک اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوگی یہ ایسے معجزے کو دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہیں لاتے تو کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور دنیا میں بھی میں اور قیامت میں بھی ان کے لئے رسواکن عذاب ہوگا۔

(۷)۔سورۃ السجدہ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ"۔[201]

"وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو ان کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اس کے بعد عرش پر جلوہ فرما ہوا، اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟"۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"یہاں سے اللہ تعالی کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے شواہد ذکر کر کے اس کی وحدانیت پر استدلال کیا جارہا ہے۔اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے اور اس نے اس سارے کارخانہ ہستی کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا، پیدا فرمانے کے بعد وہ اس سے بے تعلق ہو کر کہیں گوشہ نشین نہیں ہو گیا بلکہ تخت فرمانروائی پر وہ متمکن ہے اور کائنات کی ہر بات اس کے حکم سے کے مطابق طے پا رہی ہے۔"

---

[201] القرآن، ۳۲:۴۔

"مالکم فرما کر انہیں متنبہ کر دیا کہ اگر تم ایسے خالق اکبر سے اپنی عبودیت کا رشتہ منقطع کر دوگے اور کسی دوسری چیز کے ساتھ اپنی بندگی کا رشتہ استوار کروگے تو یاد رکھو اس وقت تمھارا کوئی مددگار ہوگا اور نہ ہی کسی میں ہمت ہوگی کہ وہ تمھاری سفارش کر سکے۔ تم اللہ تعالی کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا حامی و ناصر خیال کرتے ہو۔ سمجھتے ہو کہ اگر خدا نے بغرض محال پکڑ بھی لیا تو یہ معبود اور دیوتا تمھیں چھڑا لیں گے یا تمہاری سفارش کریں گے۔ اس خیال فاسد کو دل سے نکال دو کسی میں یہ جرات نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر تمہیں بچالے۔شفاعت کے متعلق مشرکین کا جو غلط تصور تھا اس کو رد کر دیا۔ اسلام نے جس شفاعت کو جائز قرار دیا ہے وہ شفارت انبیاء، اولیاء، صلحا، شہداء باذن الہی کریں گے اور معصوم بچے بھی اپنے ماں باپ کی بخشش کا باعث بنیں گے۔"[202]

اس آیت مبارکہ میں میں اللہ تبارک و تعالیٰ دنیا کی تخلیق کو بیان فرمارہے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالی نے چھے دنوں میں آسمانوں و زمین اور جو کچھ انکے درمیان ہے سب چیزوں کو پیدا فرمایا اور پھر وہ عرش پر مستوی ہو گیا اس نے آسمانوں اور زمین کو بنا بلاوجہ نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کا نظام اس کے حکم کے مطابق ہی چل رہا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب کچھ بنانے والا میں ہوں اور پھر تم میرے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو تو کیا تمہارے سفارشی تمہیں قیامت کے دن میرے عذاب سے بچا سکیں گے اللہ تبارک و تعالی مخالف کو چیلنج کرنے کے لیے سوال فرمارہے ہیں کہ جس کو تم ہمارے شریک بناتے ہو قیامت کے دن وہ ہمارے مقابلے میں سفارش کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود بناتے ہو قیامت کے دن وہ تمہارے کچھ کام نہ آسکیں گے اور بلکہ وہ تم سے بیزاری کا اظہار کریں گے اور تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کر دیں گے مگر جس شخص نے ہدایت کے راستے کو اختیار کیا وہی انسان فلاح پائے گا۔

(۷)۔سورۃ القمر میں ارشادِ الہی ہے:

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ"۔[203]

---

[202] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۳/ ۶۲۶۔۶۲۷۔

[203] القرآن، ۵۴: ۳۲۔

"ہم نے اِس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا؟"

اس آیت مبارکہ میں میں اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ اے لوگو ہم نے اس قرآن کو تمہارے لیے نصیحت کا سامان بنایا اور ہم نے اپنی نشانیوں کو واضح کردیا یعنی قرآن میں سابقہ اقوام کے واقعات اور حالات کو بیان فرمایا گیا کہ جن اقوام نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی نافرمانی کی ان کی سرکشی اور نافرمانی کے باعث جو ان پر عذاب نازل کئے گئے وہ بیان فرما دیے گئے تاکہ کہ بعد میں آنے والے لوگ ان واقعات سے عبرت حاصل کریں اور جن لوگوں نے ہدایت کے راستوں کو اپنایا ان کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے اگر کوئی انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی چاہتا ہے تو اس کے احکامات پر عمل کرکے کامیاب ہو سکتا ہے قرآن کو اسی لئے نصیحت کہا گیا ہے کیونکہ اس میں تمام مسائل کا حل موجود ہے اگر انسان اس کی تعلیمات کو سمجھتا ہے اور ان کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اس کو کبھی بھی دنیا اور آخرت میں شرمندگی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور کامیابی اس کا مقدر ہوگی قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح فرمایا ہے کہ جو انسان بھی اس کتاب کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اللہ پاک ایسے لوگوں کو بلندی عطا فرمائیں گے کیونکہ قرآن کا راستہ ہدایت کا راستہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس آیت میں بطور ترغیب کے سوال فرمارہے ہیں کہ ہم نے اس کو آسان کرکے نازل فرمایا تاکہ تم لوگ اس کو سمجھو اور اس سے نصیحت حاصل کرو قرآن چونکہ عرب کی طرف نازل ہوا تھا اور اس کے مخاطب اول بھی عرب تھے اس لیے ان کی زبان کو استعمال کیا گیا کیا تاکہ کوئی حجت باقی نہ رہے وہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ قرآن دوسری زبان میں نازل ہونے کے باعث ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے اللہ پاک نے ان پر کے حجت پوری فرمادی۔ آج کے دور میں بھی ہر زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور تفصیل بآسانی دستیاب ہے تاکہ کوئی بھی انسان قرآن کو سمجھنا چاہے تو اس کو دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے اس لئے کہا گیا ہے کہ قرآن میں نصیحت کا سامان ہے تو جو کوئی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے کیونکہ اس پر عمل کرنا دنیا اور آخرت میں کامیابی کی ضامن ہے۔

(۸)-سورۃ الواقعۃ میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ"۔ [204]

کہتے تھے "کیا جب ہم مر کر خاک ہو جائیں گے اور ہڈیوں کا پنجر رہ جائیں گے تو پھر اٹھا کھڑے کیے جائیں گے؟۔

ان آیات کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"توحید باری اور وقوع قیامت پر ایک دوسری دلیل پیش کی جارہی ہے۔ کھیتی باڑی کے متعلق تمھیں تفصیلی علم ہے تمہاراکام صرف اتناہے کہ زمین میں ہل چلاو اور اس میں بیج ڈالو اس کے بعد اس کے پک کر تیار ہونے تک جو حیران کن تغیرات وقوع پذیر ہوتے ہیں کیااس میں تمہاراکوئی عمل دخل ہے۔ پھر ان کے لیے جتنی حرارت، ٹھنڈک، روشنی، ہوا، رطوبت وغیرہ عوامل کی ضرورت ہوتی ہے ان کو مناسب مقدار میں اور بروقت کون مہیاکرتاہے۔ کیایہ تمہارے بتوں، دیوی دیوتاوں میں قدرت ہے۔ اگر نہیں اور یقینا نہیں تو پھر تم اللہ تعالی کی وحدانیت کاانکار کیوں کرتے ہو، نیز جو ذات اس دانے کو جو زمین میں گل جاتاہے اس کو پھر ایک تن آور پودا بنادیتی ہے کیااس کے لیے مشکل ہے کہ وہ انسان کو خاک میں ملنے کے بعد نئی زندگی عطافرمادے۔" [205]

"اگر ہم چاہیں تو لہلہاتے کھیتوں کو تہس نہس کر کے رکھ دیں نہ وہ انسانوں کی خوراک بن سکیں اور نہ حیوانات کے لیے چارہ کاکام دے سکیں۔ تم نے زراعت کو نفع بخش بنانے کیلئے کافی روپیہ خرچ کیاتھا۔ اعلی بیج مہنگے داموں خریداتھا کھاد فراہم کی تھی۔ آب پاشی کے لیے بڑے مصارف برداشت کیے تھے۔ توقع یہ تھی کہ بڑی آمدنی ہوگی لیکن خرچہ بھی پلے نہ پڑا۔ اس وقت تم حسرت ویاس سے کف ملنے لگوگے اور کہوگے ہائے افسوس ہماری لاگت بھی ضائع ہو گئی۔ افسوس ہم بڑے بدنصیب ثابت ہوئے۔" [206]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ مخاطب کی ذہنی استعداد کو جانچنے کے لیے سوال فرمارہے ہیں کہ جو لوگ

---

[204] القرآن،۵۶:۴۷۔

[205] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۹۶۔

[206] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۹۷۔

یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تو کیا پہلی دفعہ وہ خود پیدا ہوئے ہیں اگر وہ غور کریں کہ جو رب پہلی دفعہ پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ کیونکر پیدا نہیں کر سکتا یعنی ان کا یہ سوال ان کے ذہن کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ لوگ کتنی محدود سوچ کے مالک ہیں جب انسان کے ختم ہونے اور اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد انسان کی دوبارہ تخلیق پر شک کی گنجائش ہی نہیں ہے اللہ پاک قادر و مطلق ہے کہ وہ کن سے کسی بھی انسان یا چیز کو تخلیق کر سکتا ہے لیکن اس بات کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں ہیں جو لوگ عقل و شعور رکھتے ہیں جو لوگ اللہ عزوجل کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں تو ان کے لئے انسان کی تخلیق، اس کی زندگی اور موت یہ اتنا بڑا معجزہ ہے کہ اگر ہم اس پر پر تفکر کریں تو کسی بھی صورت انکار کی گنجائش نہیں اور نہ ہی اللہ پاک کے معجزات سے انکار کرنا ممکن ہے۔ جو لوگ سیدھے راستے پر چلے اور حق بات کا اقرار کیا ان لوگوں کے لئے دنیا اور آخرت میں نجات ہے۔

(۸)- سورۃ الواقعۃ میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ"۔ [207]

"کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا، یہ پانی جو تم پیتے ہو"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"انسان صرف بھوک ہی محسوس نہیں کرتا اسے پیاس بھی لگتی ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں جس طرح ہم نے تمہاری خوراک کا انتظام فرمایا ہے اسی طرح تمہاری پیاس بجھانے کے لیے پانی کی فراہمی بھی ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہوئی ہے۔ ذرا غور کرو جو پانی تم کنوؤں، چشموں، دریاؤں سے پیتے ہو یہ کہاں سے آتا ہے۔ یہی نا کہ بادل گھر کر آتے ہیں، بارش برستی ہے، کچھ دریاؤں میں بہنے لگتا ہے، کچھ مقدار تالابوں میں بھر جاتی ہے اور اس کا اکثر حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور تہہ زمین پانی کے ذخائر جمع ہو جاتے ہیں جن کو مختلف طریقوں سے تم کشید کرتے ہو۔ الغرض ہر قسم کے پانی کا اصلی سرچشمہ بارش ہے۔ بھلا بتاؤ اس میں کسی غیر کی کتنی مداخلت ہے۔ لبالب بھرے ہوئے سمندر کس کے ہیں سورج کی

---

[207] القرآن، ۶۸:۵۶۔

جو کرنیں ان پانیوں کو بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں وہ کون مہیا کرتا ہے۔ پھر کس کے حکم سے بادل ایک مقررہ مقدار میں بارش برساتے ہیں۔ یہ ساری کاروائی اللہ تعالی کے حکم سے ہو رہی ہے تو پھر اس کا انکار یا کسی کو اس کی خدائی میں شریک کرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔"[208]

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ بطور ذہنی استعداد جانچنے کے سوال فرمارہے ہیں کہ اے لوگو! جو پانی تم پیتے ہو اور استعمال کرتے ہو جس کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں ہے تو کیا یہ پانی تم نے بنایا ہے؟ یا ہم اس پانی کو برساتے ہیں اور وہ پانی تمام حیوانات کے لئے حد درجہ ضروری ہے اگر ہم اس پانی کو تم سے روک لیں تو دنیا میں تمہارے لئے جینا مشکل ہو جائے تو تم اتنی بڑی نشانی دیکھ کر بھی ایمان لانے میں تردد کا شکار ہو جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا اپنے ارد گرد ان گنت نشانیاں دیکھ کر فوراً ایمان لے آتے مگر تم اپنی ہٹ دھرمی کی روش پر برقرار ہے اور تمہاری ضد ایمان لانے کے راستے میں مانع رہی تو ایسے لوگوں کے لئے رسوا کن عذاب کی بشارت ہے۔

(۹)- سورۃ نوح میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا"۔[209]

"تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے؟"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"جب اس بات کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو آپ انہیں سرزنش فرمانے لگے کہ ہائے افسوس کی بات ہے اگر کوئی مالدار آدمی تمہارے پاس آتا ہے تو تم اٹھ کر اسے سلام کرتے ہو، اگر کسی علاقے کا کوئی سردار آجائے تو اس کا احترام کرتے ہو۔ اللہ تعالی کی ہی ایک ذات ایسی ہے جس کا تمہیں کوئی لحاظ نہیں، جس کی تمہیں کوئی پرواہ نہیں، جس کی گرفت کا تمہیں کوئی خوف نہیں۔ مجاہد اور ضحاک نے آیت کا مفہوم بتایا ہے کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ تعالی کی بزرگی کی تم کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ قطرب کہتے ہیں

[208] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۹۷۔

[209] القرآن، ۷۱:۱۳۔

کہ حجازی لغت میں اس کا یہی معنی ہے۔"[210]

پھر فرمایا:

"اَلَمۡ تَرَوۡا كَيۡفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا"۔ [211]

"کیا دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان تہ بہ تہ بنائے"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"انسانی زندگی کے مختلف مراحل میں اس کی قدرت، حکمت اور رحمت کے جو آثار جلوہ نما ہوتے ہیں ان کے ذکر کے بعد بلندیوں کی طرف متوجہ کیا۔ فرمایا تہہ بہ تہہ سات آسمانوں کو دیکھو، نور برسانے والے چاند کو دیکھو اور اعظم آفتاب عالمتاب کو دیکھو۔ کیااللہ تعالی پر ایمان لانے کے لیے اس کے بعد بھی تمہیں دلیل کی ضرورت ہے۔"[212]

پہلی آیت مبارکہ میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ کہ اگر تمہارے پاس کوئی مالدار شخص آجائے تو تم اس کی عزت میں کھڑے ہو جاتے ہو اس کی تعظیم میں سر توڑ کوشش کرتے ہو وہ اور اللہ کی ذات جو کہ سب سے بڑھ کر ہے جو کہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے اس کا شریک ٹھہراتے ہو تو یہ کہاں کا انصاف ہے ؟ اور اس آیت میں بطور تعجب کے استفہام کیا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالی نے سات آسمانوں کو تہہ بہ تہہ پیدا کیا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کا کوئی شگاف نہیں ہے بغیر ستونوں کے تخلیق کیا ہے تو کیا تم ان آیات پر غور و فکر نہیں کرتے ؟ آفاق میں بکھری ہوئی نشانیوں پر غور کرو تو بے اختیار دل پکار اٹھتا ہے کہ صرف ایک ہی ہستی ہے جو اتنے بڑے نظام کو ایک منظم انداز میں چلارہی ہے۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغام کو پہنچانے کے لئے انبیاء کرام کا سلسلہ جاری فرمایا اور اپنے تعلیمات کو لوگوں تک

---

[210] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۳۷۶۔

[211] القرآن، ۷۱:۱۵۔

[212] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۳۷۷۔

پہنچانے کے لئے مقدس صحائف کا نزول فرمایا تاکہ اتمام حجت ہو جائے اور روز آخرت انسان اپنے رب سے یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے سیدھے راستہ کا نہیں معلوم تھا اور کسی نہ میری راہنمائی نہیں کی۔ مسلمان ہونے کے لئے صرف زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں ہے بلکہ زبان کے ساتھ دل سے تصدیق کرنا بھی ایمان کا لازمی حصہ ہے اس لئے جو شخص بھی دل سے یقین اور زبان سے تصدیق کرنے کے بعد پیغمبروں کے بتائے ہوئے دین کے مطابق عمل کرے گا اللہ کو ہی معبود برحق سمجھتے ہوئے تمام عبادات کو اس کے لئے بجالائے گا اور تمام معاملات میں دین اسلام کے احکامات کے مطابق فیصلہ کرے گا وہی انسان فلاح و نجات پا جائے گا۔

اس فصل میں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں ایمانیات کے فہم میں آیات استفہام کو بیان کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

سورہ النسآء آیت نمبر ۱۳۸,۱۱۴، سورہ التوبۃ آیت نمبر ۱۲۷,۱۲۶، سورہ یونس آیت نمبر ۴۳,۴۲، سورہ النمل آیت نمبر ۶۱,۶۰، سورہ السجدہ آیت نمبر ۴,۳، سورہ القمر آیت نمبر ۳۲، سورہ الواقعہ آیت نمبر ۶۸,۴۶، سورہ نوح آیت نمبر ۱۵,۱۳۔

فصل سوم: آیاتِ استفہام میں فہم عبادات

ایمان لانے کے بعد انسان پر سب سے پہلے عبادت کا ادا کرنا لازم ہے ہر مذہب میں عبادت کا ایک خاص طریقہ ہوتا ہے جو مخصوص طریقے کے ساتھ ادائیگی کا حکم دیا جاتا ہے اسی طرح اسلام میں بھی نماز، روزہ، حج اور زکوۃ عبادات کی مختلف طرق ہیں اصل عبادت کی غایت یہ ہے کہ معبود صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کو ماننا، صرف اسی کی عبادت کرنا ہر چیز میں اسی سے مدد طلب کرنا اسی کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا اسی کو مالک، خالق اور رب تسلیم کرنا اسی سے التجاء کرنا، ہر چیز کے لئے اسی کو پکارنا اور یہ یقین رکھنا کہ اللہ کے سوا کسی کے دائرہ اختیار میں کوئی چیز نہیں ہے اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے اور اگر ضرر پہنچائے تو اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں ہے ہر طرح کی عبادت مثلاً قیام، رکوع، سجدہ صرف اسی کے لئے خاص ہے اور کسی اور کے سامنے جھکنا جائز نہیں۔

انسانوں سے اللہ تعالیٰ نے انکی تخلیق سے پہلے ایک وعدہ لیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:

"اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، قَالُوْا بَلٰى، شَهِدْنَا"۔[213]

"کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ اس وقت سب نے یہ کہا کیوں نہیں اے ہمارے رب!"۔

سب نے اس وقت اللہ کی ربوبیت کا اقرار کیا تھا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار واعتراف انسانوں کی فطرت میں داخل اور انکے وجدان میں شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مطلب اور اس کا تقاضا کیا ہے؟ اسکے جواب کے بارے میں بشیر احمد لودھی یوں رقمطراز ہیں:

"انسان از خود پیدا نہیں ہو گیا بلکہ اسے خالق کائنات نے پیدا کیا ہے اور اس نے اسے محض کھیل تماشے کے لیے نہیں پیدا کیا بلکہ ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے اور وہ مقصد ہے اللہ کی عبادت واطاعت اور اب اس ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان صرف اسی کی عبادت اور اسی کی اطاعت کرے عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں اور اطاعت کا حقدار بھی اللہ ہے"۔[214]

---

[213] القرآن، ۷:۱۷۲۔

[214] لودھی، بشیر احمد، توحید اور ہم، مکتبہ دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص۸۹۔

اس فصل میں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں فہم عبادات میں آیاتِ استفہام کو پیش کیا جارہا ہے۔

(۱)۔ سورۃ البقرۃ میں اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔"[215]

"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ کے معبدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کی عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی، تو ڈرتے ہوئے جائیں ان کے لیے تو دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"صرف زبانی دعووں کو رہنے دو۔ اپنے عمل کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھو حقیقت نمایاں ہو جائے گی۔ روم کے عیسائیوں نے اپنے بادشاہ طیطس کے ساتھ یہودیوں سے انتقام لینے کے لیے فلسطین پر لشکر کشی کی اور بیت المقدس کو ویران و برباد کر دیا اور اس کی پر شکوہ عمارت کو کھنڈر میں تبدیل کر دیا۔ بھلا جس کا عمل یہ ہو کیا اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو حق کا علم بردار کہے۔ کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں عبادت کرنے سے مدتوں روکے رکھا کیا ان مشرکین کو زیب دیتا ہے کہ ہدایت پر ہونے کا دعوی کریں۔ مقصد یہ ہوا کہ وہ دعوی جس کے ثبوت کے لیے عمل صالح کی گواہی نہ ہو وہ توجہ کے قابل نہیں۔ یہ حکم عام ہے جو ایسا کرے وہ سب ظالم ہے۔ کسی زمانہ یا کسی قوم کے ساتھ اس کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ دنیا میں ان کی ذلت ورسوائی توچند سالوں میں ظاہر ہو گئی۔ کفار مکہ کا اقتدار ختم ہو گیا۔ یہود جلاوطن کر دیئے گئے اور عیسائی مملکتوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور آخرت کا عذاب

---

[215] القرآن، ۲: ۱۱۴۔

بھی وہ عنقریب اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔"[216]

اس آیت میں اللہ پاک باطل کا رد کرنے کے لئے سوال فرما رہے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے گھر سے روکتے ہیں تو وہ حق پر کیسے ہو سکتے ہیں؟ یعنی اس آیت میں بیان کیا جا رہا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو کسی دوسرے کو اس کی عبادت گاہ میں جانے سے روکے۔ ہر مذہب میں عبادت کا حکم ملتا ہے تو عبادت سے روکنے والے اچھے لوگ کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو خانہ کعبہ میں جانے سے روکے رکھا قرآن میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ جو انسان کسی کو عبادت گاہ جانے سے روکے گا تو وہ شخص ظالم ہے یعنی کسی کو اس کی عبادت سے روکنے کو کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ شخص اچھا ہو ہی نہیں سکتا جو کسی کو عبادت گاہ میں جانے سے منع کرتا ہے ایسے لوگ ظالم ہیں۔

(۲)- سورۃ البقرۃ میں دوسرے مقامات پر ارشادِ الٰہی ہے:

"صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۖ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ"۔ [217]

"اللہ کا رنگ اختیار کرو اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہو گا؟ اور ہم اُسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں"۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"یہود کی رسم تھی جب کوئی ان کے دین میں داخل ہوتا تو اسے رنگ دار پانی سے غسل دیتے۔ پھر عیسائیوں نے بھی اسے اختیار کر لیا اور جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو زرد رنگ کے پانی سے اسے غسل دیتے جسے اصطباغ یا بپتسمہ کہا جاتا ہے اور پھر یہ سمجھتے کہ اب اس پر یہودیت اور عیسائیت کا رنگ چڑھ گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا کہ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو نہ پانی سے دھلے نہ دھوپ سے اڑے اور نہ وقت گزرنے پر پھیکا پڑے۔ بھلا یہ ناپائیدار رنگ بھی کوئی رنگ ہے جس پر تم اترا رہے ہو اور اللہ کا رنگ یہی توحید خالص کا رنگ ہے جس کو چڑھانے والا سید انس و جاں محمد مصطفی صلی

[216] کرم شاہ، ضیاء القران ۱/ ۸۷۔

[217] القرآن، ۲:۱۳۸۔

اللہ علیہ وسلم ہے۔"[218]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی دین اسلام کی بات کر رہے ہیں کہ دین اسلام سے بڑھ کر کون سا دین ہو سکتا ہے؟ یہاں رنگ سے مراد دین ہے۔ کیونکہ یہودی کہتے تھے کہ ہم صحیح دین پر ہیں اور نصرانی غلط ہیں جبکہ نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم سچے دین پر ہیں مگر قرآن کی تعلیمات میں یہ بات واضح ملتی ہے کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے اور یہی وہ دین ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا اور تمام انبیاء کرام کا یہی دین رہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی دین کی تبلیغ فرمائی ہے ہے اللہ تبارک نے حوصلہ افزائی کے لئے استفہام فرمایا ہے کہ دین اسلام ہی سچا دین ہے تاکہ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہو جائے اور یہ ایک عالمگیر اور مکمل دین ہے اس لئے جو لوگ مسلمان ہیں اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں ان کے لیے فلاح و نجات ہے۔

(۳)- سورۃ المآئدہ میں اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں:

"قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَالسَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ"۔[219]

"اِن سے کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُس کی پرستش کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے نہ نفع کا؟ حالانکہ سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا تو اللہ ہی ہے"۔

مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"حضرت صدر الافاضل مراد آبادی رقمطراز ہیں کہ یہ ابطال شرک کی ایک اور دلیل ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ الہ وہی ہو سکتا ہے جو نفع و نقصان وغیرہ ہر چیز پر قدرت و اختیار رکھتا ہوں۔ جو ایسا نہ ہو وہ الہ مستحق عبادت نہیں ہو سکتا اور حضرت عیسی علیہ السلام نفع و ضرر کے بھی بالذات مالک نہ تھے اللہ تعالی

[218] کرم شاہ، ضیاء القران ۱/ ۹۸-۹۹۔

[219] القرآن، ۵:۷۶۔

کے مالک کرنے سے مالک ہوئے تو ان کی نسبت الوہیت کا اعتقاد باطل ہے۔"[220]

اس آیت میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ اے لوگو! تم کیسے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبودان باطل کی پرستش کرتے ہو ان کو پکارتے ہو جب کہ وہ تمہارے لیے کسی بھی قسم کے نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں کرتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو نفع پہنچانا چاہے تو کوئی بھی اسے روکنے والا نہیں ہے اور اسی طرح اگر اللہ پاک نے کسی کے مقدر میں نقصان لکھ دیا ہے تو کوئی بھی نقصان کو اس سے ہٹانے والا نہیں ہے نفع و نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہئے اس آیت میں باطل کے رد کے لئے سوال کیا گیا ہے یعنی جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہارے بارے میں کچھ اختیار نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ تمہارے لیے کسی بھی قسم کے نفع اور نقصان کے مالک نہیں ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی نفع نقصان کا مالک ہے اس لیے اسی کی عبادت کی جائے اسی کو نفع اور نقصان کا مالک سمجھا جائے ہر چیز کے لیے اسی سے دعا کی جائے وہ انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور فرماتا ہے کہ میرے بندے مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا تو اس لیے اللہ کے کے در کو چھوڑ کر کسی اور کے در پر جانا شرک کے زمرے میں آتا ہے اور ایسا گناہ ہے جس کی کسی صورت بھی معافی نہیں ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ ہر گناہ کو معاف فرمادیں گے سوائے شرک کے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو معبود برحق مانتے ہوئے صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اللہ کی ذات میں، صفات میں اور صفات کے تقاضوں میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرایا جائے اور یہی درست اور سچا دین ہے۔

(۴)- سورۃ التوبۃ میں خداوند عزوجل کا فرمان ہے:

"اَفَمَنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى تَقۡوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضۡوَانٍ خَيۡرٌ اَمۡ مَّنۡ اَسَّسَ بُنۡيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانۡهَارَ بِهٖ فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ"۔[221]

---

[220] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/۵۰۱۔

[221] القرآن، ۹:۱۰۹۔

"پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا کی طلب پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک وادی کی کھوکھلی بے ثبات ٹگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے پوچھا کہ اللہ تعالی نے تمہاری نظافت اور پاکیزگی کی تعریف کی ہے تم نے کون سی خصوصیت ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم قضائے حاجت کے بعد پانی سے استنجاء کرتے ہیں یہ ان کی نظافت طبعی کی دلیل ہے جب وہ اس معاملے میں اتنے محتاط ہیں تو ان کے بدن اور لباس کی صفائی کے بارے میں آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جو شخص جسمانی صفائی اور نظافت کا خیال رکھتا ہے وہ بھی اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ ظاہری نظافت انسانی مروت کا تقاضا بھی ہے اور شریعت کا حکم بھی اور جو شخص صاف ستھرا رہتا ہے وہ اللہ کے نزدیک قابل تعریف ہے۔ معلوم نہیں ہم مسلمانوں نے گندہ رہنے کو کیوں اختیار کر رکھا ہے ہمارے منہ بدبودار، ہمارا جسم میلا کچیلا، ہمارا لباس غلیظ، ہماری بستیاں، محلے، گلی کوچے بلکہ ہمارے گھر کے صحن اور سونے کے کمرے بھی بدبودار اور عفونت کا گڑھ! کیا ہم وہ لوگ ہیں جن کے آباؤ اجداد کی یحبون ان یتطھروا کے شاندار الفاظ میں خراج تحسین وآفرین کی گئی ہے۔"[222]

"یہاں دو مسجدوں کا فرق بیان کیا جا رہا ہے کہ پہلی مسجد کی جن لوگوں نے بنیاد رکھی وہ متقی اور پرہیز گار تھے اور محض اللہ تعالی کی رضا کے طلبگار تھے ان کے پیش نظر مسجد کی تعمیر سے یہ مقصد تھا کہ یہ اسلام کا مرکز بنے اور مسلمان اپنے مولائے کریم کے سامنے سربسجود ہونے کے لئے اس میں جمع ہو اس لئے اس کی دیواریں ایسی مستحکم بنیادوں پر استوار کی گئی ہے جو کبھی بھی گر نہیں سکتی لیکن اس کے برعکس دوسرا مکان جو مسجد کے نام سے تعمیر کیا گیا ہے اس کا مقصد اسلام کی مخالفت اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازی ہے۔ اس لیے اس کی بنیاد بہت کمزور ہے اور ان میں اتنی تاب نہیں کہ وہ چند روز بھی کھڑی رہ سکے اس کی

[222] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۲/ ۲۵۴۔۲۵۵۔

مثال ایسے ہے جیسے کوئی عمارت وادی کے اس دہانے کے کنارے پر بنائی جائے جس کو سیلاب نے کھو کھلا کر دیا ہو تشریح الفاظ شفا، کنارہ، جرف وہ دہانہ جس کو پانی کی موجوں نے اندر ہی اندر کھو کھلا کر دیا ہو علامہ قرطبی نے خوب لکھا ہے کہ بقائے دوام صرف اس عمل کو میسر ہوتی ہے جو رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے اور جو کام ریاکاری کے لیے کیا جائے وہ جلد ہی نیست و نابود ہو جاتا ہے۔"[223]

اس آیت میں باطل کا رد کرنے کے لئے سوال کیا جارہا ہے کہ جس انسان نے کسی کام کی بنیاد سچائی پر رکھی تو وہ درست اور صحیح تسلیم کیا جائے گا۔اور اگر کسی نے کام کی بنیاد برائی پر رکھی تو اس برائی کی وجہ سے وہ سزا کا مستحق قرار پائے گا یہاں مسجد ضرار کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بنائی تھی اور اس میں یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے تو اللہ تبارک وتعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی تھی اور آپ کے حکم پر ایک صحابی مسجد ضرار کو گرانے آئے تھے۔کیونکہ باطل مٹنے کے لئے ہی آیا ہے۔

(۵)سورۃ النحل میں فرمان الٰہی ہے:

"اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ"۔[224]

"اور کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے کہ اس کا سایہ کس طرح اللہ کے حضور سجدہ کرتے ہوئے دائیں اور بائیں گرتا ہے؟ سب کے سب اِس طرح اظہار عجز کر رہے ہیں"۔

"وَلَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَہُ الدِّیْنُ وَاصِبًا اَفَغَیْرَ اللّٰہِ تَتَّقُوْنَ"۔[225]

---

[223] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۲/ ۲۵۴-۲۵۵۔

[224] القرآن، ۱۶: ۴۸۔

[225] القرآن، ۱۶: ۵۲۔

"اُسی کا ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور خالصاً اُسی کا دین (ساری کائنات میں) چل رہا ہے پھر کیا اللہ کو چھوڑ کر تم کسی اور سے تقویٰ کرو گے ؟"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

" تمام وہ چیزیں جن کو تم بے جان اور بے شعور سمجھتے ہو وہ تو اپنے رب کے حضور میں سجدہ ریز ہیں حیرت ہے کہ تم زیرک اور باشعور ہوتے ہوئے تم اپنے رب کی نافرمانی میں مست ہوں۔ ہر چیز اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے اس کا شریک تو وہ ہو جس کو اس نے پیدا نہ کیا ہو اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو اس کا شریک ٹھہرانا اس کا مدمقابل ماننا یہ تو الٹی گنگا بہانے کے مترادف ہے۔ دین سے مراد اطاعت واخلاص ہے واصبا کا معنی ہمیشہ ہے جب کوئی شخص کسی کام کو ہمیشہ پابندی سے کرے تو کہتے ہیں کہ اسی کی اطاعت اور فرمانبرداری ہر شخص پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لازم ہے۔"[226]

ان آیات میں یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی تمام مخلوق اس کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہے کائنات اسی کے حکم کے مطابق چلتی ہے سورج، چاند، ستارے اور سمندر ہر چیز اس کے حکم کے مطابق عمل کرتی ہے پھر انسان اتنی غفلت کا شکار کیسے ہو گیا اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے بھی عقل و شعور رکھتے ہوئے بھی اپنے رب کے عبادت سے اعراض کرتا ہے اللہ پاک تجسس کے لئے استفہام فرما رہے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد جو حکم دیا جاتا ہے وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا کیونکہ وہی ذات لائق عبادت اور قابل پرستش ہے۔ جھکنے میں ایک عاجزی کا اظہار ہے اور یہ عاجزی صرف اپنے پیدا کرنے والے رب کے سامنے جھکنے سے ہی اس کا اصل مقصد پورا ہو جاتا ہے اللہ تبارک سب کی دعاؤں کو ضرور سنتا ہے اور وقت آنے پر اچھا صلہ عطا فرماتا ہے۔

(٦)۔ سورۃ الفرقان میں فرمان الٰہی ہے:

"وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَٰنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَٰنُ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ

---

[226] کرم شاہ، ضیاء القرآن ٢/ ٥٧٥۔

نُفُوْرًا"۔[227]

"اِن لوگوں سے جب کہا جاتا ہے کہ اس رحمان کو سجدہ کرو تو کہتے ہیں "رحمان کیا ہوتا ہے؟ کیا بس جسے تو کہہ دے اسی کو ہم سجدہ کرتے پھریں؟" یہ دعوت ان کی نفرت میں الٹا اور اضافہ کر دیتی ہے"۔

اس آیت مبارکہ میں مشرکین عرب کی روش بیان کی جارہی ہے کہ جب ان کو آپ صلی اللہ وسلم قرآن کے تعلیم دیتے تھے ان کو جب کہا جاتا تھا کہ رحمان کو سجدہ کرو تو وہ کہتے تھے کہ رحمان کیا ہوتا ہے؟ ہم کسی رحمان کو نہیں جانتے۔ کیا تو ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم رحمان کو سجدہ کریں اور یہ چیز ان کو نفرت میں بہت زیادہ کر دیتی تھی کیونکہ وہ لوگ یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ نے کسی کو نبی بنا کر بھیجنا تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب کیوں کیا گیا جو کہ یتیم تھے ان کے پاس پیسہ، عہدہ نہیں تھا بلکہ نبوت کے اس عہدے کے لئے کسی دولت مند شخص کا انتخاب کیا جاتا تاکہ ہم لوگ اس پر ایمان لے آتے تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام کو تبلیغ دیتے تھے تو اس وقت سرداران مکہ یہی کہتے تھے کہ ہم تمہاری تیری محفل میں جب آئیں گے جب تم غریب لوگوں کو وہاں سے ہٹا دو گے تو اللہ تبارک و تعالی نے بیان فرما دیا کہ اللہ تعالی کو وہ شخص پسند ہے جو کہ متقی ہے جو تقوی کو اختیار کرتا ہے وہی انسان اللہ کے نزدیک قدر و منزلت پاتا ہے۔ اس آیت میں بطور استہزا سوال کیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ دولت اور عہدے کو کامیابی قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت میں جو پرہیز گار ہے وہی کامیاب ہے۔

(۷)-سورۃ النجم میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَہُ الْاُنْثٰی"۔[228]

"کیا بیٹے تمہارے لیے ہیں اور بیٹیاں خدا کے لیے؟"۔

مندرجہ بالا آیات کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

---

[227] القرآن، ۲۵:۶۰۔

[228] القرآن، ۵۳:۲۱۔

" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے الرحمن کا اسم مبارک اہل عرب میں معروف نہ تھا اس لئے جب انہیں رحمان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو وہ بدکے اور ان کا جذبہ منافرت اور بڑھ گیا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنی کافرانہ سرکشی کے باعث یہ کیا ہو۔ مشرکین کو کہا جا رہا ہے کہ تمہاری حماقت کی بھی کوئی حد ہے اپنے لیے تو تم لڑکے پسند کرتے ہو کس کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اس کے ہاں صف ماتم بچھ جاتی ہے اور جو خالق کائنات ہے جسے نہ بیٹے بیٹیوں کی ضرورت ہے نہ خواہش ہے جو بے نیاز ہے اور برتر ہے اس کے لیے نری بیٹیاں ہی تجویز کرتے ہو۔"[229]

اس آیت میں اہل عرب کی عقل بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔ اللہ پاک ان کی سوچ کا معیار جاننے کے لیے سوال فرما رہے ہیں کہ تم اپنے لیے لیے بیٹے پسند کرتے ہو اور بیٹیوں کو باعث شرم اور باعث عار سمجھتے ہو ان کو پیدا ہوتے ہیں ہیں زندہ دفنا دیتے ہو ہو اور ان کے ساتھ بہت برا سلوک کرتے ہو جس کے ہاں بیٹی ہوتی تھی وہ شرم سے اپنا منہ چھپائے ہوئے پھرتا تھا وہ گھر سے باہر بھی نہیں نکلتا تھا کوئی مجھے بیٹی کا طعنہ دے دے گا۔ تعجب تو یہ ہے کہ جو چیز خود کے لیے پسند نہیں کرتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ جو تمہارا رب ہے معبود ہے اس کے بارے میں ایسی باتیں کیسے کر سکتے ہو؟ افسوس ہے تم پر! اللہ تبارک تعالیٰ کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ہی وہ جنا گیا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے وہی قابل عبادت ہے اس کے سوا کسی کی عبادت کرنا جائز نہیں۔

خلاصہ بحث

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ہی ذات عبادت کے لائق ہے اس کے لئے کائنات میں کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جو لائق عبادت ہو کائنات کے نظام پر اگر ہم غور کریں تو بے اختیار یہ بات نکلتی ہے کہ بس ایک ہی ذات ایسی ہو سکتی ہے جو اتنے بڑے نظام کو چلائے ہوئے ہیں اور کبھی بھی اس نظام میں کوئی خرابی نہیں دیکھی گئی اسلئے پھر کیسے ممکن ہے کہ ہم اس ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کریں یا کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر عبادت کا واضح تصور پیش کیا گیا ہے اور اللہ پاک اپنی نعمتوں کے اعتراف کے بعد بھی یہ سوال فرماتے ہیں کہ کیا تم ان تمام نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود بھی کسی اور کی

[229] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۲۷۔

پرستش کرتے ہو؟ تو تم واضح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔
اس فصل میں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں فہم عبادات میں آیاتِ استفہام کی وضاحت کی گئی ہی جو کہ درج ذیل ہے۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۳۸,۱۱۴، سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۶، سورہ التوبہ آیت نمبر ۱۰۹، سورہ النحل آیت نمبر ۵۲,۴۸، سورہ الفرقان آیت نمبر ۶۰، سورہ النجم آیت نمبر ۲۱۔

فصل چہارم: آیاتِ استفہام میں فہم معاملات

اللہ تبارک و تعالیٰ نے متعدد مقامات پر انسان کی زندگی میں پیش آنے والے تمام امور کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔ مومنین کی صفات بیان کیں کہ وہ مومن لوگ عدل، اخوت، مساوات، دیانتداری، ایفائے عہد، سچ، وفاشعاری، امانتداری، ایثار الغرض زندگی کے ہر شعبے میں کتاب اللہ اور سنت رسول کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔

محسن فارابی معاملات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"قرآن مجید اللہ کا آخری نازل شدہ کلام ہے جو ہر مسلمان کے ایمان و عمل کا سرچشمہ ہے یہ انسانوں سے متعلق تمام موضوعات کا احاطہ کرتا ہے مثلاً عقل، نظریہ، عبادت، لین دین، قانون وغیرہ یہ ایک عادلانہ معاشرے، اچھے انسانی کردار اور ایک منصفانہ اقتصادی نظام کے لیے رہنما خطوط اور تفصیلی تعلیمات فراہم کرتا ہے"۔[230]

اس فصل میں تفسیر ضیاء القران کی روشنی میں معاملات کے فہم میں آیاتِ استفہام پیش کی جارہی ہیں۔

(۱)-سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَۃً ؕ وَ اللّٰہُ یَقۡبِضُ وَ یَبۡصُۜطُ ۪ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ"۔[231]

"تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اُسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی، اور اُسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"لغت عرب میں قرض کا یہ مفہوم نہیں جو ہم اردو میں اسے سمجھا کرتے ہیں کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوئی اپنے پاس نہ تھی اس لیے دوسرے سے ادھار لے کر پوری کرلی۔ کیونکہ اللہ تعالی جو غنی حمید ہے

---

[230] فارابی، محسن، اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، دارالاسلام پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۴۔

[231] القرآن، ۲:۲۴۵۔

ضرورت کے تصور سے بھی پاک ہے بلکہ قرض ہر وہ چیز یا عمل ہے جس پر جزا اور بدلہ طلب کیا جائے اب کسی قسم کا خلجان پیدا ہی نہ ہو گا۔ پہلے کیونکہ جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور جہاد کے لیے روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اس حسن بیان سے اہل اسلام کو اپنا سرمایہ اللہ تعالی کی راہ میں قربان کرنے کے لیے شوق دلایا جا رہا ہے یعنی یہ مت سمجھو کہ یہ رقم خرچ ہو گئی تو پھر واپس نہیں ملے گی بلکہ اللہ تعالی اس کا تمہیں کئی گنا معاوضہ دے گا قرض اگر بمعنی مفعول ہو تو حسن کی صفت سے یہ مراد ہو گا کہ جو مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو وہ حلال اور پاک ہو اور اگر قرض اپنے مصدری معنی میں ہی استعمال ہوا ہو تو پھر حسن سے مراد یہ ہو گا کہ قرض دوں تو خلوص سے دو، خوشی سے دو۔ اور یہ بھی خوب ذہن نشین کر لو کہ رزق کی تنگی اور فراخی اللہ قادر کریم کے ہاتھ میں ہے اگر تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو وہ اپنی رحمت کے خزانوں کے منہ کھول دے گا اور اگر بخل کیا تو کوئی بعید نہیں کہ وہ ناراض ہو جائے اور تمہیں محتاج و مفلس بنا دے۔"[232]

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ مسلمانوں میں تشویق کے لیے سوال فرما رہے ہیں کہ اے لوگو! جو اللہ تعالی کو قرض حسنہ دے گا اللہ تبارک و تعالی اسے دوگنا کر کے لوٹائے گا۔ وہی دینے والی ذات ہے اس کے خزانے میں کسی بھی قسم کی کوئی کمی نہیں ہے مگر وہ اپنے راستے میں خرچ کرنے کے لئے اپنے دیئے ہوئے رزق کو خرچ کرنے کے لئے لوگوں میں شوق پیدا فرما رہے ہیں تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ نیکیاں حاصل کر سکیں اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ایک روپے کو سات سو گنا تک بڑھا کر واپس کر دیا جاتا ہے تو اللہ تعالی انسان کو بخل سے دور اور سخاوت کے قریب کرنے کے لیے رغبت دلا رہے ہیں تاکہ مسلمان مال کی محبت میں گمراہ نہ ہو جائیں۔

(۲)-سورۃ البقرۃ میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ

[232] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/۱۶۸-۱۶۹۔

وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ‌ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ"۔ [233]

"اُن کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لیے بادشاہ مقرر کیا ہے یہ سن کر وہ بولے: ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حقدار ہو گیا؟ اُس کے مقابلے میں بادشاہی کے ہم زیادہ مستحق ہیں وہ تو کوئی بڑا مال دار آدمی نہیں ہے نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمہارے مقابلے میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی وجسمانی دونوں قسم کی اہلیتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہیں اور اللہ کو اختیار ہے کہ اپنا ملک جسے چاہے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اُس کے علم میں ہے"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

" ان کی خواہش اور اصرار کے باعث اللہ تعالی نے طالوت کو جب ان کا سردار اور سپہ سالار مقرر فرمادیا تو لگے اعتراض کرنے کہ یہ شخص نہ لادی بن یعقوب کی اولاد سے ہے اس میں نبوت نسل در نسل چلی آرہی ہے اور نہ یہود ابن یعقوب کی اولاد سے ہے جن میں حکومت و سلطنت پشت در پشت چلی آرہی ہے تو یہ نادار اور قلاش کب سردار قوم بن سکتا ہے۔ امامت کے حقدار تو ہم ہیں جن کے پاس دولت کی فراوانی ہے حضرت سموئیل علیہ السلام نے انھیں بتایا کہ حکومت کے لیے تمہارا قائم کردہ معیار درست نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح معیار تو علم و شجاعت ہے اور ان دونوں باتوں میں وہ تم سب سے ممتاز ہے۔

بائبل میں ہے کہ یہ تیس سالہ نوجوان اپنے حسن و جمال میں بے نظیر تھا اس کی قامت کی بلندی کی حالت ہیں کہ دوسرے لوگ مشکل سے اس کے کندھوں تک پہنچ سکتے تھے اور یہ بنیامین کی نسل سے تھا حضرت سموئیل نے انہیں بتایا کہ طالوت کا انتخاب انسانی انتخاب نہیں بلکہ رب العزت نے خود اسے تمہاری قیادت کے لئے منتخب فرمایا ہے تمہیں اس کی عطاو بخشش پر معترض نہیں ہونا چاہیے۔"[234]

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کا ذکر کیا جارہا ہے جب اللہ تبارک و تعالی نے طالوت کو کو سپہ سالار بنا کر بھیجا تو وہ لوگ کہتے تھے یا تو ہمارے پاس کوئی فرشتہ تھا یا کوئی امیر شخص آتا تو ہم اس کو سپہ سالار تسلیم

[233] القرآن، ۲:۲۴۷۔

[234] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/۱۷۱۔

کر لیتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے نے فرما دیا کہ کوئی بھی اپنی مرضی سے بادشاہ نہیں بن سکتا جس کو اللہ تعالیٰ منتخب فرمائیں یہاں پر بطور تعجب کے استفہام کیا جا رہا ہے کہ تم کون ہوتے ہو اللہ کے فیصلے پر اعتراض کرنے والے اور اللہ کو بتانے والے کہ بادشاہ، سپہ سالار کس کو بنا کر بھیجنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت طالوت کو حکمت و طاقت عطا فرمائی تھی تو اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہر کام کی تدبیر کرنے والے ہیں اور ان کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے ہے ان کے فیصلے کے خلاف کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا اس لیے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق گزاری ہوئی زندگی میں ہی کامیابی کی ضمانت ہے۔

(۳)۔سورۃ النساء میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا"۔ [235]

"اے نبی ﷺ! تم نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا شیطان انہیں بھٹکا کر راہ راست سے بہت دور لے جانا چاہتا ہے"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

" ان آیات کے شان نزول کے متعلق علماء تفسیر و حدیث نے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک یہودی اور ایک منافق کے درمیان جو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا کرتا تھا تنازعہ ہو گیا یہودی حق پر تھا اس نے اس بظاہر مسلمان کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلہ کرانے کے لیے کہا اس منافق کے دل میں چور تھا اسے معلوم تھا کہ وہاں تو نہ سفارش چلے گی اور نہ رشوت سے کام بنے گا اس لئے اس نے کہا کہ تمہارے عالم

[235] القرآن، ۴:۶۰۔

کعب بن اشرف کے پاس چلتے ہیں یہودی اس بات پر رضامند نہ ہوا تھا چار وناچار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے یہودی حق پر تھا فیصلہ بھی اسی کے حق میں ہوا۔"[236]

"منافق کو پسند نہ آیا تو وہ یہودی کو لے کر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہاں سے بھی وہی حکم ملا لیکن اس کو بھی تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوا آخر دل میں سوچا کہ بظاہر تو میں مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلتے ہیں وہ یقیناً میرے اسلام کا پاس کرتے ہوئے میرے حق میں فیصلہ دیں گے۔ چناچہ اس نے یہودی کو بھی اس پر رضامند کر لیا جب وہاں پہنچے تو یہودی نے عرض کی کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں کر چکے ہیں اب یہ مجھے آپ کے پاس لایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے واپس آنے تک ٹھہرو، چنانچہ آپ گھر تشریف لے گئے تلوار بے نیام کر کے واپس آئے اور اس منافق کا سر قلم کر دیا اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ وسلم کے فیصلے کو تسلیم نہیں کرتا میں اس کا یہ فیصلہ کیا کرتا ہوں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ وسلم نے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو الفاروق یعنی حق کو باطل میں فرق کرنے والے کے لقب سے سرفراز کیا یہاں طاغوت سے مراد وہ حاکم اور عدالت ہے جو احکام الٰہی کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کیا کرے۔"[237]

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول کسی بھی کام کا فیصلہ فرمادیں تو پھر یہ جائز نہیں کہ اس کے خلاف کوئی عمل کیا جائے کیونکہ نبی کریم اپنی مرضی سے کچھ نہیں بولتے ان پر جو وحی کی جاتی ہے وہ اسی کے مطابق فیصلے فرماتے تھے اس میں منافق کا بیان ہے جو کہ اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے دین کا سہارا لے رہا تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ مجھے مسلمان سمجھتے ہوئے میرے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر کوئی بھی ایسا عمل کرے گا جو کہ سچ کے خلاف ہو گا تو جان رکھو کہ اللہ تبارک وتعالی تمہارے دلوں کے بھید سے واقف ہے تمہارے سینوں کے رازوں کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے ہر چیز اس کے سامنے واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہے اس لئے منافقین جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کو دھوکا

[236] کرم شاہ، ضیاء القران، ۱/ ۳۵۵۔

[237] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/ ۳۵۶۔

دے رہے ہیں حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنی جانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں لیکن وہ اس بات کو نہیں سمجھتے۔

(۴)- سورۃ النسآء میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا"۔ [238]

"آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"مکہ میں کئی مرد عورتیں اور بچے ایسے تھے جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن کفار مکہ نے ان کا ناک میں دم کیا ہوا تھا نہ وہ ہجرت کر سکتے تھے اور نہ انہیں امن و سلامتی میسر تھی۔ وہ مظالم برداشت کرتے ہوئے اللہ کے حضور میں دعائیں مانگتے تھے کہ اے غریبوں کے فریادرس اور بے کسوں کے حامی ہم ناتوانوں پر رحم فرما ہمیں ان ظالموں کے چنگل سے چھڑا۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو اپنے مظلوم بھائیوں، بہنوں کی امداد کی ترغیب دے رہا ہے چنانچہ وہ دن آیا جب نبی رحمت اپنے ہمراہ دس ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ پر حملہ آور ہوئے اس روز مکہ والوں نے اپنے بند دروازے کھول دیے اور اس کے مغرور و متکبر سرداروں نے اپنی گردنیں خم کر دی اور مظلوموں نے آزادی کا سانس لیا یہ حکم اب بھی بدستور ہے۔ جس خطہ زمین میں مسلمانوں پر کفار مظالم توڑ رہے ہو تو دوسرے مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان کو نجات دلائیں۔ ومالکم میں استفہام تحریض کے لئے ہے یعنی جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لئے۔" [239]

---

[238] القرآن، ۴:۷۵۔

[239] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/ ۳۶۵۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ ان مسلمانوں کا حال بیان فرمارہے ہیں جو کہ مکہ میں تھے اور کفار مکہ کہ ان کو تنگ کرتے تھے اور بے تحاشہ ظلم کرتے تھے اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کرتے تھے تو اس آیت میں جہاد کے بارے میں رغبت دلانے کے لیے سوال کیا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہارے مسلمان بہن بھائی جو کہ کفار کے ظلم کا شکار ہیں وہ تمہیں مدد کے لیے پکار رہے ہیں اور یہ کہ تم پر فرض ہے کہ ان مسلمانوں کی مدد کرو اس کے بعد مدینہ کے مسلمانوں نے مکہ پر چڑھائی کر کے اپنے مسلمان بہن، بھائیوں کو کفار مکہ کے ظلم سے نجات دلائی بھائی اور مکہ میں اسلامی حکومت قائم کر کے مکہ کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنا دیا۔

(۵)- سورۃ الانعام میں فرمان الٰہی ہے:

"اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ"۔ [240]

"کیا وہ شخص جو پہلے مُردہ تھا پھر ہم نے اسے زندگی بخشی اور اس کو وہ روشنی عطا کی جس کے اجالے میں وہ لوگوں کے درمیان زندگی کی راہ طے کرتا ہے اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہو اور کسی طرح اُن سے نہ نکلتا ہو؟ کافروں کے لیے تو اسی طرح ان کے اعمال خوشنما بنا دیے گئے ہیں"۔

اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ زندہ اور مردہ شخص کی مثال بیان فرمارہے ہیں یعنی ایک انسان جو کہ مردہ تھا مثلاً ظلم کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اس کو ہم نے روشنی عطا کی اور وہ اس روشنی میں سیدھے راستے کی طرف چل پڑا اور ایک وہ شخص جو کہ تاریکی میں یعنی گمراہی میں پڑا ہوا ہے اس کے سامنے کوئی روشنی نہیں ہے تو کیا یہ لوگ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں، یہاں پر بطور تنبیہہ کے سوال کیا جارہا ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا اور گمراہی کے راستے پر چلنے والا دونوں شخص کبھی برابر نہیں ہو سکتے جس طرح اندھیرا اور اجالا برابر نہیں ہو سکتے، دیکھنے والا اور اندھا دونوں برابر نہیں ہو سکتے بالکل اسی طرح نیک انسان اور

---

[240] القرآن، ۶:۱۲۲۔

بدکار شخص کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان جمادات کی طرح بے اختیارہ بے ارادہ نہیں بلکہ اس کے الفاظ اس کے اختیارات سے صادر ہوتے ہیں اسی لئے اس کے اعمال کے متعلق اس سے باز پرس ہو گی لیکن اس کا یہ اختیار اور ارادہ اسے اللہ کے قبضہ قدرت سے باہر نہیں کر دیتا اور یہ اسی کا عطا فرمودہ ہے۔ پہلی آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالی کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام مت کہو اس آیت میں حکم دیا گیا اللہ تعالی کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال مت سمجھو وہ جانور جو خود مر گیا وہ بھی حرام ہے اور جسے ذبح کیا گیا لیکن دانستہ اس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا یا اللہ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام بھی لے دیا گیا تو وہ بھی حرام ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال یقین کرتا ہے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دین الہی میں اللہ کے حکم کو چھوڑنا اور دوسرے کے حکم کو ماننا اور اللہ کے سوا دوسرے کو حاکم قرار دینا شرک ہے۔"[241]

(٦)-سورۃ النحل میں ارشادِ الہی ہے:

"يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ"۔[242]

"لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اِس بری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لیے رہے یا مٹی میں دبا دے؟ دیکھو کیسے برے حکم ہیں جو یہ خدا کے بارے میں لگاتے ہیں"۔

نیز ارشاد فرمایا:

"وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

[241] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/ ۳۹۶۔۵۹۷۔

[242] القرآن، ۱۶:۵۹۔

وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالۡبَاطِلِ يُؤۡمِنُوۡنَ وَبِنِعۡمَتِ اللّٰهِ هُمۡ يَكۡفُرُوۡنَ" ۔[243]

"اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمہیں بیٹے پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کے احسان کا انکار کرتے ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"کفار کی یہ من گھڑت تقسیمیں کتنی بھونڈی اور ناروا ہیں۔ اپنے مزید احسانات کی یاد دہانی کروائی جارہی ہے یعنی ہم نے تمہیں تنہا پیدا نہیں کیا۔ ایسی تنہائی جس میں غم کے لمحے بڑے بھیانک ہوتے ہیں اور خوشی کے ساعتیں بڑی اداس، بلکہ ہم نے تمہیں اس زندگی کا راستہ طے کرنے کے لئے ایک ساتھی بھی دیا اور مزید کرم فرمایا کہ وہ تمہاری ہی جنس سے ہے تاکہ تمھاری آرزوئیں اور تمنائیں تمھارے جذبات اور خواہشات سب یکساں ہوں تاکہ تم ایک دوسرے کے لیے باعث مسرت اور موجب اطمینان ہو۔ اس پر مزید کرم یہ کیا کہ تمہیں اولاد کی نعمت سے بہرہ ور کیا اور تمہیں پوتے اور پوتیاں بخشی اس طرح تمہارے دلوں کو مسرت اور تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچائیں مزید برآں تمہیں کھانے کے لئے عمدہ سے عمدہ چیزیں مہیا فرمائیں۔ ان گوناگوں احسانات کے باوجود اگر تم شرک سے باز نہ آؤ تو تم سے بڑھ کر اور کون ناشکرا اور احسان فراموش ہو گا اس آیت میں حفدہ کا معنی اولاد یعنی پوتے پوتیاں یا نواسے نواسیاں ہیں۔ اور اگلی آیت میں باطل سے مراد شیطان ہے اور نعمت اللہ سے مراد حضور فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات صفات ہے۔ باطل سے مراد حرمت کے احکام میں شیطان کی اطاعت کرنا ہے اور بعض نے کہا کہ ان کا اپنے بتوں سے شفاعت کی توقع رکھنا اور ان کی برکت پر یقین رکھنا باطل ہے۔[244]

اس آیت میں کفار مکہ کی روش بیان کی جارہی ہے کہ وہ لوگ بیٹی کی پیدائش پر ناخوش ہوتے تھے اور وہ اپنا چہرہ چھپائے ہوئے پھرتے تھے کہ کوئی ہمیں طعنہ نہ دے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے تم میں سے

[243] القرآن، ۱۶:۷۲۔

[244] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۲/ ۵۸۵۔۵۸۶۔

مرد اور عورت سے پیدا کیا اور اس سے تمہاری اولادیں پیدا کی اس طرح تمہاری نسلیں بڑھتی ہیں تو کیا تم اس عورت کو جس سے تمہاری افزائش نسل ہوتی ہے اس کے پیدا ہونے پر، افسوس اور تعجب کا اظہار کرتے ہو تو تم پر تعجب ہے ورنہ تم لوگ بیٹوں کی کثرت کو پسند کرتے ہو تو بغیر عورت کے تم کیسے وارث بن سکتے ہو کفار مکہ کی یہ بہت غلط عادت تھی وہ بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے اسلام نے آکر اس قبیح رسم کا خاتمہ کیا اور عورت کو ہر روپ میں چاہے وہ بیٹی ہو یا بہن یا بیوی یا ماں ہر روپ میں ایک مرتبہ اور مقام عطا فرمایا، وراثت میں حصہ مقرر کیا اور اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے تمام انسانوں کے حقوق و فرائض متعین فرمائے جن پر عمل کرنے سے پر امن اور خوشحال معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔

(۷)- سورۃ القصص میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔[245]

"وہ کہتے ہیں اگر ہم تمہارے ساتھ اِس ہدایت کی پیروی اختیار کر لیں تو اپنی زمین سے اُچک لیے جائیں گے کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم نے ایک پر امن حرم کو ان کے لیے جائے قیام بنا دیا جس کی طرف ہر طرح کے ثمرات کھچے چلے آتے ہیں، ہماری طرف سے رزق کے طور پر؟ مگر ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

خدا کی نافرمانی کے ہولناک انجام سے بچنے کے لیے انھیں گزشتہ قوموں کے کھنڈرات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اس آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کفار مکہ سے خطاب فرما رہے ہیں کہ جس جگہ میں تم رہتے ہو ہم نے اس زمین کو امن کا گہوارہ بنا دیا گیا اور اس میں پھلوں کی کثرت، مال کی کثرت اور رزق کی فروانی عطا کر دی لوگ دور دور سے اس جگہ پر زیارت کے لئے آتے ہیں جس کی وجہ سے تمہاری تجارت کا کام کام بہت بہتر طریقے سے ہوتا ہے اور تم نفع حاصل کرتے ہو تو کیا تم ان باتوں پر غور نہیں

---

[245] القرآن،۲۸:۵۷۔

کرتے کہ یہ سب کرنے والی ذات کون ہے یہ اللہ کی ذات ہے جو کہ کہ جسے چاہے فراوانی عطا فرمائے اور جسے چاہے تنگدست کر دے۔"[246]

اس آیت میں مشرکین مکہ کی روش بیان کی جارہی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو ہمارے معبود دیوی اور دیوتا کے عذاب کی پکڑ میں ہم آجائیں گے جس کی وجہ سے ہم اچک لئے جائیں گے اللہ تبارک وتعالی اپنا احسان ان کو یاد کرواکر ان سے سوال فرمارہے ہیں کہ کہ کیا تم نہیں جانتے کہ کیسے تم مکہ میں جنگ وجدال کرتے تھے اور ہم نے اس گھر کو امن کا گھوارہ بنادیا اور اس شہر کو رزق کی فراوانی عطا کی لوگ دور دور سے یہاں آتے ہیں اور تمہارے کاروبار خوب چلتے ہیں۔ کیا تم لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے کتنی ہی اقوام تھیں جو کہ نافرمانی اور سرکشی کے باعث اللہ کے عذاب سے دوبار ہوئیں آج ان کا نام ونشان تک مٹ چکا ہے تو کیا تم ان واقعات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے ؟ کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟ کیا تم سوچ وبچار نہیں کرتے ؟ یاد رکھو کہ ہر انسان کا ایک وقت مقرر ہے اور جب وہ وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے اور نہ ہی آگے بڑھ سکتی ہے اور یہ اللہ عزوجل کا بنایا ہوا قانون ہے اور اس کا ہر فیصلہ اٹل ہے۔

(۸)-سورۃ الأحزاب میں فرمان الٰہی ہے:

"قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یَعۡصِمُکُمۡ مِّنَ اللّٰہِ اِنۡ اَرَادَ بِکُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِکُمۡ رَحۡمَۃً ؕ وَلَا یَجِدُوۡنَ لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیۡرًا"۔ [247]

"اِن سے کہو، کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہو اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے؟ اور کون اس کی رحمت کو روک سکتا ہے اگر وہ تم پر مہربانی کرنا چاہے؟ اللہ کے مقابلے میں تو یہ لوگ کوئی حامی ومددگار نہیں پاسکتے ہیں"۔

اس آیت میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہی کہ اے لوگو! اگر اللہ تبارک وتعالی تمہیں نقصان پہنچانا چاہے

---

[246] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۳/۵۰۳۔

[247] القرآن، ۳۳:۱۷۔

یعنی کسی بھی قسم کا نقصان کسی کے مقدر میں لکھ دے تو کوئی بھی ایسی ذات نہیں ہے جو تم کو اس نقصان سے بچا سکے کیونکہ کہ اللہ کے مقابلے میں تمام قوتیں بودی اور کمزور ہیں باقی جتنے بھی سہارے ہیں مکڑی کے گھروندے کی طرح کمزور ہیں۔ اور اگر اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات تمہیں کشادگی عطا فرمائے تو تم سے کوئی بھی طاقت اس فائدے کو نہیں روک سکتی نفع اور نقصان ان دونوں کا مالک صرف اللہ تعالی ہی ہے اور یہ دونوں چیزیں اسی کے اختیار میں ہیں وہ جسے چاہتا ہے کشادگی عطا فرماتا ہے ہے اور جسے چاہتا ہے تنگدستی۔ اگر تم اللہ کے مقابلے میں کسی اور کو مدد کے لئے بلاتے ہو تو وہ کبھی بھی تمہاری مدد کو نہیں آسکیں گے غرض یہ کہ جو لوگ دنیا میں شیطان کے قدموں کی پیروی کرتے ہیں تو قیامت کے دن وہ ان سے برات کا اظہار فرمائے گا ایک مسلمان کا کامل یقین ہونا چاہیے کہ اگر اسے کوئی نفع پہنچے یا اسے کسی نقصان کا سامنا کرنا پڑے تو وہ سب اللہ کی طرف سے اس کے مقدر میں تھا انسان کو اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانا اسی لیے ضروری ہے کہ ہر کام اللہ کے حکم سے ہی ہوتا ہے اللہ کے فیصلے کے خلاف کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ وہ قائم ذات ہے اور اس کی طاقت آسمان اور زمین کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور کوئی درخت کا پتہ بھی اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہل سکتا بالکل اسی طرح انسان کے ذہن میں آنے والے خیالات کو بھی وہ جانتا ہے کیونکہ وہ علیم اور باریک بین ہے۔

(۹)-سورۃ فاطر میں ارشادِ الٰہی ہے:

"اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا"۔ [248]

"یہ زمین میں اور زیادہ استکبار کرنے لگے اور بری بری چالیں چلنے لگے، حالانکہ بُری چالیں اپنے چلنے والوں ہی کو لے بیٹھتی ہیں اب کیا یہ لوگ اِس کا انتظار کر رہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے ساتھ اللہ کا جو طریقہ رہا ہے وہی اِن کے ساتھ بھی برتا جائے؟ یہی بات ہے تو تم اللہ کے

[248] القرآن، ۳۵:۴۳۔

طریقے میں ہر گز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو اس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"حاق یحیق کا معنی ہے احاطہ کرنا، چاروں طرف سے گھیر لینا، یعنی وہ سازش تو اسلام کے خلاف کرتے تھے لیکن اس سازش کا وبال خود ان ہر پڑتا تھا۔ جو حیلہ کیا منہ کی کھائی۔ اسلام کے خلاف ہر منصوبہ خاک میں مل گیا وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتے اور طرح طرح کے بہتان لگا کر بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اللہ تعالی نے اپنے محبوب کی شان کو اور زیادہ بلند کر دیتا۔ حضور کی عظمت کا ڈنکا دور دور تک بجنے لگتا۔ غرضیکہ جو تدبیر بھی کی الٹی پڑی۔ کفار بار بار ٹھوکریں کھانے کے باوجود نہیں سنبھلتے اور اپنی گھٹیا حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ کیا یہ اس بات کے منتظر ہیں کہ ان پر بھی ایسا عذاب نازل ہو جو ان سے پہلے گزری ہوئی سرکش قوموں پر نازل ہوا تھا اگر ان کی یہی مرضی ہے تو پوری کر دی جائے گی کیونکہ نافرمانوں کے ساتھ اللہ تعالی کا برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالی کی سنت کو کوئی بدل نہیں سکتا۔[249]

اس آیت مبارکہ میں کافروں کا حال بیان کیا جارہا ہے ہیں کہ ہر وقت اسی کوشش میں ہوتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، اصحاب رسول کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔ وہ ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے مثلا ہجرت مدینہ کے موقع پر کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کو گھیرے میں لے لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے نکلیں تو آپ ﷺ کو شہید کر دیا جائے مگر اللہ تبارک و تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باحفاظت اپنے گھر سے نکالا اور مدینہ تک پہنچا دیا ان کی تمام تدابیر کو پلٹ کر رکھ دیا اور ہمیشہ جیت مسلمانوں کی ہی ہوتی تھی اللہ تبارک و تعالی ان سے بطور انذار کے سوال فرمارہے ہیں کہ کیا تم نے نے اپنے سے پہلے قوموں کا حال نہیں دیکھا جنہوں نے ہماری نافرمانی کی جنہوں نے ہماری حکم عدولی کی اور ہم نے ان کا کیا انجام کیا؟ کیا تم لوگ بھی یہ چاہتے ہو کہ تمہارا حال بھی ان جیسا ہو یاد رکھو ہے جب کسی قوم کا وقت مقررہ آجاتا ہے تو ان کو مہلت نہیں دی جاتی تو کافروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا۔

---

[249] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۴/ ۵۱۷۔

(۱۰)-سورۃ محمد میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

"اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا"۔[250]

"کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا، یا دلوں پر اُن کے قفل چڑھے ہوئے ہیں؟"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"حق جب نکھر کر سامنے آجاتا ہے تو اس کی کشش خود بخود دلوں کو اپنی طرف جذب کرنے لگتی ہے۔ جو لوگ اس حق کو قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں اور باطل سے چمٹے رہتے ہیں اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان باطل عقائد اور اعمال کو ان کے سامنے آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کرتا ہے ان کو جھوٹی امنگوں سے للچاتا ہے۔ ان کے دل میں ڈالتا ہے کہ ابھی تو عنوان شباب ہے۔ موت تو بڑی دیر کے بعد آئے گی ان لمحوں کو ضائع مت کرو اور جی بھر کر کرو عیش و نشاط کرو۔ ان کے گناہوں کو ان کے سامنے خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔ شیطان انہیں طرح طرح کی امیدیں دلاتا ہے اور ان سے وعدہ کرتا ہے کہ تمہاری عمر بڑی لمبی ہو گی۔ توبہ کرنے کی اتنی جلدی کیا ہے۔ جب بڑھاپا آجائے گا اس وقت توبہ کر لینا۔"[251]

مزید ارشاد فرمایا:

"اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ"۔[252]

"کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا"؟۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"منافقین تصنع اور ریاکاری کے پردے ڈال کر اپنے دلوں کے بغض کو چھپانے کی بڑی کوشش کر رہے ہیں

---

[250] القرآن، ۴۷:۲۴۔

[251] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۴/ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔

[252] القرآن، ۴۷:۲۹۔

لیکن کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے نفاق کو چھپانے میں کامیاب ہو جائیں گے ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے جو شعلے بھڑک رہے ہیں کسی کو ان کی خبر نہ ہو گی یہ ان کی خام خیالی ہے اللہ تعالی ان کا پردہ چاک کر دے گا اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے راز آشکار ہو جائیں گے۔ اضغان جمع ہے۔ اس کا واحد ضغن ہے بمعنی بغض اور کینہ۔"[253]

مذکورہ آیت میں یہ بات بیان کی جا رہی ہے کہ حق ان کے سامنے آجاتا ہے واضح ہو جاتا ہے لیکن وہ پھر بھی باطل کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں ہیں صرف یہی سوچتے ہیں کہ ابھی تو عمر پڑی ہے شیطان برے اعمال کو ان کے سامنے مزین کر کے پیش کرتا ہے انکو اپنی چالوں میں پھنسانے کی کوشش کرتا ہے وہ ان گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور شیطان کا جو انسان کو راہ راست سے ہٹانے کا مقصد ہے وہ پورا ہو جاتا ہے اسی طرح منافقین مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں وہ اسلام کے خلاف دل میں بغض و نفرت رکھ کر مسلمانوں کی محفلوں میں موجود ہوتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی باتوں کو سن کر کفار تک پہنچا دیں دے اور اس کے عوض میں وقتی فائدہ حاصل کر لیں کیونکہ وہ لوگ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہم مسلمانوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں جبکہ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ اللہ تبارک و تعالی ان کے تمام احوال کو جانتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ان کے بارے میں اطلاع دی جاتی ہے تو یہ لوگ وقتی فائدے کے لئے لئے آخرت کی ہمیشہ کے فائدے کو فراموش کر رہے ہیں۔ اس آیت میں بطور تعجب کے استفہام کیا جا رہا ہے کہ وہ کس گمان اور خام خیالی میں مبتلا ہیں؟

(۱۱)۔سورۃ الصف میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ"۔ [254]

---

[253] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۴/ ۵۱۸۔

[254] القرآن، ۶۱:۷۔

"اب بھلا اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھے حالانکہ اسے اسلام (اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینے) کی دعوت دی جا رہی ہو؟ ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت نہیں دیا کرتا"۔

اس آیت مبارکہ میں یہ بات ضاحت کے ساتھ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اللہ تبارک و تعالی نے دین اسلام کو تمام لوگوں کے لئے پسند فرمایا ہے اور قیامت تک جتنے بھی لوگ آئیں گے وہ اسی دین پر عمل کریں گے اور اسی دین کو قبول کریں گے تو جنت کے مستحق ہوں گے مگر جو لوگ اللہ کے بارے میں میں غلط باتیں کرتے ہیں اور جھوٹے بہتان باندھتے ہیں تو ان سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ مثلاً یہودی کہتے تھے کہ ہم اللہ کی چہیتی قوم ہیں اور ہم جنت میں جائیں گے ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جائے گا اگر دیا جائے گا تو وہ بھی وقتی ہو گا اسی طرح نصاریٰ کہتے تھے کہ ہم ہی صحیح دین پر ہیں تو اللہ تبارک و تعالی فرماتے ہیں کہ تمہارے پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہم نے تمہارے راستے کو ہی جنت کا راستہ بتایا ہے کیونکہ دین اسلام کے آنے سے سابقہ شریعتیں منسوخ ہو گئیں اب تم اللہ کے بارے میں بہتان باندھتے ہو، دین میں کسی نئی بات ایجاد کرنا بدعت کہلاتا ہے اس میں کچھ لوگ لوگ اچھے اعمال کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان اعمال کا قرآن اور حدیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا اللہ تبارک و تعالی کو وہ اعمال پسند ہیں جن کا حکم قرآن اور حدیث میں دیا گیا ہے قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے انسان کو زندگی گزارنے کے لئے تمام اصول اس میں بیان کر دیئے گئے ہیں تاکہ لوگوں کے لئے کوئی حجت باقی نہ رہے اور لوگ تفکر کر کے کے اپنے مسائل کا حل تلاش کریں، تو اس کے باوجود بھی جو لوگ اپنی طرف سے نئے کام ایجاد کرتے ہیں تو وہ اللہ تعالی پر جھوٹ باندھ رہے ہیں تو ایسے شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہو سکتا یعنی ان کے جھوٹ کو ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایسے لوگوں کے لیے کوئی نجات کا کا راستہ نہیں ہو گا۔ اس آیت میں باطل کے رد کے لئے سوال کیا گیا ہے۔

(۱۲)۔ سورۃ القلم میں ارشاد ربانی ہے:

"اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ،"اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ

يَكْتُبُوْنَ"۔ [255]

"کیا تم اِن سے کوئی اجر طلب کر رہے ہو کہ یہ اس چٹی کے بوجھ تلے دبے جارہے ہوں؟،
کیا اِن کے پاس غیب کا علم ہے جسے یہ لکھ رہے ہوں؟"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

بظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن مقصد ان منکرین سے یہ پوچھنا ہے کہ تم جو میرے رسول کی بات سننا بھی پسند نہیں کرتے بڑی کراہت اور ناگواری کا اظہار کرتے ہو کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم سے کچھ مانگتا ہے جس کی وجہ سے تم بوجھل بوجھل رہتے ہو یا تمہارے پاس ہے غیب سے کوئی اطلاع آئی ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ نہیں۔ اگر کچھ نہیں تو پھر تمہارے بدکنے اور بھاگنے کی وجہ کیا ہے؟۔ [256]

اس آیت مبارکہ میں منکرین سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جو دین پڑھ کر سناتے ہیں کیا وہ اس کے عوض تم سے کوئی معاوضہ وصول کرتے ہیں یا تم سے کوئی مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے تم وہ معاوضہ ادا نہیں کر سکتے یا اس کے مطالبے کو پورا نہیں کر سکتے؟ تو پھر ایسی کیا وجہ ہے کہ تم نبی کی بات سننے سے گریز کرتے ہو یعنی ایک شخص تمہیں بغیر کسی اجرت کے اور بغیر کسی معاوضے کے دین حق پڑھ کر سنا رہا ہے اور وہ یہی کہتا ہے کہ میرا اجر صرف اللہ کے ذمے ہیں اور تم اتنے سرکش اور ہٹ دھرم ہو کہ اس کی بات کو بھی سننا پسند نہیں کرتے۔ اللہ تبارک وتعالی یہاں پر بطور تعجب کے سوال فرمارہے ہیں کہ تم لوگ واضح گمراہی میں پڑے ہوئے ہو تبھی حق بات کو نہیں سن سکتے؟ اگر کوئی شخص صحیح راستہ دکھائے تو اس راستے پر عقل والے لوگ عمل کرتے ہیں مگر تمہاری راہ کیسی عجیب ہے کہ تمہاری ضد حق کو اپنانے کے راستے میں میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔

خلاصہ بحث

اسلام کی تعلیمات فطرت کے عین مطابق ہیں اللہ پاک نے انسان کو بنانے کے بعد ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا

[255] القرآن، ۶۸: ۴۶-۴۷۔

[256] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵ / ۳۴۱۔

بلکہ اسکو زندگی گزارنے کے آداب سکھائے ہیں معاشرہ میں رہتے ہوئے سب لوگوں کے ساتھ مل جل کر تعاون، احساس اور ہمدردی کے تحت زندگی گزارنی ہے اسلامی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی کرتی ہیں خواہ کوئی بھی شعبہ ہو اس لئے اسلامی اصولوں کے تحت ہی ہم معاشرے کو پر امن بنا سکتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس فصل میں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں فہم معاملات میں آیاتِ استفہام کو بیان کیا گیا ہے جو کہ درج ذیل ہیں۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۴۵,۲۴۷، سورہ النسآء آیت نمبر ۶۰,۷۵، سورہ الانعام آیت نمبر ۱۲۲، سورہ النحل آیت نمبر ۵۹,۷۲، سورہ القصص آیت نمبر ۵۷، سورہ الاحزاب آیت نمبر ۱۷، سورہ فاطر آیت نمبر ۴۳، سورہ محمد آیت نمبر ۲۴،۲۹، سورہ الصف آیت نمبر ۷، سورہ القلم آیت نمبر ۴۶,۴۷۔

فصل پنجم: آیاتِ استفہام میں فہم آخرت

عقیدہ آخرت یا ایمان بالآخرۃ ارکانِ ایمان کا سے ایک رکن ہے اور اس سے انکار کفر ہے موت ایک اٹل حقیقت ہے جسے زندگی ملی اسے موت سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔

ارشاد ربانی ہے:

"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ"۔ [257]

"ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور قیامت کے دن تم اپنے پورے پورے بدلے دیئے جاؤ گے"۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ جو زندگی تم اس فانی دنیا میں گزارو گے اپنے اعمال کے مطابق سزا یا جزا پاؤ گے اور کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

حافظ مبشر حسین تحریر فرماتے ہیں:

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان اور یہ کائنات حادثاتی طور پر خود بخود پیدا ہو گئ تھی موت کے بارے میں بھی ان کی یہی سوچ ہے کہ یہ سب خود بخود فنا ہو جائے گا۔ لیکن اسلام ہمیں بتاتا ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق و مالک ہے جس نے خاص مقصد کے تحت اس کائنات اور اس میں بسنے والوں کو وجود بخشا ہے اسی کے حکم سے انسان پیدا ہوتا ہے اور اسی کے حکم سے مرتا ہے انسان کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کرے اور اسی کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرے گویا زندگی انسان کے لیے مہلت ہے اس مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اگلی زندگی کی بہتری کی کوشش کی تو وہ کامیاب اور اگر اس مہلت سے فائدہ نہ اٹھا سکا تو اگلی زندگی میں بھی نقصان اٹھانے والوں کی صف میں ہو گا"۔[258]

اس فصل میں تفسیر ضیاء القران کی روشنی میں عقیدۂ آخرت کے فہم میں آیاتِ استفہام پیش کی جا رہی ہیں۔

---

[257] القرآن، ۳:۱۵۸۔

[258] مبشر حسین، انسان اور آخرت، مبشر اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۶ء ص ۱۴.

۱) سورۃ البقرۃ میں ارشاد ربانی ہے:

"اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ"۔[259]

"تم نے اُن لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا، جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ اللہ نے اُن سے فرمایا: مر جاؤ پھر اُس نے اُن کو دوبارہ زندگی بخشی حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

" آیت کا مقصد مسلمانوں کو کسی گزشتہ قوم کے عمل سے عبرت دلانا ہے جو موت کے ڈر سے بھاگ نکلی تھی لیکن اللہ تعالی نے وہ موت جس سے وہ بھاگے تھے ان پر مسلط کر دی۔ پھر کچھ عرصہ بعد انھیں نئی زندگی عطا فرمائی۔ اور اس طرح مارنے اور جلانے سے مدعا ان کو یہ سمجھانا تھا کہ موت سے بھاگنے کی کوشش کرنا بے سود ہے نہ تم اپنی سعی و کوشش سے اپنی موت کو ٹال سکتے ہو اور نہ زندگی بڑھا سکتے ہو۔ اور اس واقعہ کے ذکر کرنے سے امت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ تم ایسا مت کرنا۔ وہ کون تھے؟ کہاں سے بھاگے تھے؟ کیوں بھاگ گئے تھے؟ یہ ایسی تنقیحات ہیں جن میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لیے قرآن نے ان کا ذکر نہیں کیا۔"[260]

"اب معنی یہ ہو گا کہ وہ ایسی حالت میں اپنے گھروں سے نکلے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ پیار و محبت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس آیت سے علماء کرام نے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا ہے کہ اگر کہیں وبا پھوٹ پڑے تو وہاں کے لوگوں کو بھاگ کھڑا نہیں ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر تندرست بھاگ نکلے تو بیماروں کی تیمارداری

---

[259] القرآن، ۲:۲۴۳۔

[260] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/۱۶۷۔

کون کرے گا۔ نیز اس بھگدڑ سے ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی جن کا پہلے اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نیز اگر مرض متعدی ہے تو ممکن ہے کہ ان کی وجہ سے بیماری کے جراثیم صحت مند علاقوں میں منتقل ہو جائیں اور وہاں بیماری پھیل جائے اور اس حکم کی سب سے بڑی حکمت جو بحیثیت دین اسلام کے پیش نظر ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح لوگوں کا عقیدہ متزلزل ہو جائے گا اور اللہ تعالی کے سوا دوسرے اسباب کو وہ محی وممیت سمجھنے لگیں گے۔ جس طرح اسلام نے وبازدہ علاقوں سے بھاگنے سے منع فرمایا اسی طرح اس میں داخل ہونے سے بھی روکا۔"[261]

اس آیت مبارکہ میں اللہ پاک معلومات کو یقینی بنانے کے لئے سوال فرمارہے ہیں کہ ایک ایسی قوم گزری ہے جو موت کے ڈر سے اپنے علاقے کو چھوڑ کر فرار ہوگئی تھی مگر اللہ تبارک و تعالی نے ان پر موت کو مسلط کر دیا اور یہ بات واضح کر دی کہ تم لوگ جہاں بھی ہوگئے موت تم کو پالے گی کیونکہ اگر کوئی انسان موت سے ڈر کے کسی جگہ بھی پناہ لے لے کہیں بھی چھپ جائے مگر موت کسی بھی لمحے اس کو پالے گی اور اس آیت میں یہ بھی وضاحت کی گئی ہے اگر کسی جگہ بیماری پھیل جائے تو اس علاقے سے نہ نکلو کیونکہ جو کچھ اللہ نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ بیماری بھی تم حاصل کر کے رہوں گے اپنا یقین اللہ پر پختہ رکھو۔

(۲)- سورۃ الاعراف میں ارشاد خداوندی ہے:

"اَفَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا بَيَاتًا وَّهُمۡ نَآٮِٕمُوۡنَ"۔[262]

"پھر کیا بستیوں کے لوگ اب اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہماری گرفت کبھی اچانک اُن پر رات کے وقت نہ آجائے گی جب کہ وہ سوتے پڑے ہوں؟"۔

"اَوَاَمِنَ اَهۡلُ الۡقُرٰٓى اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ بَاۡسُنَا ضُحًى وَّهُمۡ يَلۡعَبُوۡنَ، اَفَاَمِنُوۡا مَكۡرَ اللّٰهِ‌ۚ فَلَا

[261] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۱/۱۶۸۔

[262] القرآن، ۷:۹۷۔

يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ"۔[263]

"یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں؟، کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو"۔

پھر ارشاد فرمایا:

"اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ، اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ"۔[264]

"یا انہیں اطمینان ہو گیا ہے کہ ہمارا مضبوط ہاتھ کبھی یکایک ان پر دن کے وقت نہ پڑے گا جب کہ وہ کھیل رہے ہوں؟، کیا یہ لوگ اللہ کی چال سے بے خوف ہیں؟ حالانکہ اللہ کی چال سے وہی قوم بے خوف ہوتی ہے جو تباہ ہونے والی ہو"۔

ان آیات کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

"اے مکہ اور اس کے ارد گرد بسنے والو پہلے نبیوں کو جھٹلانے والی قوموں کا یہ انجام ہوا اگر تم میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائے اور اس کی مخالفت پر کمربستہ رہے تو کسی وقت بھی تم پر عذاب نازل کر دیا جائے گا اور تمہاری اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی جائے گی۔"[265]

ان آیات میں اللہ پاک یہ بیان فرما رہے ہیں کہ یہ کافر لوگ جو شرک و گمراہی میں مبتلا ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں آپ کو تکلیف دیتے ہیں آپکے ماننے والوں کے ساتھ برا سلوک کرتے ہیں تو کیا وہ اللہ کی پکڑ سے بے خوف ہو گئے ہیں تو یہاں بطور تعجب کے استفہام فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ کس غفلت کا شکار ہیں حالانکہ ان کے پاس ایسی بہت سی بستیوں کے کھنڈرات موجود ہیں جن قوموں نے

---

[263] القرآن، ۷:۹۸۔

[264] القرآن، ۷:۹۹۔

[265] کرم شاہ، ضیاء القران ۲/ ۶۲۔

اپنے نبیوں کو جھٹلایا تھا اللہ کے حکم کو سر پشت ڈال دیا تو ان قوموں پر دوپہر کے وقت اور کسی پر رات کے وقت جب وہ آرام کر رہے تھے ایسا عذاب نازل کیا گیا کہ انکی بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا گیا تو اب اگر کفار مکہ بھی ان کی طرح کارویہ اپنائیں گے تو انکی طرح عذاب سے دوچار کیے جائینگے۔

(۳)- سورۃ الاعراف میں دوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

"اَوَلَمۡ یَهۡدِ لِلَّذِیۡنَ یَرِثُوۡنَ الۡاَرۡضَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَهۡلِهَاۤ اَنۡ لَّوۡ نَشَآءُ اَصَبۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ ۚ وَنَطۡبَعُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ"۔[266]

"اور کیا اُن لوگوں کو جو سابق اہل زمین کے بعد زمین کے وارث ہوتے ہیں، اِس امر واقعی نے کچھ سبق نہیں دیا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے قصوروں پر انہیں پکڑ سکتے ہیں؟ (مگر وہ سبق آموز حقائق سے تغافل برتتے ہیں) اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ کچھ نہیں سنتے"۔

"ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مُّوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوۡا بِهَا ۚ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُفۡسِدِیۡنَ"۔[267]

"پھر اُن قوموں کے بعد (جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے بھی ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کیا، پس دیکھو کہ ان مفسدوں کا کیا انجام ہوا"۔

ان آیات کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"مشرکین مکہ بڑے کم فہم ہیں گزشتہ قوموں کی تاریخ سے یہ اتنی عبرت بھی حاصل نہیں کرتے کہ نافرمانی کے باعث ان کا کتنا برا انجام ہوا۔ اور جس مالک و قادر نے ان کو ان کے کرتوتوں پر سزا دی اس کی قوت و طاقت سلب نہیں ہو گئی۔ وہ آج انہیں بھی سزا دینے پر قادر ہے۔ مذکورہ بالا انبیاء کے بعد فرعون جو

---

[266] القرآن، ۷:۱۰۰۔

[267] القرآن، ۷:۱۰۳۔

اپنے آپ کو خدا یا مظہر خدا سمجھتا تھا کی طرف اور اس کے درباریوں کی طرف حضرت موسی کلیم علیہ السلام مبعث کیے گئے اور انہیں زبردست معجزے عطا کیے گئے تاکہ کسی کو آپ کی صداقت میں شک نہ رہے۔ ہر خاص وعام سمجھ لے کہ ایسے معجزے دکھانے والا صرف اللہ تعالی کا رسول ہی ہو سکتا ہے۔ یہاں ظلم بمعنی کفر ہے کیونکہ معجزات کے ساتھ ظلم یہی ہے کہ ان کو دیکھ کر دعوت حق قبول کرنے کے بجائے اس کا شدت سے انکار کر دیا جائے۔"[268]

اس آیت مبارکہ میں یہ بات بیان کی جارہی ہے کہ کفار مکہ جو غفلت کا شکار ہیں کیا وہ سابقہ اقوام کے واقعات سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ ان لوگوں نے بھی سرکشی میں زندگی گزاری، اللہ کے حکم سے اعراض کرتے تھے انبیائے کرام کی باتوں پر دھیان نہیں دیتے تھے تو ان کو جس عذاب سے دوچار ہونا پڑا تو کچھ بعید نہیں کہ سرکشی کے سبب یہ لوگ بھی اس عذاب کی زد میں آجائیں گے کیونکہ دنیا عارضی ہے اور جو کچھ بھی کروگے اسی کے مطابق انجام پاؤگے پھر موسی علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے اسے فرعون کی طرف سے دین کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تو فرعون کے انکار کرنے پر اللہ پاک نے موسی علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں کو فرعون سے نجات عطا فرمائی، فرعون اور اس کے لشکر کو پانی میں غرق کر دیا گیا، یہاں بطور استفہام تعجب کیا جارہا ہے کہ فرعون کی لاش جو کہ آج بھی موجود ہے اور عبرت کا نشان ہے اس کے ہوتے ہوئے، اتنی بڑی نشانی کو دیکھ کر اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے تو کچھ بعید نہیں کہ یہ لوگ بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

(۴)۔سورۃ یونس میں ارشاد ربانی ہے:

"اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ، ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ، هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ "۔[269]

---

[268] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۲/ ۶۴۔

[269] القرآن، ۱۰: ۵۱۔ ۵۲۔

"کیا جب وہ تم پر آپڑے اسی وقت تم اسے مانو گے؟ اب بچنا چاہتے ہو؟ حالانکہ تم خود ہی اس کے جلدی آنے کا تقاضا کر رہے تھے!، پھر ظالموں سے کہا جائے گا کہ اب ہمیشہ کے عذاب کا مزا چکھو، جو کچھ تم کماتے رہے ہو اس کی پاداش کے سوا اور کیا بدلہ تم کو دیا جاسکتا ہے؟"۔

"وَيَسْتَنْبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ۭ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ، وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ"۔ [270]

"پھر پُوچھتے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے جو تم کہہ رہے ہو؟ کہو "میرے رب کی قسم، یہ بالکل سچ ہے اور تم اتنا بل بوتا نہیں رکھتے کہ اسے ظہُور میں آنے سے روک دو"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"تمہاری جلد بازی سے اللہ تعالی اپنے فیصلے تبدیل نہیں کرتا اور جب وہ وقت آئے گا جو تم پر عذاب نازل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے تو اس کو کوئی روک نہیں سکے گا اس وقت اگر تم ایمان لے بھی آؤ گے تو وہ ایمان قبول نہیں ہو گا۔ عذاب کے بارے میں بار بار یہ پوچھتے ہیں کہ کیا واقعی آئے گا یا یہ محض خیالی دھمکیاں ہے جن کی کوئی حقیقت نہیں آپ فرمایئے کہ میں خدا کی قسم کھا کر تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ دھمکیاں نہیں بلکہ حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس دنیاوی بربادی کے علاوہ قیامت کے دن بھی ان کو ذلیل ورسوا ہونا پڑے گا سارے انبیاء اور ان کی امتیں جمع ہو نگی۔ یہ غریب و نادار مسلمان جن کو آج یہ بڑی حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ عزت و کرامت کی خلعتیں پہنے کھڑے ہونگے ان سب کے سامنے ان سرکشوں کو شرمسار کیا جائے گا۔"

اس آیت میں بطور انذار کے اللہ تعالیٰ یہ حکم فرمارہے ہیں کہ کیا یہ لوگ جس عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں نبی کریم کو پریشان کرتے ہیں کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو جو قیامت کا تذکرہ کرتے ہو وہ کیوں نہیں آتی ہمیں لا کر دکھاؤ اور اگر تم سچے ہو تو اللہ تعالی بطور تنبیہ کے فرمارہے ہیں کہ اگر وہ عذاب تم پر آگیا تو تم کو کوئی مہلت نہیں دی جائے گی پھر چاہے تم لاکھ توبہ کرو چاہے تم کتنی ہی فریادرسی کرو تو اس

[270] القرآن، ۱۰:۵۳۔

وقت تمہیں کسی بھی قسم کی کوئی مہلت نہیں دی جائے گی، تم لوگ ایمان والے لوگوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہو تو یاد رکھو اللہ تعالی قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا اور یہی ایمان والے لوگ بلند درجے پر فائز ہوں گے اس وقت تم لوگوں کے پاس سوائے شرم اور نادانی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا اس وقت تم جتنی بھی توبہ کروگے تم سے نہ ہی توبہ قبول کی جائے گی اور نہ ہی کوئی عذر یا فدیہ قبول کیا جائے گا اس لئے دنیا میں آگاہ کرنے کا مقصد کہ تم عبرت حاصل کرو اگر تم نہیں کرتے تو انجام کار کے تم خود ذمہ دار ہوگے کیونکہ اللہ تبارک و تعالی نے تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام بھیجے اور دین کی تعلیمات کو پھیلانے کے لیے لیے مقدس کتابیں نازل فرما کر اتمام حجت فرمادی ہے۔

(۵)-سورۃ النحل میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

"ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ‌ؕ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡىَ الۡيَوۡمَ وَالسُّوۡۤءَ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ"۔ [271]

"پھر قیامت کے روز اللہ اُنہیں ذلیل و خوار کرے گا اور اُن سے کہے گا "بتاؤ اب کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کے لیے تم (اہل حق سے) جھگڑے کیا کرتے تھے؟" جن لوگوں کو دنیا میں علم حاصل تھا وہ کہیں گے "آج رسوائی اور بدبختی ہے کافروں کے لیے"۔

اس آیت میں قیامت کا منظر پیش کیا جارہا ہے کہ اللہ تبارک و تعالی سب لوگوں کو جمع فرمانے کے بعد مشرکین سے استفسار فرمائے گا کہ دنیا میں تم اللہ کو چھوڑ کر جن کے پاس اپنی فریاد لے کر جاتے تھے جن کو اپنا مشکل کشا سمجھتے تھے جن کو اپنا حاجت روا سمجھتے تھے وہ لوگ آج کہاں ہیں ان کو بلاؤ تاکہ وہ تمہاری کچھ مدد کر سکیں۔ دنیا میں اہل حق لوگ تمہیں ان باتوں سے منع کرتے تھے تو تم لوگ ان سے سے جھگڑے کیا کرتے تھے مگر افسوس کہ ان کے شریک آج منہ موڑ لیں اور مکر جائیں گے کہ اے اللہ! ہم نے انہیں نہیں کہا تھا کہ تم ہماری باتوں کی پیروی کرو اس دن پھر اہل علم لوگ سوچیں گے کہ آج تو ان لوگوں کے لئے بہت زیادہ رسوائی کا مقام ہے مگر اس دن کوئی تدبیر کام نہ آسکے گی کیوں کہ اللہ تعالی کے

[271] القرآن،۱۶:۲۷۔

سامنے سب کچھ عیاں ہیں اور وہ ان کے بھید سب کے سامنے ظاہر فرمادے گا تو ان کے لئے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس آیت میں مشرکین کی ذہنی عکاسی کرنے کے بعد بطور انذار کے سوال کیا جارہا ہے۔

(٦)-سورۃ ق میں اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:

"وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ"۔[272]

"ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جو ان سے بہت زیادہ طاقتور تھیں اور دنیا کے ملکوں کو انہوں نے چھان مارا تھا پھر کیا وہ کوئی جائے پناہ پا سکے؟"

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"اہل مکہ کو بتایا جارہا ہے کہ تم سے پہلے کئی قومیں گزر چکی ہیں۔ انہوں نے اپنی قوت اور عسکری طاقت کے بل بوتے پر دوسرے ممالک پر لشکر کشی کی اور ان کو اپنا زیر نگیں بنایا۔ وہاں بھی ان کا ڈنکا بجتا تھا اور ان کا سکہ رواں تھا۔ وہ اپنی سرزمین کے معاشی وسائل کے علاوہ مفتوحہ ممالک کے وسائل معیشت سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ ان کی آن بان اور ٹھاٹھ باٹھ دیکھنے والوں کو حیرت زدہ کر دیا کرتی تھیں۔ لیکن یہ ساری قوتیں اور خوشحالیاں انہیں ہماری گرفت سے نہ بچا سکیں۔ اے اہلِ مکہ تم کس بات پر یہ نخرے کر رہے ہو۔"

"دولت مند لوگ جب کسی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے ملک کے معالجین کے علاج سے فائدہ نہیں ہوتا تو وہ موت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے دور دراز ممالک میں جاتے ہیں، سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں، لاکھوں روپے خرچ کرتے ہیں لیکن جب موت کا مقرر وقت آتا ہے تو کوئی ڈاکٹر اور حکیم انہیں نہیں بچا سکتا۔ اس آیت میں قلب سے مراد دلِ بینا ہے جو حقیقت کو دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ جو دل دیکھنے اور سمجھنے سے محروم ہو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ اور اس کو دل کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔"

---

[272] القرآن، ٣٦:٥٠۔

اس آیت مبارکہ میں کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم سے پہلے جو قومیں عادو ثمود، قوم نوح و قوم لوط جو کہ بہت طاقتور بھی تھیں ان کے پاس دولت کی بھی فراوانی تھی دنیا میں ان کی طاقت کا سکہ چلا کرتا تھا اور ان کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے اللہ کے حکم سے اعراض کیا تو ان پر بھی عذاب مسلط کر دیا گیا یا پھر ان کی دولت، طاقت اور قوت کوئی بھی چیز ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی تو تم لوگ اپنی طاقت، خاندان اور دولت پر بھروسہ کرتے ہو تو یاد رکھو کہ اللہ کے لیے تم کو عذاب دینا ذرا بھی مشکل نہیں ہے اگر تم اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور ایمان لے کر نہ آئے تمہارا انجام بھی پچھلی قوموں سے مختلف نہ ہو گا، اسی طرح دنیا میں بھی رسوائی کا عذاب دیا جائے گا اور آخرت میں بھی ہمیشہ کے لئے جہنم کے مستحق قرار پاؤ گے آج وقت ہے توبہ کر لو اور ایمان لے آؤ تو پھر تم نجات پا جاؤ گے۔

(۷)-سورۃ المرسلات میں ارشادِ الٰہی ہے:

"وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ، اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ۔ "[273]

"اور تمہیں کیا خبر کہ وہ فیصلے کا دن کیا ہے؟، کیا ہم نے اگلوں کو ہلاک نہیں کیا؟"۔

مذکورہ آیت کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"حوادثِ دہر اسے کتنا ہی پریشان کریں مصائب و آلام کے پہاڑ اس پر کیوں نہیں ٹوٹتے رہے اس کے دل کی کیفیت نہیں بدلتی۔ بندگی اور تسلیم و رضا کی جس لذت سے اسے نوازا گیا ہے ہمہ وقت وہ اسی سے سرشار رہتا ہے۔ منیب یعنی جو اخلاص کے ساتھ اطاعت کی طرف متوجہ رہے۔ اس روز بڑی تباہی اور ہلاکت کا سامنا ان لوگوں کو کرنا پڑے گا جو اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی لائی ہوئی کتاب کی تکذیب کرتے ہیں جو وقوع قیامت کا انکار کرتے ہیں، ستاروں کا وجود بھی مٹ جائے گا یہ بے نور ہو جائیں گے۔ تباہی اور ہلاکت نازک ہو گئی۔"

"اہل مکہ جو بڑی شدت سے وقوع قیامت کا انکار کیا کرتے تھے۔ انھیں بتایا جارہا ہے کہ اگر وہ اپنے سے

---

[273] القرآن، ۷۷: ۱۴۔۱۶۔

پہلے گزری ہوئی قوموں کے انجام پر غور کریں اور اس کی وجہ تلاش کریں تو انہیں قیامت پر ایمان لانے میں کوئی دقت نہ ہو گی۔ عاد، ثمود قوم نوح، قوم فرعون جسمانی قوت وزور میں کسی سے کم نہ تھی دولت اور ثروت کے بھی ان کے پاس انبار لگے تھے ان کے پاس لشکر جرار تھے ان کے سپاہی تجربہ کار اور جنگجو تھے۔ ان کے پاس ماہرین حرب جرنیلوں کی بھی کمی نہ تھی اپنے زمانے کے معیار کے مطابق علوم وفنون میں بھی کسی قوم سے پیچھے نہ تھے۔ ان کی کاروباری مہارت بھی لاجواب تھی۔ اگر ان چیزوں کو پیش نظر رکھا جائے تو ان کو قوموں کو مدت دراز تک عزت واقبال سے زندگی بسر کرنی چاہیے تھی ان کے اقتدار کا نقارہ دیر تک بجتا رہتا لیکن اہل مکہ تم یہ جانتے ہو کہ انہیں آنا فانا تباہ کر دیا گیا اس کی وجہ اس کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے اعمال بڑے قبیح، ان کی حرکتیں بڑی ذلیل اور ان کے اخلاق بہت بگڑے ہوئے تھے۔ جھوٹ، بدعہدی لوگوں پر ظلم و تشدد ان کا وطیرہ بن گیا تھا۔ وہ عیش و عشرت میں بڑی دریادلی سے اپنی دولت کو لٹاتے اور معصوم عصمتوں کو بڑی بے دردی سے لوٹتے۔ گمراہی اور برائی میں بغیر کسی جھجک کے ان کے یوں مگن ہونے کا سبب یہی تو تھا کہ انہیں اپنے محاسبہ کا کوئی اندیشہ نہ تھا۔"

ان کو اگر یہ خیال ہوتا کہ حساب بھی دینا ہے تو وہ فسق وفجور میں غرق نہ ہوتے۔ قیامت سے بے پرواہ ہو کر وہ نافرمانی کی دلدل میں نہ دھنستے، یہاں تک کہ ان کی برے اعمال کے نتائج دنیا ہی میں ظاہر ہو گئے اور ان کو تباہ وبرباد کر دیا گیا۔ ان کا انجام بیان کرنے کے بعد بطور تنبیہ کفار مکہ سے استفسار کیا جارہا ہے کہ اے اہل مکہ! اگر تم بھی انہی کی طرح عذاب سے دوچار ہونا چاہتے ہو تو بے شک اس روش کو نہ چھوڑو وگرنہ قیامت پر ایمان لاکر اپنے آپ کو تباہی وبربادی سے بچالو۔ اپنے محاسبہ کے ڈر سے ہی تمہارے دماغ جو بگڑے ہوئے ہیں درست ہو سکتے ہیں۔

(۸)- سورۃ المطففین میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

"وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّيۡنٌ"۔ [274]

"اور تمہیں کیا معلوم کہ وہ قید خانے کا دفتر کیا ہے؟"۔

[274] القرآن، ۸:۸۳۔

"وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا عِلِّيُّوۡنَ"۔ [275]

"اور تمہیں کیا خبر کہ کیا ہے وہ بلند پایہ لوگوں کا دفتر؟"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ یوں رقمطراز ہیں:

وہ یہ نہ سمجھیں کہ قیامت تو عرصہ دراز کے بعد برپا ہو گی۔ اس وقت تک کسے یاد رہے گا کہ کس نے کیا کیا اور وہ صحیفے ہیں جن میں ان کے اعمال لکھے جارہے ہیں وہ بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ جائیں گے۔ ان کی اس غلط فہمی کو دور کیا جارہا ہے کہ ان کے لیے ایک بہت بڑا دفتر ہے جس کا نام سجین ہے جب یہ مر جائیں گے اور ان کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جائے گا تو ان کے تمام اعمال اس بڑے دیوان میں محفوظ کر دیئے جائیں گے۔ اس لئے ان کے کرتوتوں کے فراموش ہونے یا ان صحائف کے بوسیدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سجین کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن جب خود قرآن نے اس کی وضاحت کر دی کہ یہ اس کتاب کا نام ہے جس میں ان کے اعمال سے سیئہ لکھ کر محفوظ کر دیے جائیں گے تو پھر مزید چھان بین کی ضرورت نہیں۔ اس لیے ان آیات میں سجین سے وہ دیوان مراد ہے جہاں اہل جہنم کے اسماء اور ان کے اعمال لکھے ہوئے ہوں گے۔ بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سجین ایک جگہ کا نام ہے جہاں دوزخیوں کی روحیں محفوظ ہو گی۔ اس لئے علامہ آلوسی لکھتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا نام بھی سجین ہو اور اس مقام کا نام بھی سجین ہو جہاں کفار کی روحیں ہیں۔ تاکہ آیت اور اخبار میں کسی قسم کا تعارض نہ ہو۔ جس دیوان میں ابرار وصالحین کے اعمال حسنہ لکھ کر محفوظ کر دیئے جائیں گے اس کا نام علیین ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علیین سبز رنگ کی کی ایک لوح ہے۔ جو عرش کے ساتھ معلق ہو گی اور اس میں صالحین کے اعمال مکتوب ہوں گے"

"مومنین کی ارواح کا مقر تو علیین ہے یا ساتویں آسمان میں اور کفار کی روحوں کا ٹھکانہ سجین میں ہے۔ اس کے باوجود ہر روح کا اپنے جسم کے ساتھ اپنی قبر میں ایک تعلق ہے۔ جس کی حقیقت کو اللہ تعالی ہی جانتا ہے اسی تعلق کی وجہ سے میت اپنے زائر کے سلام کو سنتی ہے اور منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دیتی ہے۔

---

[275] القرآن، ۸۳:۱۹۔

اسی طرح دوسرے احوال جو کتاب و سنت سے ثابت ہے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے بعد علامہ موصوف اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ جبرائیل کا اصل مقام تو آسمانوں میں ہے لیکن وہاں ہوتے ہوئے وہ بارگاہ رسالت کے اس قدر نزدیک ہوتا کہ اپنے ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رانوں پر رکھ دیتا۔"

اس آیت میں لوگوں کے اعمال کے لکھے جانے اور ان کو محفوظ کرنے کے متعلق خبر دی جارہی ہے کہ جو لوگ برے عمل کرتے ہیں ان کے اعمال کو "سجین" نامی دفتر میں درج کر دیا جاتا ہے۔ اور جو لوگ نیک اعمال کرتے ہیں ان کے اعمال درج کرنے کے لئے "علیین" نامی دفتر موجود ہے جس میں ان کے تمام اعمال محفوظ کر دیے جاتے ہیں، تاکہ قیامت کے دن اللہ تبارک و تعالی ان کے نامہ اعمال کے رجسٹر ان کے سامنے کھول کر رکھ دے گا اور کہا جائے گا کہ اپنا اپنا نامہ اعمال پڑھو تم نے جو بھی اچھے یا برے اعمال کیے تھے وہ تمام ہمارے مقرر کردہ فرشتے اس میں درج کئے جاتے تھے۔ تو آج تم کسی بھی عمل سے جھوٹ کے ذریعے نہیں مکر سکتے یہاں بطور انذار کے استفہام کیا جارہا ہے کہ تم جو سمجھتے ہو کہ ہم دنیا میں لوگوں سے چھپا کر کچھ کرلیں گے تو آخرت میں اسے کون ظاہر کرے گا؟ تو اللہ تبارک و تعالی کو ہر عمل کی خبر ہے جو کہ وہ تنہائی میں کریں یا ظاہری بجالائیں ان کے سامنے عیاں کر دیا جائے گا اور پھر اسی کے مطابق سزا یا جزا کا فیصلہ کیا جائے گا۔

(۹)-سورۃ البلد میں ارشادِ حق تعالیٰ ہے:

"وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ"۔ [276]

"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟"۔

اس آیت کی تفسیر میں پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

آیت کا مدعا یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ یہ جھوٹی ناموری حاصل کرنے کے لیے اپنی دولت کو یوں لٹاتے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جب ان کے سامنے بھلائی اور برائی کے راستے واضح کر دیے گئے تھے تو وہ اس راستے پر چلتے جو حقیقی بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے۔ اگرچہ وہ راستہ کٹھن ہے اور اس کو طے کرنا بڑا

---

[276] القرآن، ۹۰:۱۲۔

دشوار ہے لیکن سخت کوشش سے ان کی سہل انداز طبیعت کو کوئی مناسبت نہیں۔ وہ لڑھکنا جانتے ہیں، وہ بلندیوں کی طرف پرواز کرنے سے قاصر ہیں۔[277]

اس آیت میں جہنم کی ایک گھاٹی کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جو لوگ نمائش، دکھلاوا اور برے کاموں میں دولت خرچ کرتے ہیں ان کے لیے اس گھاٹی میں عذاب تیار کیا جائے گا مگر جو لوگ دنیا میں غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، مساکین کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، قیدیوں کو آزاد کرواتے تھے، یتیموں کی کفالت کرتے تھے تو وہ لوگ اس گھاٹی سے بچا لیے جائیں گے اللہ تبارک و تعالی بطور انذار و رغبت کے استفہام فرمارہے ہیں کہ تم نہیں جانتے کہ وہ "عقبہ" کیا ہے؟ جہنم کے مختلف درجے ہیں اور ان کے مختلف نام ہیں انسان کو اس کے اعمال کے مطابق اسی درجے میں داخل کیا جائے گا مثلاً جو لوگ منافق ہیں ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ "اسفل سافلین" سب سے نچلے درجے میں ہوں گے، استغفر اللہ! دنیا میں اللہ تبارک و تعالی نے ہمیں توبہ کرنے اور نیک اعمال کرنے کے لئے مہلت عطا فرمائی ہے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم نیک اعمال کرکے جہنم کے ہر درجہ سے نجات حاصل کرلیں اور جنت الفردوس کے وارث بن جائیں جس میں ہمارے لئے کامیابی اور کامرانی ہیں کیونکہ جو انسان جنت میں داخل ہو گیا تو گویا وہ کامیاب ہو گیا۔

(۱۰)- سورۃ الھمزۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ"۔[278]

"اور تم کیا جانو کہ کیا ہے وہ چکنا چور کر دینے والی جگہ؟"۔

اس آیت کی تفسیر کے ماتحت پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

"حطمۃ، حطم سے ہے اس کا لغوی معنی توڑ ڈالنا، پیس ڈالنا، ریزہ ریزہ کر دینا۔ یہ دوزخ کے ایک طبقے کا نام ہے جس کی آگ اتنی تیز ہو گی کہ جو چیز اس میں پھینکی جائے گی آن واحد میں اس کو پیس کر رکھ

---

[277] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/۵۶۷۔

[278] القرآن، ۵:۱۰۴۔

دے گی، اس کے پرزے اڑادے گی۔"[279]

قرآن مجید میں ہمیں جنت اور جہنم کے مختلف درجات کے ناموں کے بارے میں اطلاع ملتی ہے سورۃ الھمزۃ کی اس آیت میں اللہ تبارک و تعالی جہنم کے ایک درجے کا ذکر فرمارہے ہیں ہیں جس کا نام "حطمۃ" ہے اس میں گنہگار لوگوں کو ڈالا جائے گا اور اس کی آگ اتنی تیز ہو گی کہ جو چیز اس میں ڈالی جائے گی وہ اس کو ایک سیکنڈ میں جلا کر راکھ بنادے گی (استغفرُ اللہ) اور ایک لمحے میں وہ جسم بالکل ختم ہو جائے گا اور اسکی کی راکھ اڑادی جائے گی اور دوبارہ پھر انسان کو بنا کر اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا۔ جہنم کا ہر درجہ ہی بہت سخت ہے اللہ تبارک و تعالی سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ پاک ہمیں جہنم کے ہر درجے سے بچائے اور ہمیں جہنم کی آگ سے محفوظ فرمائے یہاں پر اللہ تبارک و تعالی جہنم کی سختی سے سے متنبہ فرما کر بطور انذار کے سوال فرمارہے ہیں کہ تم لوگ نہیں جانتے کہ "حطمۃ" کیا ہے؟ وہ ایسی آگ ہے جو کہ ایک سیکنڈ میں انسان کے وجود کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ دنیا کی زندگی عارضی ہے یہاں تو انسان کو صرف اچھے اعمال کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے جو انسان اس دنیا میں رہ کر برے راستے سے منہ موڑ کے بھلائی اور ہدایت کے راستے پر چلے گا وہ اپنی اخروی زندگی جو کہ ہمیشہ کے لئے ہے اس میں فلاح پا جائے گا اور مومن کے لئے تو یہ دنیا قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے اسی لئے قرار دی گئی ہے کہ کافر لوگ اسی میں عیش و عشرت کر کے زندگی گزار جائیں گے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو گا اور مومنین اس زندگی کو اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزاریں گے اپنی خواہشات کی پیروی نہیں کریں گے اپنی رضا پر اللہ کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے باغات کے وعدے کئے گئے ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہو نگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان جنتوں میں رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

خلاصہ بحث

عقیدہ آخرت مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کا نام ہے یہ زندگی عارضی ہے اور فانی ہے اسے ایک نہ ایک دن ختم ہو کر رہنا ہے ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ ہر چیز ریزہ ریزہ ہو جائے گی پوری انسانیت جو ابتدائے آفرینش سے لیکر قیامت تک دنیا میں آئے گی اس کو ضرور موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور دوبارہ زندہ ہو کر

[279] کرم شاہ، ضیاء القرآن ۵/ ۶۵۸۔

اپنے کئے ہوئے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا سامنا ضرور کرنا پڑے گا۔ اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے خدا کا خوف اور قیامت میں باز پرس کا احساس ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو نہ صرف سب کے سامنے بلکہ تنہائی میں بھی نیکی اختیار کرنے کی رغبت دلاتی ہے۔ ایمانیات میں جب انسان ایمان کے تمام ارکان پر مکمل ایمان لائے گا اور اللہ کو ہی معبود برحق مانتے ہوئے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں زندگی گزارے گا تو وہی شخص کامیاب ہوگا دنیاوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی نجات اس کا مقدر بنے گی۔ جو لوگ عقیدہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے ان کے لئے سب کچھ دنیا ہی رہ جاتی ہے اور وہ اس دنیا میں کامیابی کے لئے ہر جائز و ناجائز کام کر گزرتے ہیں اور وقتی فائدہ حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں مگر قیامت کے دن یہی لوگ ہونگے جو افسوس میں اپنی ہی انگلیوں کو کاٹ رہے ہونگے کہ کاش ہم دنیا میں پیغمبروں کی باتوں پر ایمان لے آتے اور مقدس کتابوں کے مطابق زندگی گزارتے تو ہم بھی کامیاب و کامران ہوتے مگر اس دن کا افسوس کرنا یا توبہ کرنا ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکے گا۔

اس فصل میں تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں عقیدہ آخرت کے فہم میں درج ذیل آیات استفہام کو بیان کیا گیا ہے۔

سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۴۳، سورہ الاعراف آیت نمبر ۹۷,۹۸,۹۹,۱۰۰,۱۰۳، سورہ یونس آیت نمبر ۵۱,۵۲,۵۳، سورہ النحل آیت نمبر ۲۷، سورہ ق آیت نمبر ۳۶، سورہ المرسلات آیت نمبر ۱۴,۱۶، سورہ المطففین آیت نمبر ۸,۱۹، سورہ البلد آیت نمبر ۱۳، سورہ الھمزہ آیت نمبر ۵۔

خاتمہ کلام

قرآن مجید ایک مقدس کتاب ہے قرآن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے لازم ہے۔جو شخص قرآن پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ قرآن پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کا کلام مانا جائے اور اسے آخری نازل شدہ کتاب تسلیم کیا جائے۔اس کی تعلیمات اور احکامات کو سچ مانتے ہوئے ان پر عمل کیا جائے۔جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل ہوئی ہے اسی طرح قرآن میں بھی پہلی تمام کتابوں کی بنیادی تعلیمات محفوظ کر دی گئی۔ قرآن حکیم اپنے اندر بہت سی اعجازی خصوصیات رکھتا ہے اس میں مختلف علوم وفنون ودیعت کر دیئے گئے ہیں۔ اس کا یہ کمال ہے کہ ایک آیت ایک کم پڑھے لکھے انسان کو سادہ نظر آتی ہے مگر ایک عالم کو وہی آیت حقائق و معارف سے لبریز دکھائی دیتی ہے۔اور پھر مزید یہ کہ متعدد علوم کے ماہرین کو وہی آیت اپنے اپنے علم وفن کے لحاظ سے مختلف نظر آتی ہے گویا کہ وہ مختلف علوم کے لحاظ سے بے شمار حکمتوں کا مجموعہ ہوتی ہے جس سے ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔اور یہ صرف خدا کے کلام کی خصوصیت ہو سکتی ہے ورنہ انسانی کلام میں اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ قرآن مجید میں انسان کو سمجھانے کے لئے مختلف اسالیب استعمال ہوئے ہیں مثلاً کہیں قصص بیان کئے گئے ہیں تو کہیں امثال، کہیں تبشیر تو کہیں انذار، کہیں بیانیہ تو کہیں استفہامیہ، سوال گفتگو کی بنیاد ہے اسے مختلف مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے ادب میں استفہام کسی حقیقت سے مخاطب کو آگاہ کرنے مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دینے اور اپنی بات کے اثبات کے معنی میں استعمال ہوتا ہے قرآن مجید میں استفہام کا اسلوب بکثرت استعمال کیا گیا ہے قرآن نے مخاطب میں آمادگی پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات اپنی گفتگو کا آغاز سوال سے کیا ہے اور پھر جواب کی صورت میں اپنا مدعا بیان کیا ہے قرآن مجید کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں بہت سے اسرار ورموز چھپے ہیں جو کہ گرائمر اور علوم وفنون کے اعتبار سے مختلف ہیں۔

اس کتاب میں قرآن مجید کے اسلوب استفہام کو بیان کیا گیا ہے۔اس کتاب کو پانچ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے باب اول میں قرآن کریم کی آیاتِ استفہام کی ضرورت واہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ جن الفاظ کے ذریعے سے سوال کیا گیا ہے انہیں ادوات استفہام کہا جاتا ہے۔ ادوات استفہام کی دو اقسام ہیں حروف استفہام اور اسمائے استفہام، حروف استفہام کی تعداد دو جبکہ اسمائے استفہام کی تعداد نو ہے اور اس کے بعد

آیات استفہام کی چار انواع ایمانیات، عبادات، معاملات اور عقیدہ آخرت کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اور ان کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں جن مقامات پر آیات استفہام بیان کی گئیں ہیں ان سورتوں کی تعداد چھیانوے ہے۔ جن میں ایمانیات سے متعلق 242، عبادات سے متعلق 91، معاملات سے متعلق 275 اور عقیدہ آخرت کے بارے میں 256 آیات بیان کی گئیں ہیں۔

قرآن کی 864 آیات میں حروف استفہام اور ادوات استفہام استعمال کرتے ہوئے سوال کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں اللہ پاک کا اپنے بندوں سے سوالات کا خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے(۔ قرآن مجید کی 14 آیات میں یسئلونک کا استعمال ہوا ہے. ان آیات کے بارے میں لکھی جاچکی ہے) مگر اس کتاب کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں صرف ان آیات کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے سوال فرماتے ہیں۔ استفہام کے مقاصد مثلاً کہیں اللہ پاک بندوں میں شوق پیدا کرنے کے لئے سوال فرمارہے ہیں تو کہیں رغبت پیدا کرنے کے لئے، کہیں انذار کے لئے تو کہیں تبشیر کے لئے، کہیں تجسس کے لئے تو کہیں باطل کے رد کے لیے. الغرض سوال کرنے میں جو حکمت پوشیدہ ہے ہر آیت میں اس مقصد اور حکمت کو بیان کیا گیا ہے۔ معارف القرآن از مفتی محمد شفیع، تفہیم القرآن از سید ابو الاعلیٰ مودودی، تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی اور ضیاء القرآن از پیر کرم شاہ الازہری ان منتخب تفاسیر کی روشنی میں استفہام سے متعلقہ آیات کا خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے امفسرین کرام کا بھی تعارف اور ان کی علمی خدمات بیان کی گئیں ہیں۔

قرآن میں عقلمند لوگ ہی تفکر کرتے ہیں۔ اس میں موجود علوم سے استفادہ کرتے ہیں قرآن میں بہت سے مقامات پر کائنات میں غور کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ جو انسان بھی کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ قرآن کے احکامات اور تعلیمات کے مطابق زندگی گزارے اس میں ہی فلاح و نجات پوشیدہ ہے۔

آیات استفہام کے تخصیصی مطالعے سے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں۔

ا- کالجز اور یونیورسٹیز میں اساتذہ کرام طلباء میں آیاتِ استفہام کے حوالے سے ان کے سامنے پوشیدہ مقاصد کو بیان کریں تاکہ قرآن فہمی میں مدد مل سکے۔

۲- مدارس میں طلباء کو دوران تفسیر استفہامی آیات اور ان کے اسلوب کے بارے میں آگاہی فراہم کی جائے۔

۳- سوال سے تجسس اور توجہ کا جزبہ بیدار کیا جاسکتا ہے کیونکہ حدیث سے بھی ہمیں سوال کرنے کے بارے میں متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے سوال فرما کر ان کی متوجہ کرتے تھے۔

۴- مناظرہ، مکالمہ ان چیزوں میں بھی استفہام کے ذریعے سے اپنے نقطعہ نظر کے بہتر اظہار کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۵- قرآن مجید میں آیاتِ استفہام کی تعداد سے سوال کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن کا اسلوب ایک منفرد اسلوب ہے۔

۶- آیاتِ استفہام کی اہمیت کو مختلف تفاسیر کے روشنی میں واضح کرنے کا مقصد بھی یہ ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس اسلوب سے روشناس کرایا جاسکے۔

۷- استفہام کے ذریعے تعلیمی اداروں میں اساتذہ اور طلباء کے مابین ایک خوشگوار اور تحقیقی فضا قائم کی جا سکتی ہے۔

۸- اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل عطا فرمائی ہے سوچنے کے صلاحیت دی ہے انسان کو چاہیے قرآن میں تفکر کر کے اپنے مقصد حیات کو سمجھے، اور اپنے معبود بر حق کے عبادت کرے۔

۹- قرآن حکیم میں متعدد اسلوب بیان کئے گئے ہیں علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں میں ان اسالیب کو عام کریں تاکہ قرآن فہمی میں مدد حاصل ہو۔

۱۰- نئے اسالیب سے مقصود آیاتِ الٰہی کی تفہیم ہے جو کہ ہم پر فرض ہے اور یہ ہمیں زندگی گزارنے کے لئے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔

فہرستِ آیات

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
1	وَمَن اَظلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسجِدَ اللهِ اَن يُّذكَرَ فِيهَا اسمُهٗ وَسَعٰى فِي خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُم اَن يَّدخُلُوهَآ اِلَّا خَآئِفِينَ لَهُم فِي الدُّنيَا خِزيٌ وَّلَهُم فِي الاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ	البقرۃ	1	114
2	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ	البقرۃ	1	114
3	كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللهِ وَكُنتُم اَموَاتًا فَاَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم ثُمَّ اِلَيهِ تُرجَعُونَ	البقرۃ	2	28
4	اَفَتُؤمِنُونَ بِبَعضِ الكِتَابِ وَتَكفُرُونَ بِبَعضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزيٌ فِي الحَيَاةِ الدُّنيَا	البقرۃ	2	85
5	صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ	البقرۃ	2	138
6	والهكم الٰہ واحد لا الٰہ الا ھو الرحمن الرحیم	البقرۃ	2	163
7	وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ	البقرۃ	2	177

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
8	أَمۡ حَسِبۡتُمۡ أَن تَدۡخُلُواْ ٱلۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَأۡتِكُم مَّثَلُ ٱلَّذِينَ خَلَوۡاْ مِن قَبۡلِكُم مَّسَّتۡهُمُ ٱلۡبَأۡسَآءُ وَٱلضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُواْ حَتَّىٰ يَقُولَ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مَعَهُۥ مَتَىٰ نَصۡرُ ٱللَّهِۗ أَلَآ إِنَّ نَصۡرَ ٱللَّهِ قَرِيبٞ	البقرۃ	2	214
9	اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ	البقرۃ	2	243
10	مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً وَاللّٰهُ يَقۡبِضُ وَيَبۡصُۜطُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ	البقرۃ	2	245
11	وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَـكُمۡ طَالُوۡتَ مَلِكًا قَالُوۡۤا اَنّٰى يَكُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡكَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ	البقرۃ	2	247
12	وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِىۡ كَيۡفَ تُحۡىِ الۡمَوۡتٰى قَالَ اَوَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قَالَ بَلٰى وَلٰـكِنۡ لِّيَطۡمَٮِٕنَّ قَلۡبِىۡ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّيۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ يَاۡتِيۡنَكَ سَعۡيًا وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ	البقرۃ	2	260

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
13	فَكَيۡفَ إِذَا جَمَعۡنَٰهُمۡ لِيَوۡمٍ لَّا رَيۡبَ فِيهِ وَوُفِّيَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ	آل عمران	3	25
14	يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تَكۡفُرُونَ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ وَأَنتُمۡ تَشۡهَدُونَ	آل عمران	3	70
15	يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تَلۡبِسُونَ ٱلۡحَقَّ بِٱلۡبَٰطِلِ وَتَكۡتُمُونَ ٱلۡحَقَّ وَأَنتُمۡ تَعۡلَمُونَ	آل عمران	3	71
16	وَإِذۡ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ لَمَآ ءَاتَيۡتُكُم مِّن كِتَٰبٖ وَحِكۡمَةٖ ثُمَّ جَآءَكُمۡ رَسُولٞ مُّصَدِّقٞ لِّمَا مَعَكُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِهِۦ وَلَتَنصُرُنَّهُۥ قَالَ ءَأَقۡرَرۡتُمۡ وَأَخَذۡتُمۡ عَلَىٰ ذَٰلِكُمۡ إِصۡرِي قَالُوٓاْ أَقۡرَرۡنَا قَالَ فَٱشۡهَدُواْ وَأَنَا۠ مَعَكُم مِّنَ ٱلشَّٰهِدِينَ	آل عمران	3	81
17	يَوۡمَ تَبۡيَضُّ وُجُوهٞ وَتَسۡوَدُّ وُجُوهٞ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ٱسۡوَدَّتۡ وُجُوهُهُمۡ أَكَفَرۡتُم بَعۡدَ إِيمَٰنِكُمۡ فَذُوقُواْ ٱلۡعَذَابَ بِمَا كُنتُمۡ تَكۡفُرُونَ	آل عمران	3	106
18	إِن يَنصُرۡكُمُ ٱللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمۡ وَإِن يَخۡذُلۡكُمۡ فَمَن ذَا ٱلَّذِي يَنصُرُكُم مِّنۢ بَعۡدِهِۦ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ ٱلۡمُؤۡمِنُونَ	آل عمران	3	108
19	كُلُّ نَفۡسٖ ذَآئِقَةُ ٱلۡمَوۡتِۗ وَإِنَّمَا تُوَفَّوۡنَ أُجُورَكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِۖ	آل عمران	3	158
20	ٱنظُرۡ كَيۡفَ يَفۡتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلۡكَذِبَۖ وَكَفَىٰ بِهِۦٓ إِثۡمٗا مُّبِينًا	النساء	4	50

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
21	اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتٰبِ يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَيَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا	النساء	4	51
22	اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا	النساء	4	53
23	اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا	النساء	4	60
24	وَمَا لَـكُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ الَّذِيۡنَ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ هٰذِهِ الۡقَرۡيَةِ الظَّالِمِ اَهۡلُهَا ۚ وَاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجۡعَلْ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡكَ نَصِيۡرًا	النساء	4	75
25	اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا	النساء	4	77
26	اَفَلَا يَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ وَلَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا	النساء	4	82

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
27	اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا	النساء	4	87
28	فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا	النساء	4	88
29	وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا	النساء	4	122
30	وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا	النساء	4	125
31	مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	المائدہ	5	75
32	قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	المائدہ	5	76
33	إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ ٱلْعَدَاوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ فِى ٱلْخَمْرِ وَٱلْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ	المائدہ	5	91

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
34	إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ	المائدہ	5	91
35	اِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيطٰنُ اَن يُّوقِعَ بَينَكُمُ العَدَاوَةَ وَالبَغضَآءَ فِي الخَمرِ وَالمَيسِرِ وَيَصُدَّكُم عَن ذِكرِ اللهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَل اَنتُم مُّنتَهُونَ	المائدہ	5	91
36	يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيكُم اَنفُسَكُم لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ اِذَا اهتَدَيتُم اِلَى اللهِ مَرجِعُكُم جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُم تَعمَلُونَ	المائدہ	5	105
37	يَوۡمَ يَجۡمَعُ ٱللَّهُ ٱلرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَآ أُجِبۡتُمۡ قَالُواْ لَا عِلۡمَ لَنَآ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلۡغُيُوبِ	المائدہ	5	109
38	وَإِذۡ قَالَ ٱللَّهُ يَٰعِيسَى ٱبۡنَ مَرۡيَمَ ءَأَنتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ ٱتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيۡنِ مِن دُونِ ٱللَّهِ قَالَ سُبۡحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أَقُولَ مَا لَيۡسَ لِي بِحَقٍّ إِن كُنتُ قُلۡتُهُۥ فَقَدۡ عَلِمۡتَهُۥ تَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِي وَلَآ أَعۡلَمُ مَا فِي نَفۡسِكَ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ ٱلۡغُيُوبِ	المائدہ	5	116
39	اَلَم يَرَوا كَم اَهلَكنَا مِن قَبلِهِم مِّن قَرنٍ مَّكَّنّٰهُم فِي الاَرضِ مَا لَم نُمَكِّن لَّكُم وَاَرسَلنَا السَّمَآءَ عَلَيهِم مِّدرَارًا وَّجَعَلنَا الاَنهٰرَ تَجرِي مِن تَحتِهِم فَاَهلَكنٰهُم بِذُنُوبِهِم وَاَنشَانَا مِن بَعدِهِم قَرنًا اٰخَرِينَ	الانعام	6	6

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
40	قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلْ لِلَّهِ	الانعام	6	12
41	قُل لِّمَن مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ قُل لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفسِهِ الرَّحمَةَ لَيَجمَعَنَّكُم اِلٰى يَومِ القِيٰمَةِ لَا رَيبَ فِيهِ اَلَّذِينَ خَسِرُوا اَنفُسَهُم فَهُم لَا يُؤمِنُونَ	الانعام	6	16
42	قُلْ مَن يُنَجِّيكُمْ مِّن ظُلُمَاتِ ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعاً وَخُفْيَةً لَّئِنْ أَنجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّاكِرِينَ	الانعام	6	63
43	قُلِ ٱللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِّنْهَا وَمِن كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنتُمْ تُشْرِكُونَ	الانعام	6	64
44	وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِباً	الانعام	6	93
45	إِنَّ ٱللَّهَ فَالِقُ ٱلْحَبِّ وَٱلنَّوَىٰ يُخْرِجُ ٱلْحَيَّ مِنَ ٱلْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ ٱلْمَيِّتِ مِنَ ٱلْحَيِّ ذٰلِكُمُ ٱللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ	الانعام	6	95
46	أَفَغَيْرَ ٱللَّهِ أَبْتَغِي حَكَماً وَهُوَ ٱلَّذِي أَنَزَلَ إِلَيْكُمُ ٱلْكِتَابَ مُفَصَّلاً وَٱلَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ ٱلْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِٱلْحَقِّ فَلاَ تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ	الانعام	6	114
47	اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	الانعام	6	122
48	فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ	الانعام	6	125

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
49	هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّآ أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنفَعُ نَفْسًا إِيمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيٓ إِيمَانِهَا خَيْرًا قُلِ انتَظِرُوٓا إِنَّا مُنتَظِرُونَ	الانعام	6	158
50	قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ	الانعام	6	162
51	قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ	الانعام	6	164
52	وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ	الاعراف	7	65
53	ثُمَّ بَعَثْنَا مِنۢ بَعْدِهِم مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ	الاعراف	7	75
54	وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ	الاعراف	7	84
55	أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرٰىٓ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ	الاعراف	7	97
56	أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِ أَهْلِهَآ أَن لَّوْ نَشَآءُ أَصَبْنٰهُم بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ	الاعراف	7	100

آیت نمبر	سورۃ نمبر	نام سورۃ	آیت	نمبر شمار
172	7	الاعراف	أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا	57
172	7	الاعراف	اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ، قَالُوْا بَلٰى، شَهِدْنَا	58
172	7	الاعراف	وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ	59
185	7	الاعراف	اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ	60
98-99	7	الاعراف	اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ، اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ	61
78	9	التوبہ	اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ	62
109	9	التوبہ	اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	63

آیت نمبر	سورۃ نمبر	نام سورۃ	آیت	نمبر شمار
111	9	التوبہ	اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	64
126-127	9	التوبہ	اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ	65
2	10	یونس	اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ	66
31	10	یونس	قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ	67
32	10	یونس	فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ	68
34	10	یونس	قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ	69

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
70	وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُوۡنَ اِلَيۡكَ ‌ؕ اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَعۡقِلُوۡنَ	یونس	10	42
71	وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّنۡظُرُ اِلَيۡكَ ‌ؕ اَفَاَنۡتَ تَهۡدِى الۡعُمۡىَ وَلَوۡ كَانُوۡا لَا يُبۡصِرُوۡنَ	یونس	10	43
72	اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ	یونس	10	51
73	ثُمَّ قِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ‌ۚ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ	یونس	10	52
74	وَيَسۡتَنۡۢبِــُٔوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؔ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۛؕ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ	یونس	10	53
75	وَيَسۡتَنۡۢبِــُٔوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔ وَمَا اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ	یونس	10	53
76	اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ‌ يُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ‌ؕ مَا مِنۡ شَفِيۡعٍ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ اِذۡنِهٖ‌ؕ ذٰ لِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ‌ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ	یونس	10	2, 3
77	اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ‌ؕ آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ، ثُمَّ قِيۡلَ لِلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ‌ۚ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ	یونس	10	51-52
78	اَيُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا	ھود	11	7

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
79	فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ	ھود	11	14
80	مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا اَفَلَا تَذَكَّرُونَ	ھود	11	24
81	◌ن لَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُم عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْم	ھود	11	26
82	نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ	یوسف	12	3
83	ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ، قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّه مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ	یوسف	12	90
84	وَ اِن تَعجَب فَعَجَبٌ قَولُهُم ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِى خَلقٍ جَدِيدٍ اُولٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِم وَاُولٰئِكَ الاَغلٰلُ فِىٓ اَعنَاقِهِم وَاُولٰئِكَ اَصحٰبُ النَّارِ هُم فِيهَا خٰلِدُونَ	الرعد	13	5
85	قُل مَن رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ قُلِ اللّٰهُ قُل اَفَاتَّخَذتُم مِّن دُونِهٖ اَولِيَآءَ لَا يَملِكُونَ لِاَنفُسِهِم نَفعًا وَّلَا ضَرًّا قُل هَل يَستَوِى الاَعمٰى وَالبَصِيرُ اَم هَل تَستَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّورُ اَم جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوا كَخَلقِهٖ فَتَشَابَهَ الخَلقُ عَلَيهِم قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىءٍ وَّهُوَ	الرعد	13	16

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
	الوَاحِدُ القَهَّارُ			
86	وَلَو اَنَّ قُراٰنًا سُيِّرَت بِهِ الجِبَالُ اَو قُطِّعَت بِهِ الاَرضُ اَو كُلِّمَ بِهِ المَوتٰى بَل لِّلّٰهِ الاَمرُ جَمِيعًا اَفَلَم يَايـَٔسِ الَّذِينَ اٰمَنُوا اَن لَّو يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ اَو تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِم حَتّٰى يَاتِيَ وَعدُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخلِفُ المِيعَادَ	الرعد	13	31
87	وَلَقَدِ استُهزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبلِكَ فَاَملَيتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ اَخَذتُهُم ۣ فَكَيفَ كَانَ عِقَابِ	الرعد	13	32
88	اَفَمَن هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفسٍ بِمَا كَسَبَت وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُل سَمُّوهُم اَم تُنَبِّـُٔونَهُ بِمَا لَا يَعلَمُ فِي الاَرضِ اَم بِظَاهِرٍ مِّنَ القَولِ بَل زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكرُهُم وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ وَمَن يُّضلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهُ مِن هَادٍ	الرعد	13	33
89	ثُمَّ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُخۡزِيۡهِمۡ وَيَقُوۡلُ اَيۡنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِيۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ فِيۡهِمۡ قَالَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ	النحل	16	27

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
	الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ			
90	اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَن يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ	النحل	16	45
91	اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ	النحل	16	48
92	وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ	النحل	16	52
93	يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ	النحل	16	59
94	وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ	النحل	16	72
95	وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ	النحل	16	89
96	وقضى ربك إلا تعبدو إلا إياه.	بنی اسرائیل	17	23
97	اَفَاَصْفٰكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا	الإسراء	17	40

آیت نمبر	سورۃ نمبر	نام سورۃ	آیت	نمبر شمار
49	17	بنی اسرائیل	وَقَالُوْٓا ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا	98
68	17	بنی اسرائیل	اَفَاَمِنتُم اَن يَّخسِفَ بِكُم جَانِبَ البَرِّ اَو يُرسِلَ عَلَيكُم حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُم وَكِيلًا	99
69	17	بنی اسرائیل	اَم اَمِنتُم اَن يُّعِيدَكُم فِيهِ تَارَةً اُخرٰى فَيُرسِلَ عَلَيكُم قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغرِقَكُم بِمَا كَفَرتُم ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُم عَلَينَا بِهٖ تَبِيعًا	100
95	17	بنی اسرائیل	قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا	101
99	17	بنی اسرائیل	اَوَلَم يَرَوا اَنَّ اللهَ الَّذِى خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَن يَّخلُقَ مِثلَهُم وَجَعَلَ لَهُم اَجَلًا لَّا رَيبَ فِيهِ فَاَبَى الظّٰلِمُونَ اِلَّا كُفُورًا	102
99	17	بنی اسرائیل	اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ	103
19	18	الکھف	وَكَذٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَآءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَم لَبِثْتُمْ	104
22	18	الکھف	اَلَم تَرَ اَنَّ اللهَ يَسجُدُ لَهٗ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَمَن فِي الاَرضِ وَالشَّمسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَ الجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيهِ العَذَابُ وَمَن يُّهِنِ اللهُ فَمَا لَهٗ مِن مُّكرِمٍ اِنَّ اللهَ يَفعَلُ	105

آیت نمبر	سورۃ نمبر	نام سورۃ	آیت	نمبر شمار
			مَا يَشَآءُ	
57	18	الکھف	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اَبَدًا	106
9, 12	18	الکھف	اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا، ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا	107
8	19	مریم	قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا	108
8	19	مریم	◌َيفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ	109
29	19	مریم	◌َيفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا	110
65	19	مریم	رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا	111
84	19	مریم	قَالَ هُمْ اُولَاۗءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى	112
85	19	مریم	قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ	113

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
	السَّامِرِيُّ			
114	اَفَلَا يَرَوۡنَ اَلَّا يَرۡجِعُ اِلَيۡهِمۡ قَوۡلًا وَّلَا يَمۡلِكُ لَهُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا	مریم	19	89
115	إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا	مریم	19	93
116	وَمَاۤ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى	طٰہٰ	20	83
117	اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالطَّيۡرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسۡبِيۡحَهٗ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ	النور	21	24
118	اَوَلَمۡ يَرَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ كَانَتَا رَتۡقًا فَفَتَقۡنٰهُمَا وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ كُلَّ شَىۡءٍ حَىٍّ اَفَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ	الانبیاء	21	30
119	قُلۡ مَنۡ يَّكۡلَـؤُكُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحۡمٰنِ بَلۡ هُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّهِمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ	االانبیاء	21	42
120	أَأَنْتَ فَعَلْتَ هَٰذَا بِآلِهَتِنَا يَا إِبْرَاهِيمُ	الانبیاء	21	62
121	اُفٍّ لَّـكُمۡ وَلِمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ	الانبیاء	21	67
122	أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ (66) أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ	الانبیاء	21	26-27

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
123	اَلَم تَعلَم اَنَّ اللّٰہَ یَعلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالاَرضِ اِنَّ ذٰ لِکَ فِی کِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیرٌ	الحج	22	7
124	اَلَم تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُم مَّا فِی الاَرضِ وَالفُلکَ تَجرِی فِی البَحرِ بِاَمرِہٖ وَیُمسِکُ السَّمَآءَ اَن تَقَعَ عَلَی الاَرضِ اِلَّا بِاِذنِہٖ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِیمٌ	الحج	22	65
125	سَیَقُولُونَ لِلّٰہِ قُل اَفَلَا تَذَکَّرُونَ	المؤمنون	23	84
126	قُل لِّمَنِ الاَرضُ وَمَن فِیهَا اِن کُنتُم تَعلَمُونَ	المؤمنون	23	84
127	قُل مَن رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبعِ وَرَبُّ العَرشِ العَظِیمِ	المؤمنون	23	86
128	سَیَقُولُونَ لِلّٰہِ قُل فَاَنّٰی تُسحَرُونَ	المؤمنون	23	89
129	اَفَحَسِبتُم اَنَّمَا خَلَقنٰکُم عَبَثًا وَّاَنَّکُم اِلَینَا لَا تُرجَعُونَ	المؤمنون	23	115
130	قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ،سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ	المؤمنون	23	84-85
131	اَفِی قُلُوبِهِم مَّرَضٌ اَمِ ارتَابُوا اَم یَخَافُونَ اَن یَّحِیفَ اللّٰہُ عَلَیهِم وَرَسُولُہٗ بَل اُولٰٓئِکَ هُمُ الظّٰلِمُونَ	النور	24	50
132	وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا	الفرقان	25	60
133	اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ	النمل	27	61

آیت نمبر	سورة نمبر	نام سورة	آیت	نمبر شمار
			بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	
62	27	النمل	أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ	134
62	27	النمل	اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ	135
38	28	القصص	اَم نَجعَلُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالمُفسِدِينَ فِي الاَرضِ اَم نَجعَلُ المُتَّقِينَ كَالفُجَّارِ	136
57	28	القصص	وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	137
61	28	القصص	اَفَمَن وَّعَدنٰهُ وَعدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيهِ كَمَن مَّتَّعنٰهُ مَتَاعَ الحَيٰوةِ الدُّنيَا ثُمَّ هُوَ يَومَ القِيٰمَةِ مِنَ المُحضَرِينَ	138
62	28	القصص	أَينَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُم تَزعُمُونَ	139
62	28	القصص	وَيَومَ يُنَادِيهِم فَيَقُولُ اَينَ شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ كُنتُم تَزعُمُونَ	140

آیت نمبر	سورة نمبر	نام سورة	آیت	نمبر شمار
65	28	القصص	وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ	141
70	28	القصص	وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ	142
19	29	العنکبوت	أَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ	143
20	29	العنکبوت	قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ	144
30	29	العنکبوت	أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ	145
67	29	العنکبوت	أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ	146
8	30	الروم	أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُسَمًّى وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ لَكَافِرُونَ	147
9	30	الروم	أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ	148

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
149	اَم اَنزَلنَا عَلَیهِم سُلطٰنًا فَهُوَ یَتَکَلَّمُ بِمَا کَانُوا بِهٖ یُشرِکُونَ	الروم	30	35
150	اَوَلَم یَرَوا اَنَّ اللّٰهَ یَبسُطُ الرِّزقَ لِمَن یَّشَآءُ وَیَقدِرُ اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَومٍ یُّؤمِنُونَ	الروم	30	37
151	وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱتَّبِعُواْ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ قَالُواْ بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ ءَابَآءَنَآ أَوَلَوۡ كَانَ ٱلشَّيۡطَٰنُ يَدۡعُوهُمۡ إِلَىٰ عَذَابِ ٱلسَّعِيرِ	لقمان	31	21
152	أَلَمۡ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ يُولِجُ ٱلَّيۡلَ فِي ٱلنَّهَارِ وَيُولِجُ ٱلنَّهَارَ فِي ٱلَّيۡلِ وَسَخَّرَ ٱلشَّمۡسَ وَٱلۡقَمَرَ كُلّٞ يَجۡرِيٓ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى وَأَنَّ ٱللَّهَ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ	لقمان	31	29
153	اَلَم تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُولِجُ الَّیلَ فِی النَّهَارِ وَیُولِجُ النَّهَارَ فِی الَّیلِ وَسَخَّرَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ کُلٌّ یَّجرِی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّاَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعمَلُونَ خَبِیرٌ	لقمان	31	29
154	اَلَم تَرَ اَنَّ الفُلكَ تَجرِی فِی البَحرِ بِنِعمَتِ اللّٰهِ لِیُرِیَکُم مِّن اٰیٰتِهٖ اِنَّ فِی ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُورٍ	لقمان	31	31
155	اَم یَقُولُونَ افتَرٰىهُ بَل هُوَ الحَقُّ مِن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَومًا مَّآ اَتٰىهُم مِّن نَّذِیرٍ مِّن قَبلِكَ لَعَلَّهُم یَهتَدُونَ	السجدہ	32	3
156	اَللّٰهُ الَّذِی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ وَمَا بَینَهُمَا فِی سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ استَوٰی عَلَی العَرشِ مَا لَکُم مِّن دُونِهٖ مِن وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیعٍ اَفَلَا تَتَذَکَّرُونَ	السجدہ	32	4

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
157	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ	السجدہ	32	22
158	اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ	السجدہ	32	26
159	اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ	السجدہ	32	27
160	كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَلَاتَ حِينَ مَنَاصٍ	السجدة	32	28
161	مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	السجدة	32	28
162	وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	السجدہ	32	28
163	قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا	الاحزاب	33	17
164	أَفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ كَذِباً أَم بِهِ جِنَّةٌ بَلِ ٱلَّذِينَ لاَ يُؤْمِنُونَ بِٱلآخِرَةِ فِي ٱلْعَذَابِ وَٱلضَّلاَلِ ٱلْبَعِيدِ	سبا	34	8
165	وَلاَ تَنفَعُ ٱلشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلاَّ لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُواْ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُواْ ٱلْحَقَّ وَهُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْكَبِيرُ	سبا	34	23
166	هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ	فاطر	35	3

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
167	يَاَيُّهَا النَّاسُ اذكُرُوا نِعمَتَ اللهِ عَلَيكُم هَل مِن خَالِقٍ غَيرُ اللهِ يَرزُقُكُم مِّنَ السَّمَآءِ وَالاَرضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤفَكُونَ	فاطر	35	3
168	أَلَمْ تَرَ أَنَّ ٱللَّهَ أَنزَلَ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفاً أَلْوَانُهَا وَمِنَ ٱلْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ	فاطر	35	27
169	وَهُم يَصطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا اَخرِجنَا نَعمَل صَالِحًا غَيرَ الَّذِى كُنَّا نَعمَلُ اَوَلَم نُعَمِّركُم مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَن تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيرُ فَذُوقُوا فَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِن نَّصِيرٍ	الفاطر	35	37
170	اسۡتِكۡبَارًا فِي الۡاَرۡضِ وَمَكۡرَ السَّيِّئِ وَلَا يَحِيۡقُ الۡمَكۡرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ فَهَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِيۡنَ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِيۡلًا	فاطر	35	43
171	فَهَلۡ يَنۡظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الۡأَوَّلِينَ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبۡدِيلًا وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحۡوِيلًا	فاطر	35	43
172	اَلَم اَعهَد اِلَيكُم يٰبَنِى اٰدَمَ اَن لَّا تَعبُدُوا الشَّيطٰنَ اِنَّهٗ لَكُم عَدُوٌّ مُّبِينٌ	یٰسین	36	60
173	وَلَقَد اَضَلَّ مِنكُم جِبِلًّا كَثِيرًا اَفَلَم تَكُونُوا تَعقِلُونَ	یٰسین	36	62
174	وَلَو نَشَآءُ لَطَمَسنَا عَلٰٓى اَعيُنِهِم فَاستَبَقُوا الصِّرَاطَ	یٰسین	36	66

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
	فَاَنّٰى يُبۡصِرُوۡنَ			
175	اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَيۡدِيۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ	یٰسین	36	71
176	اَوَلَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى وَهُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ	یٰسین	36	81
177	يٰبَنِىۡۤ اٰدَمَ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوا الشَّيۡطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَـكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ، وَّاَنِ اعۡبُدُوۡنِىۡ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ	یٰسین	36	60-61
178	اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ	الصافات	37	4
179	فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ، اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ	الصافات	37	150
180	مَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ	الصافات	37	154
181	اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ، اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ، مَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ، اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ، اَمۡ لَـكُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِيۡنٌ	الصافات	37	150-156
182	قَالَ أَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ (95) وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ	الصافات	37	95-96
183	اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَيۡهِ كَلِمَةُ الۡعَذَابِ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِى النَّارِ	الزمر	39	19

آیت نمبر	سورۃ نمبر	نام سورۃ	آیت	نمبر شمار
21	39	الزمر	اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيۡعَ فِى الۡاَرۡضِ ثُمَّ يُخۡرِجُ بِهٖ زَرۡعًا مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيۡجُ فَتَرٰٮهُ مُصۡفَرًّا ثُمَّ يَجۡعَلُهٗ حُطَامًا اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ	184
43	39	الزمر	اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَعۡقِلُوۡنَ	185
81	40	المؤمن	وَيُرِيۡكُمۡ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَىَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنۡكِرُوۡنَ	186
82	40	المؤمن	اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِى الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِى الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ	187
19	43	الزخرف	اَمۡ اٰتَيۡنٰهُمۡ كِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِكُوۡنَ	188
19	43	الزخرف	وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡـَٔلُوۡنَ	189
45	43	الزخرف	وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ	190
87	43	الزخرف	وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ	191
79-80	43	الزخرف	اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ، اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ	192
13	44	الدخان	اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِيۡنٌ	193

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
194	اَفَرَءَیتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمعِهٖ وَقَلبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً فَمَن يَّهدِيهِ مِنۢ بَعدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ	الدخان	45	23
195	اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ القُراٰنَ اَم عَلٰى قُلُوبٍ اَقفَالُهَا	محمد	47	24
196	اَم حَسِبَ الَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ اَن لَّن يُّخرِجَ اللّٰهُ اَضغَانَهُم	محمد	47	29
197	أَيُحِبُّ أَحَدُكُم أَن يَأكُلَ لَحمَ أَخِيهِ مَيتًا فَكَرِهتُمُوهُ	الحجرات	49	12
198	يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اجتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعضَ الظَّنِّ اِثمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغتَب بَّعضُكُم بَعضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُم اَن يَّاكُلَ لَحمَ اَخِيهِ مَيتًا فَكَرِهتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ	الحجرات	49	12
199	قُل اَتُعَلِّمُونَ اللّٰهَ بِدِينِكُم وَاللّٰهُ يَعلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الاَرضِ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىءٍ عَلِيمٌ	الحجرات	49	16
200	اَفَلَم يَنظُرُوا اِلَى السَّمَآءِ فَوقَهُم كَيفَ بَنَينٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِن فُرُوجٍ	ق	50	6
201	اَفَعَيِينَا بِالخَلقِ الاَوَّلِ بَل هُم فِى لَبسٍ مِّن خَلقٍ جَدِيدٍ	ق	50	15
202	هَلِ امتَلَاتِ وَتَقُولُ هَل مِن مَّزِيدٍ	ق	50	30

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
203	وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ	ق	50	36
204	يَسْئَلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ	الذاریات	51	12
205	يَسْلُوْنَکَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ	الذاریات	51	12
206	اَفَسِحْرٌ هٰذَا اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ	الطور	52	15
207	اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى	النجم	53	21
208	وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ	القمر	54	15
209	وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَا اٰيَةً فَهَل مِن مُّدَّكِرٍ	القمر	54	15
210	فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ	القمر	54	16
211	وَلَقَد يَسَّرنَا القُراٰنَ لِلذِّكرِ فَهَل مِن مُّدَّكِرٍ	القمر	54	17
212	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُراٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ	القمر	54	32
213	اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ	القمر	54	49
214	فَبِاَيِّ اٰلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ	الرحمن	55	13
215	كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجهُ رَبِّكَ ذُو الجَلٰلِ وَالاِكرَامِ	الرحمن	55	26
216	وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ اَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ	الواقعہ	56	47

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
217	اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِىْ تَشْرَبُوْنَ	الواقعہ	56	68
218	مَن ذَا الَّذِی يُقرِضُ اللهَ قَرضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗ اَجرٌ كَرِيمٌ	الحدید	57	11
219	يُنَادُونَهُم اَلَم نَكُن مَّعَكُم قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنَّكُم فَتَنتُم اَنفُسَكُم وَ تَرَبَّصتُم وَارتَبتُم وَغَرَّتكُمُ الاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمرُ اللهِ وَ غَرَّكُم بِاللهِ الغَرُورُ	الحدید	57	14
220	اَلَم يَاْنِ لِلَّذِينَ اٰمَنُوا اَن تَخشَعَ قُلُوبُهُم لِذِكرِ اللهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ اُوتُوا الكِتٰبَ مِن قَبلُ فَطَالَ عَلَيهِمُ الاَمَدُ فَقَسَت قُلُوبُهُم وَ كَثِيرٌ مِّنهُم فٰسِقُونَ	الحدید	57	16
221	وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ	الصف	61	7
222	فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ	الملک	67	3
223	أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ	الملک	67	14
224	ءَاَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ اَن يَّخسِفَ بِكُمُ الاَرضَ فَاِذَا هِىَ تَمُورُ	الملک	67	16
225	أَأَمِنتُم مَّن فِي ٱلسَّمَآءِ أَن يَخۡسِفَ بِكُمُ ٱلۡأَرۡضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ	الملک	67	16
226	اَم اَمِنتُم مَّن فِي السَّمَآءِ اَن يُّرسِلَ عَلَيكُم حَاصِبًا	الملک	67	17

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
	فَسَتَعۡلَمُوۡنَ كَيۡفَ نَذِيۡرِ			
227	وَلَقَدۡ كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَكَيۡفَ كَانَ نَكِيۡرِ	الملک	67	18
228	الَّذِىۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ‌ؕ مَا تَرٰى فِىۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ‌ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰى مِنۡ فُطُوۡرٍ	الملک	67	19
229	اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّـكُمۡ يَنۡصُرُكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ‌ ؕ اِنِ الۡكٰفِرُوۡنَ اِلَّا فِىۡ غُرُوۡرٍ "	الملک	67	20
230	اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِىۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ‌ ۚ بَلْ لَّجُّوۡا فِىۡ عُتُوٍّ وَّنُفُوۡرٍ	الملک	67	21
231	اَفَمَنۡ يَّمۡشِىۡ مُكِبًّا عَلٰى وَجۡهِهٖۤ اَهۡدٰٓى اَمَّنۡ يَّمۡشِىۡ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ	الملک	67	22
232	قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكَنِيَ اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا	الملک	67	28
233	مَنْ يَّأْتِيْكُمْ بِمَاءٍ مَّعِيْنٍ	الملک	67	29
234	اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلَى الطَّيۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقۡبِضۡنَ‌ ؔ‌ۘ مَا يُمۡسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ‌ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍۢ بَصِيۡرٌ	الملک	67	3, 14 , 19
235	اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ، "اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ	القلم	68	46-47
236	سَأَلَ سَائِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ	المعارج	70	1
237	مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا	نوح	71	13

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
238	اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا	نوح	71	15
239	ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ	الواقعۃ	72	56
240	أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَلَّنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ	القیامہ	75	3
241	اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ	القیامہ	75	3
242	يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ	القیامۃ	75	10
243	وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ	القیامہ	75	27
244	أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى	القیامہ	75	36
245	اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى	القیامہ	75	36
246	اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى	القیامہ	75	37
247	أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى	القیامہ	75	37
248	اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى	القیامہ	75	40
249	هَلْ أَتَى عَلَى الْإِنْسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَذْكُورًا	الدہر	76	1
250	لِأَيِّ يَوْمٍ أُجِّلَتْ ، لِيَوْمِ الْفَصْلِ	المرسلات	77	13
251	وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ	المرسلات	77	14
252	اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ	المرسلات	77	20
253	اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا	المرسلات	77	25

نمبر شمار	آیت	نام سورۃ	سورۃ نمبر	آیت نمبر
254	وَمَا أَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ، أَلَمْ نُهْلِكِ الْأَوَّلِينَ	المرسلات	77	14, 16
255	وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ، اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ	المرسلات	77	14, 16
256	أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا	النباء	78	6
257	ءَانتُمْ اَشَدُّ خَلقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰهَا	النبا	79	27
258	بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَت	التکویر	81	9
259	يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ	الانفطار	82	6
260	فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ	الانفطار	82	8
261	وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ	المطففین	83	8
262	وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ	المطففین	83	19
263	هَل اَتٰكَ حَدِيثُ الغَاشِيَةِ	الغاشیہ	88	1
264	هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ	الغاشیۃ	88	1
265	اَفَلَا يَنظُرُونَ اِلَى الاِ بِلِ كَيفَ خُلِقَت ، وَاِلَى السَّمَآءِ كَيفَ رُفِعَت ، وَاِلَى الجِبَالِ كَيفَ نُصِبَت ، وَاِلَى الاَرضِ كَيفَ سُطِحَت	الغاشیہ	88	17–20
266	هَلْ فِي ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِى حِجْرٍ	الفجر	89	5
267	وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ	البلد	90	12
268	اَلَم يَجِدكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى	الضحیٰ	93	6

نمبر شمار	آیت	نام سورة	سورة نمبر	آیت نمبر
269	أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ	الم نشرح	94	1
270	فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ، أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ	التين	95	7, 8
271	وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ	القدر	97	2
272	وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ	القدر	97	2
273	أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ	العاديات	100	9
274	مَا الْقَارِعَةُ	القارعة	101	2
275	مَا ٱلْقَارِعَةُ ۔ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا ٱلْقَارِعَةُ	القارعة	101	2, 3
276	وَمَآ أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ	الهمزه	104	5
277	أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ "	الفيل	105	1
278	أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ، وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ	الفيل	105	3-Feb

فہرستِ احادیث

نمبر شمار	احادیث
1	اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: «ائْذَنُوا لَهُ، فَبِئْسَ ابْنُ العَشِيرَةِ - أَوْ بِئْسَ أَخُو العَشِيرَةِ -» فَلَمَّا دَخَلَ أَلاَنَ لَهُ الكَلاَمَ، فَقُلْتُ لَهُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قُلْتَ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ فِي القَوْلِ؟ فَقَالَ: «أَيْ عَائِشَةُ، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللَّهِ مَنْ تَرَكَهُ - أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ - اتِّقَاءَ فُحْشِهِ
2	إِنَّ الْأَمِيرَ إِذَا ابْتَغَى الرِّيبَةَ فِي النَّاسِ أَفْسَدَهُمْ
3	أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " لَعَنَ اللهُ الْخَمْرَ، وَلَعَنَ شَارِبَهَا، وَسَاقِيَهَا، وَعَاصِرَهَا، وَمُعْتَصِرَهَا، وَبَائِعَهَا، وَمُبْتَاعَهَا، وَحَامِلَهَا، وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ
4	انک ان اتبعت عورات الناس افسدتهم او کدت ان تفسدهم
5	جَاءَ أَعْرَابِيٌّ فَأَنَاخَ رَاحِلَتَهُ، ثُمَّ عَقَلَهَا، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَى رَاحِلَتَهُ فَأَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ ثُمَّ نَادَى اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا، وَلَا تُشْرِكْ فِي رَحْمَتِنَا أَحَدًا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَتَقُولُونَ هُوَ أَضَلُّ، أَمْ بَعِيرُهُ أَلَمْ تَسْمَعُوا إِلَى مَا قَالَ؟» قَالُوا: بَلَى
6	عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: " كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ

نمبر شمار	احادیث
7	عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى أَفْضَلِ الصَّدَقَةِ؟ ابْنَتُكَ مَرْدُودَةً إِلَيْكَ، لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ
8	مَا الْغِيبَةُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: " ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ "، قَالَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ أَيْ رَسُولَ اللهِ، قَالَ: إِنْ كَانَ فِي أَخِيكَ مَا تَقُولُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ مَا تَقُولُ، فَقَدْ بَهَتَّهُ
9	مَا مِنْ رَجُلٍ تُدْرِكُ لَهُ ابْنَتَانِ، فَيُحْسِنُ إِلَيْهِمَا مَا صَحِبَتَاهُ - أَوْ صَحِبَهُمَا - إِلَّا أَدْخَلَتَاهُ الْجَنَّةَ
10	مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ
11	مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ» وَضَمَّ أَصَابِعَهُ
12	مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ، وَأَطْعَمَهُنَّ، وَسَقَاهُنَّ، وَكَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
13	مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، - قَالَ: يَعْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ
14	يا معشر من امن بلسانه ولم يد خل الايمان قلبه لا تتبعوا عورات المسلمين فانه من اتبع عوراتهم يتبع الله عورته ومن يتبع الله عورته يفضحه فى بيته

مصادر

اسماء فضل علی، "**تعمیر شخصیت میں عبادت کا کردار**"، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۶ء۔

اصلاحی، امین احسن، "**تدبرِ قرآن**"، فاران پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء۔

"**دیباچہ تدبر قرآن**"، لاہور، فاران فاونڈیشن، لاہور، س۔ن۔

"**مقدمہ تدبر قرآن**"، لاہور، فاران فاؤنڈیشن، ۲۰۰۱ء، س۔ن۔

اصلاحی، اشرف الدین ڈاکٹر، "**ذکر فراہی**"، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، س۔ن۔

ایچ بی خان، "**برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار**"، قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت، ۱۹۸۵ء۔

افتخار احمد، ڈاکٹر، "**تفسیر تدبر قران کا تنقیدی جائزہ**"، ریسرچ جنرل، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

الافریقی، ابن منظور، محمد بن مکرم، "**لسان العرب**" مکتبہ دار صادر، بیروت، ۲۰۱۰ء۔

انصاری، حافظ عمران ایوب، "**الکتاب**" انٹرنیشنل، دہلی، نومبر ۲۰۱۰ء۔

البخاری، محمد بن اسماعیل، "**الجامع الصحیح**"، دار ابن کثیر، الیمامہ، البیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱۹۸۲ء۔

پانی پتی، ثناء اللہ، **تفسیر مظہری**، خزینہ علم وادب، لاہور، س۔ن۔

خالد مسعود، "**علم و عرفان کے ماہ کامل کا غروب**"، مشمولہ تدبر، جنوری ۱۹۹۸ء، لاہور۔

خورشید احمد پروفیسر، "**مولانا امین احسن اصلاحی کی یاد میں**"، ماہنامہ ترجمان القرآن ۱۹۹۸ء، لاہور۔

ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، "**السنن**"، (دار الفکر، بیروت، س۔ن)

ذاکر نائیک، ڈاکٹر، "**اسلام دین کائنات**"، بیکن بکس لاہور، ۲۰۱۰ء۔

رب نواز، پروفیسر، "**قرآن اور صاحب قرآن کا اسلوبِ تعلیم**"، ادارہ تعلیم و تحقیق، لاہور، ۲۰۰۱ء۔

سلیم منصور، خالد جمیل احمد رانا، "**تذکرہ سید مودودی**"، ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۲۰۰۵ء۔

سید فضل الرحمن، "**احسن البیان فی تفسیر القرآن**"، زوار اکیڈمی پبلیکیشنز کراچی، اکتوبر ۱۹۹۲ء۔

شہزاد سلیم، "**مولانا اصلاحی کی کہانی ان کی اپنی زبانی**"، ماہنامہ اشراق، لاہور، ۱۹۹۸ء۔

الشیبانی، احمد ابن حنبل، "**المسند**"، موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۲۰۰۱ء۔

صدیقی، ڈاکٹر ظہیر احمد، "**قرآن حکیم معجزہ عظیم**"، تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۱ء۔

الطبری، محمد بن جریر بن یزید، ابو جعفر، "**جامع البیان فی تاویل القرآن**"، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ۲۰۰۰ء۔

طفیل احمد میاں، "**بعض وضاحتیں**"، تدبر ۱۹۹۸ء، لاہور۔

عبداللہ بن جار اللہ، "**احوال القیامۃ**"، مکتبہ دار السلام، ۱۴۲۹ھ۔

عبدہ الراجحی، "**التطبیق النحوی**"، دار المعرفۃ، مصر، ۲۰۰۷ء۔

عزمی، اختر حسین، "**امین احسن اصلاحی**" حیات وافکار، لاہور، نشریات، ۲۰۰۸ء۔

عبدالولی، حقیقت توحید، "**انجمن اصلاح معاشرہ**"، یوپی، انڈیا، ۲۰۱۶ء۔

عبدالعزیز بلوچ، "**مفسرین عظام اوران کی تفسیری خصوصیات**"، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، س۔ن۔

عثمانی، مفتی محمد شفیع، "**معارف القرآن**"، ادارۃ المعارف، کراچی، جون ۲۰۰۵ء۔

عثمانی، مفتی رفیع، "**حیات مفتی اعظم**"، ادارہ معارف کراچی، ۲۰۱۱ء۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر، "**عقیدہ آخرت اور اسکے تقاضے**"، مکتبہ قدوسیہ، لاہور، ۲۰۰۴ء۔

عمران حسین چودھری، "**اجالوں کا نقیب، پیر کرم شاہ الازھری**"، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۸ء۔

غازی، ڈاکٹر محمود احمد، "**محاضرات قرآنی**"، الفیصل ناشران، لاہور، ۲۰۰۹ء۔

فارابی، محسن، "**اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات**"، دارالاسلام پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

ابن فارس، احمد بن فارس بن زکریا الرازی، "**الصاحبی فی فقہ اللغۃ العربیۃ ومسائلھا وسنن العرب فی کلامھا**"، تحقیق: ڈاکٹر مصطفیٰ الشواعی، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۶۴ء۔

فقیر محمد، اصول "**تفسیر و تاریخ تفسیر**"، ترجمان القرآن، لاہور، ۲۰۰۰ء۔

فلاحی، ڈاکٹر عبید اللہ، "**قرآن کریم میں نظم و مناسبت**"، دار التذکیر، لاہور، ۱۹۹۹ء۔

"فلاحی، ڈاکٹر عبید اللہ، **قرآن مبین کے ادبی اسالیب**"، دار التذکیر، لاہور، ۱۹۹۹ء۔

فیروز الدین مولوی، "**فیروز اللغات**"، فیروز سنز، لاہور، ۲۰۱۴ء۔

قادری، حافظ خان محمد قادری، "**کرم ہی کرم**"، لاہور، اوریلیا پرنٹنگ پریس، ۱۹۹۹ء۔

قاسمی، محمد اسجد، "**عبادت کا جامع اور ہمہ گیر تصور**"، اکیڈمی بکس سنٹر کراچی، اگست ۲۰۰۶ء۔

القشیری، مسلم بن حجاج، "**صحیح مسلم**"، کتاب البر والصلۃ والادب، فضل الاحسان الی البنات، دارالفکر، بیروت، س۔ن۔

ابن کثیر، عمادالدین، اسماعیل بن کثیر، "**تفسیر القرآن العظیم**"، دار عالم الکتب، ریاض سعودی عرب، ۱۹۹۷ء۔

کرم شاہ، پیر محمد الازہری، "**ضیاء القرآن**"، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء۔

کرم شاہ، پیر محمد الازہری، "**محسن کائنات**" مکتبہ المجاہد، سرگودھا۔

کیانی، سلیم، "**فکر قرآنی کا رازداں**"، تدبر، لاہور، اپریل ۱۹۹۸ء۔

لاہوری، حافظ عمران ایوب، "**آخرت کی کتاب**"، فقہ الحدیث پبلیکیشنز، لاہور، اپریل ۲۰۱۱ء۔

لودھی، بشیر احمد، "**توحید اور ہم**"، مکتبہ دارالسلام، لاہور، ۲۰۰۷ء۔

مہر، مولانا امیر الدین، "**خدمت خلق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں**"، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء۔

ابن ماجہ، محمد بن یزید، "**السنن**"، دار لفکر، بیروت، س۔ن۔

محمد بن جمیل، "**ارکان اسلام وایمان**"، مکتبہ بیت السلام، ہند، ستمبر ۲۰۱۳ء۔

مبشر حسین، "**انسان اور آخرت**"، مبشر اکیڈمی، لاہور، ۲۰۱۶ء۔
منظور الحسن، "**مولانا اصلاحی سے یادگار انٹرویو**"، ماہنامہ اشراق ۱۹۹۸ء، لاہور۔
مودودی، سید ابو الاعلیٰ، "**تفہیم القرآن**"، ترجمان القرآن، لاہور، ۱۴۲۶ھ۔
"مودودی، سید ابو الاعلیٰ، **خطبات**"، اسلامی پبلکیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء۔
نصر ولی رضا سید، "**اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار**"، ادارہ تحقیقات اسلامی، لاہور، ۲۰۰۱ء۔
ندوی، سید ابو الحسن، "**اسلامی تہذیب و ثقافت**"، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء۔
ندوی، سید سلیمان، "**حیات شبلی**"، دار المصنفین، انڈیا، س۔ن۔
"ندوی، سید سلیمان، **یادرفتگان**"، مجلس نشریات اسلامی، کراچی، ۱۹۸۳ء۔
ندوی، محمد اسجد قاسمی، "**اصلاح معاشرہ اور تعمیر سیرت و اخلاق**"، مرکز الکوثر التعلیمی والخیری، مرآد آباد ۲۰۰۷ء۔
ابو یحییٰ، "**قرآن کا مطلوب انسان**"، انذار پبلیشرز، لاہور، ۲۰۱۸ء۔
"**اردو انسائیکلوپیڈیا**"، فیروز سنز، لاہور، ۱۸۹۴ء۔
شعبہ تنظیم جماعت اسلامی، "**روداد جماعت اسلامی**"، مکتبہ جماعت اسلامی، لاہور، ۱۹۹۰ء۔
ماہنامہ ضیائے حرم، "**ضیاء الامت نمبر**"، حامد جمیل پرنٹرز، لاہور، ۱۹۹۹ء۔
شامی، مجیب الرحمن، "**ایک صدی کا انسان ابو الاعلیٰ مودودی**"، کالم نوائے وقت، ۳۰ ستمبر ۲۰۱۸ء۔
اصلاحی، ظفر الاسلامی، "**پروفیسر اشتیاق احمد سے انٹرویو**"، ششماہی علوم القرآن، علی گڑھ، اصلاحی نمبر، جنوری ۱۹۹۸ء۔
رشیدی، محمد ضمیر، "**دنیا فانی آخرت باقی**"، ماہنامہ دار العلوم، جولائی ۲۰۱۴ء، شمارہ: ۷۔
نمایش کامل، "**قرآن کریم کا تصور انسانیت**"، جامعہ المصطفی العالمیہ، ۲۰۱۹ء۔
https://iranjournals.nlai.ir/handle/۱۲۳۴۵۶۷۸۹/۱۷۱۲۲

Maria Ashraf is serving in the Department of Quranic Studies, Faculty of Islamic and Arabic Studies, the Islamia University of Bahwalpur, Pakistan.

9 786277 680053